فہرست مضامین حدیثِ وفا

۱۔اپنا یہ وعدہ یاد ہو گا لیکن.....!	بروز منگل ۲۰ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۴/ اکتوبر ۲۰۱۴ء
۲۔امید کی کرن	بروز جمعرات ۲۲ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۶/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۳۔قصر سفید کی اسلام دوستی	بروز جمعۃ المبارک ۲۳ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۴۔المیہ.....!	بروز ہفتہ ۲۴ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۵۔عیار شکاری نئے جال کے ساتھ!	بروز اتوار ۲۵ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۶۔اصل توانائی روح کی بالیدگی ہے	بروز سوموار ۲۶ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۷۔کچھ نہیں بچے گا	بروز جمعۃ المبارک ۳۰ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۲۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۸۔بدروحوں کے مسکن	بروز اتوار ۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۹۔انکار	بروز جمعۃ المبارک ۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۴ء
۱۰۔حسنین کرام۔عزیمت اور ہدائت کے مینارۂ نور	بروز سوموار ۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۳نومبر ۲۰۱۴ء
۱۱۔مودی کا اصلی چہرہ	بروز منگل ۱۱ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۴نومبر ۲۰۱۴ء
۱۲۔لینے کے دینے.....	بروز بدھ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۵نومبر ۲۰۱۴ء
۱۳۔مزاحمت کی طاقت	بروز جمعۃ المبارک ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۷نومبر ۲۰۱۴ء
۱۴۔یہ غسلِ خون بھی رائیگاں نہ چلا جائے	بروز اتوار ۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۹نومبر ۲۰۱۴ء
۱۵۔اب راج کرے گی خلقِ خدا	بروز جمعۃ المبارک ۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۱نومبر ۲۰۱۴ء
۱۶۔اقبال کی یاد.....رسم یا وسیلہ فکر	بروز ہفتہ ۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۲نومبر ۲۰۱۴ء
۱۷۔چہرے نہیں نظام بدلو	بروز ہفتہ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۵نومبر ۲۰۱۴ء
۱۸۔لنگڑی بطخ سے ہوشیار	بروز سوموار ۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۷نومبر ۲۰۱۴ء
۱۹۔افغان یوٹرن	بروز جمعرات ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۰نومبر ۲۰۱۴ء
۲۰۔ہاتھ سجھائی نہیں دیتا	بروز جمعۃ المبارک ۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۱نومبر ۲۰۱۴ء
۲۱۔ہر گلی ماتم ہے یاں	بروز سوموار ۲ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۴نومبر ۲۰۱۴ء
۲۲۔باغی نہ بنے بیٹی کوئی	بروز جمعرات ۵ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۷نومبر ۲۰۱۴ء
۲۳۔خوف	بروز سوموار ۹ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء
۲۴۔مغرب کا لرزتا قصر	بروز بدھ ۱۱ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۳دسمبر ۲۰۱۴ء
۲۵۔عجیب ہیں ہم سب	بروز جمعۃ المبارک ۱۳ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۵دسمبر ۲۰۱۴ء

۲۶۔ کن فیکون	بروز سوموار ۱۶ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۸ دسمبر ۲۰۱۴ء
۲۷۔ افغانستان: امریکی انخلاء مؤخر	بروز منگل ۱۷ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۹ دسمبر ۲۰۱۴ء
۲۸۔ عجیب شخص	بروز بدھ ۱۸ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۹ دسمبر ۲۰۱۴ء
۲۹۔ اب یہ مکاری نہیں چلے گی	بروز جمعۃ المبارک ۲۰ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۰۔ حق کے علمبر اور عزادار	بروز منگل ۲۴ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۵ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۱۔ رسوائیوں کی روسیاہی	بروز بدھ ۲۵ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۲۔ لہو کے عطر میں بسے ہوئے بچے	بروز جمعۃ المبارک ۲۷ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۸ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۳۔ دل کی آواز	بروز ہفتہ ۲۸ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۹ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۴۔ پشاور: ۱۶ دسمبر نے بہت رلایا	بروز سوموار ۳۰ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۵۔ ہمیں دیمک نے چاٹا ہے شجر کاری کے موسم میں	بروز سوموار ۳۰ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۶۔ ارادے کی مضبوطی	بروز منگل یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۳ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۷۔ امریکا: مسلم امہ کے پیچھے لٹھ لئے ہوئے کیوں؟	بروز بدھ یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۴ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۸۔ رب سے کوئی جیت نہیں سکتا	بروز سوموار ۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۴ء
۳۹۔ سالگرہ	بروز منگل ۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء
۴۰۔ بات رہتی ہے سر نہیں رہتا	بروز جمعۃ المبارک ۹ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۱۔ رب سے زیادہ کوئی داناو حکیم نہیں	بروز اتوار ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۴ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۲۔ ہم سارے لاوارث لاشیں کون ہمیں پہچانے گا	بروز منگل ۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۶ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۳۔ "مشن ۴۴ ناکام"	بروز جمعۃ المبارک ۱۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۹ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۴۔ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا	بروز سوموار ۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۲ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۵۔ رااور بلیک واٹر	بروز بدھ ۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۴ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۶۔ وہی صیاد، وہی کمزور فریاد	بروز جمعۃ المبارک ۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۶ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۷۔ اللہ کاانعام..... معافی	بروز سوموار ۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۹ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۸۔ سرخ ریچھ نئے شکار کی تلاش میں	بروز جمعرات ۲ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۲ جنوری ۲۰۱۵ء
۴۹۔ ڈومور	بروز جمعۃ المبارک ۳ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۳ جنوری ۲۰۱۵ء
۵۰۔ صرف مطالبوں سے بات نہیں بنے گی	بروز ہفتہ ۴ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۴ جنوری ۲۰۱۵ء
۵۱۔ قیام پاکستان کی حقیقت	بروز اتوار ۵ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۵ جنوری ۲۰۱۵ء
۵۲۔ اپنے اپنے بے وفاؤں نے یکجا کیا	بروز جمعۃ المبارک ۱۰ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۳۰ جنوری ۲۰۱۵ء

۵۳۔ برہمن سیاست میں صفِ ماتم	بروز ہفتہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۳۱ جنوری ۲۰۱۵ء
۵۴۔ یہ غسل خوں بھی کہیں رائیگاں نہ چلا جائے	بروز اتوار ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ یکم فروری ۲۰۱۵ء
۵۵۔ انجانی منزل کے بھٹکے مسافر	بروز بدھ ۱۵ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۴ فروری ۲۰۱۵ء
۵۶۔ خوش گمانی یا عالمی ڈرامہ	بروز جمعۃ المبارک ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۶ فروری ۲۰۱۵ء
۵۷۔ کونوا انصار اللہ...	بروز جمعۃ المبارک ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۶ فروری ۲۰۱۵ء
۵۸۔ آنکھیں نہیں پورا بدن روتا ہے	بروز ہفتہ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۷ فروری ۲۰۱۵ء
۵۹۔ عقابی روح	بروز اتوار ۱۹ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۸ فروری ۲۰۱۵ء
۶۰۔ امن کی ضمانت..... ضربِ عضب	بروز منگل ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۱۰ فروری ۲۰۱۵ء

بسم الله الرحمن الرحيم

اَوَلَمْ يَرَوْ اَنَّانَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُہَامِنْ اَطْرَافِہَاوَاُللّٰہُ يَحْكُمُ لَامُعَقِّبَ لِحُكْمِہِ وَہُوَسَرِيْعُ الْحِسَاب

کیاوہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کواس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور فیصلہ اللہ کرتا ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو بدلنے والا نہیں اور اسے حساب لیتے ہوئے دیر نہیں لگتی

(سورۃ الرعد: ۴۱)

انتساب

ان گمنام شہداء کے نام

جو قلم کی حرمت پر قربان ہو گئے

اپنا یہ وعدہ یاد ہو گا لیکن.....!

امیر المؤمنین عمر فاروق نے ایک مرتبہ شدید سرد اور تاریک رات میں ایک عورت اور اس کے تین بچوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ کئی روز سے بھوکے بچے اپنی ماں سے کچھ کھانے کو مانگ رہے تھے۔ امیر المؤمنین اس عورت کے پاس گئے اور اس سے اس حالت کی بابت دریافت کرنا چاہا۔ عورت نے کہا "میری اس حالت زار کا ذمہ دار عمر بن خطاب ہے۔

"حضرت عمر نے فرمایا" کوئی ہے جس نے عمر کو تمہاری حالت سے آگاہ کیا ہو؟

"عورت نے جواب دیا" ہمارا حکمران ہو کر وہ ہم سے غافل رہے گا۔ یہ کیسا حکمران ہے جس کو اپنی رعایا کی کچھ خبر نہیں؟

یہ جواب سن کر عمر فاروق نے دن ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور اسی رات بیت المال پہنچے۔ آٹے کی بوری، گھی اور شہد کا ایک ڈبہ نکالا اور چوکیدار سے فرمایا کہ سامان کو میری پیٹھ پر لاد دو۔ چوکیدار نے سامان اپنی پیٹھ پر اٹھانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: "کیا قیامت کے روز تم میرے گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے؟ حضرت عمر پیٹھ پر سامان لادے اس عورت کے گھر پہنچے۔ کھانا تیار ہو گیا تو ان بچوں کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔ یہ منظر دیکھ کر ان یتیم بچوں کی ماں نے کہا "قسم اللہ کی! تم عمر سے کہیں زیادہ منصب خلافت کے اہل ہو" حضرت عمر نے فرمایا "کل عمر کے پاس جانا میں تمہارے معاملات کے متعلق اس سے سفارش کروں گا۔ اگلے روز وہ عورت دربار خلافت پہنچ گئی۔ وہاں اس نے اپنے محسن کو امیر المؤمنین کی جگہ پر بیٹھے دیکھا تو اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ اس نے عمر فاروق سے معافی کی درخواست کی۔ حضرت عمر نے فرمایا "عمر اس وقت تک خود کو معاف نہ کرے گا جب تک تو اپنی شکایت میرے ہاتھ بیچ نہ دے۔" اس عورت کے منع کرنے کے باوجود آپ نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی گواہی میں اس عورت کی شکایت اپنے مال سے چھ سو درہم کے عوض خرید لی پھر اس کی ایک تحریر قلمبند کرائی اور دونوں اصحاب سے فرمایا کہ "جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اس تحریر کو میرے کفن میں رکھ دینا تاکہ میں اس کو لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔" (ابن کثیر)

اے میرے خدا! کہاں چلے گئے ہیں وہ سب لوگ؟

آج ہم دنیا بھر میں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ غربت امیروں کی کالی دولت کی طرح بڑھتی جا رہی ہے۔ امیر ترین حکمرانوں نے ہمیں دشمنان اسلام کی چوکھٹ کا بھکاری بنا دیا ہے۔ اس بیوہ نے کہا "عمر کیسا حکمران ہے جس کو اپنی رعایا کی کچھ خبر نہیں" اس ایک جملے سے آپ کو اپنی دنیا اور آخرت تباہ ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ "سب سے بڑی دولت اللہ کا خوف ہے۔ اسلامی ریاست پاکستان کے حکمرانوں کو سنہرے ادوار کے حکمرانوں کا ایک فیصد خوف بھی نصیب ہو جائے تو اس ملک کی تقدیر بدل جائے۔ غریب خودکشی کی موت سے بچ جائیں۔ ملک بھر میں مزدوروں ضروریات زندگی، آنسوؤں اور ان کی دم توڑتی ہوئی سسکیوں کا علم لہرایا گیا۔ حکمرانوں نے سیاسی روایت کا دن منایا گیا۔ غریبوں کے بنیادی حقوق، کو برقرار رکھتے ہوئے اعلانات، تقاریر اور عہد و پیمان کا رٹا بھی لگایا۔ لوگ بھوک اور بیماری سے مر رہے ہیں۔ ہم وطنوں کی حالت زار حلق سے نوالہ نہیں اترتا۔

دل خون کے آنسو رو رہا ہے فیض نے کہا تھا۔

جب کہیں بیٹھ کے روتے ہیں وہ بے کس

جن کے اشک آنکھوں میں بلکتے ہوئے سو جاتے ہیں

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت

شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے

آگ سی سینے میں رہ رہ کر ابلتی ہے

نہ پوچھ اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے

میاں برادران ججوں کی بحالی کیلئے نکلے تو سرخرو ہوئے اور آج اپنے اس وعدے کی تکمیل پر بہت نازاں ہیں تو کیا وہ اپنا وعدہ پورا ہونے کے بعد غریب عوام کو سستا انصاف دلانے کے بھی ذمہ دار نہیں؟ روٹی کپڑا اور مکان آصف زرداری کی پارٹی کا نعرہ ہے جس کی بناء پر انہیں حکومت ملی اور ملک کے سب سے بڑے منصب پر بھی فائز ہوئے، تو کیا وہ اپنی کھربوں کی دولت میں سے ملک کے لاکھوں غریبوں کو روٹی، کپڑا اور مکان دلانے کے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟ دولت سے دنیا تو خریدی جاسکتی ہے لیکن ایک غریب کے دل سے نکلی ہوئی دعا کا مول نہیں لگایا جاسکتا لیکن یہ کیا، وہ تو اپنی بیوی کے زیورات کا بھی مطالبہ کر رہے ہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ اللہ کو دیکھنا ہے تو یتیم کے چہرے کی مسکان میں دیکھ۔ "یتیم کو پالنے والی بھی ذات ہے اور اس کا وسیلہ بن جانا بھی اسی رب کی توفیق ہے۔ دولت نے کبھی کسی کو سکون نہیں دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بادشاہوں نے بادشاہی چھوڑ کر درویشی تو قبول کی ہے لیکن کسی نے درویشی چھوڑ کر بادشاہی قبول نہیں کی۔

اس جدید صدی کی ہولناک صورتحال کو قیامت کی نشانیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک طالبہ نے روحانیت کے موضوع پر ایک تقریر میں کہا تھا "ضروری نہیں کہ دنیا میں پیش آنے والے یہ المناک حالات قیامت کی نشانیاں ہوں۔ عبرتناک آزمائشوں سے خدا اپنے بندوں کو اس جہاں میں آنے کا بھولا ہوا مقصد یاد کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے بندے خود غرض، سنگدل، بے خوف اور دنیادار ہو چکے ہیں۔ فریب اور عارضی زندگی کا اسیر ہو رہے ہیں۔ اپنی خودی کو فراموش کرنے والے قیامت کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔" غریبوں کو خدا یاد رہتا ہے۔ شب و روز کی انتھک محنت اور مزدوری کے بعد رات کو جب کھردری چارپائی یا چٹائی پر نڈھال ہو کر گرتے ہیں تو ہر کراہ پر "اللہ" کو پکارتے ہیں۔ نبی ﷺ کی غریبی پر قربان کہ آپ ﷺ کے صدقے ہی غریب کا مان ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے مزدوروں کا کبھی "ایک دن" نہیں منایا تھا۔ وہ ان کی حقیقت کو ہر روز دیکھتے تھے۔ مشہور کلام "شکوہ جوابِ شکوہ" میں اللہ امیروں سے ہمکلام ہیں۔

جاکے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب

زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب

پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملت بیضا غرباء کے دم سے

حضرت فاروقؓ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے میاں شہباز شریف کا وہ جملہ یاد آرہا ہے۔ان دنوں وہ موذی مرض کی وجہ سے نیویارک میں مقیم تھے۔ آپریشن کے بعد حالت بے ہوشی میں انگریزی میں کچھ جملے کہے تھے جو ان کے قریب کھڑی امریکی نرس نے نوٹ کر لئے تھے۔اس نے بتایا کہ مسٹر شریف پاکستان کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ان جملوں میں غریب عوام کی خدمت کا درد تھا۔جو سوچ انسان کے شعور اور لاشعور میں گھر کر جائے وہ حالت بے ہوشی میں بھی زبان پر آجاتی ہے۔میاں شہباز شریف کو آج بھی یاد ہوگا کہ صحت مند ہونے کے بعد انہوں نے نیویارک میں ہی اپنی ایک تقریر کے دوران حضرت عمرؓ فاروق کے مذکور واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ نے انہیں صحت عطا کی تو وہ اپنی باقی زندگی اپنے غریبوں کی خدمت میں گزار دیں گے۔یقیناً انہیں اپنا یہ وعدہ یاد ہوگا لیکن سیلاب سے متاثرین کیوں دہائی دے رہے ہیں؟

بروز منگل ۲۰ ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء

"امید کی کرن"

رعونت، درندگی اور سفاکی، تہذیب کے ہر قرینے اور انسانیت کے ہر سلیقے سے عاری ہوتی ہے۔ وہ اپنی خوں آشامی کا جواز خود ہوتی ہے اور اپنی حیا باختگی کی دلیل خود تراشتی ہے۔ کسی کی برہمی، کسی کی تنقید اور کسی کی حرف گیری سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ایسا ہونا ہوتا تو امریکا بہت پہلے سے اپنا چلن تبدیل کر چکا ہوتا اور اسے اندازہ ہو گیا ہوتا کہ اسلحے اور ٹیکنالوجی کے زور پر انسانوں کے پرخچے اڑانے اور بستیاں پیوند زمین کر دینے سے نہ کوئی قوم سربلند ہوتی اور نہ کوئی ریاست آبرو پاتی ہے۔ امریکی تاریخ حیا باختہ جنگوں، آزاد خود مختار ممالک کے امور میں ننگی مداخلت اور معصوم انسانوں کے قتل سے بھری پڑی ہے۔ اگر کسی کے پاس مستند اور مصدقہ اعداد و شمار جمع کرنے کا ہنر ہوتا تو پتہ چلتا کہ امن، انسانی حقوق، جمہوریت اور آزادی کا درس دینے والی سپر پاور کے دامن پر جھوٹ کے کتنے داغ اور مکاری کے کتنے چھینٹے ہیں۔

بھول جایئے کہ چھ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما پر پہلا ایٹم بم "امن و آشتی" کے اسی علمبردار نے گرایا تھا جس سے تین لاکھ سے زائد انسان ہلاک اور لاکھوں اپاہج ہو گئے ۔ بھول جایئے کہ ۹ اگست ۱۹۴۵ء کو اسی مبلغِ انسانیت نے ناگاساکی پر دوسرا ایٹم بم گرایا تھا جس سے شہر کی ایک تہائی آبادی ہلاک ہو گئی تھی۔ اڑھائی سو سال پہلے ۱۷۶۳ء میں پہلے جراثیمی ہتھیار بھی امریکا میں موجودہ امریکیوں کے آباؤاجداد نے استعمال کئے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران جنگی قیدیوں پر زہریلی گیس استعمال کرنے کا اعزاز بھی امریکا کے پاس ہے۔ ۱۹۲۵ء میں جب جنیوا کنونشن کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی لگا رہا تھا تو سب سے زیادہ مخالفت نہ صرف امریکا نے کی تھی بلکہ اس پابندی کو قبول کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ یہ باتیں بھول جایئے کہ قصۂ ماضی ہو چکی ہیں لیکن آج بھی امریکا این پی ٹی پر دستخطوں سے انکاری ہے۔ وہ روس سے کئے گئے اینٹی بلاسٹک میزائلوں کے معاہدے سے بھی یکطرفہ طور پر منحرف ہو چکا ہے۔ آج بھی اس کے ایٹمی گودام میں بارہ ہزار سے زائد ایٹم بم اور کیمیائی اور جراثیمی ہتھیاروں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ آج بھی اس کی غارت گری اور انسانیت کشی جوں کی توں ہے بلکہ کئی گنا بڑھ چکی ہے۔

تقریباً گیارہ سال قبل جولائی ۲۰۰۲ء میں افغانستان کے ایک گاؤں میں شادی کی ایک تقریب جاری تھی۔ بچیاں ڈھولک کی تھاپ پر گیت گا رہی تھیں، پٹاخے چھوٹ رہے تھے۔ آسمانوں کی بلندیوں سے امریکی طیاروں نے دیکھا اور اسے طالبان کی جنگی تیاریوں کا کوئی کیمپ خیال کرتے ہوئے درجنوں بم گرا دیئے۔ عورتوں اور بچوں سمیت ۴۸ بے گناہ انسانوں کے پرخچے اڑ گئے۔ عالمِ اسلام نے جھرجھری تک نہ لی۔ مری مری، منمنی سرگوشیوں کے سوا احتجاج کی کوئی لے بلند نہ ہوئی۔ قبریں کھدیں اور جلنے سے بچ جانے والے اعضاء دفن کر دیئے گئے۔ امریکی سنٹرل کمانڈ نے سینہ تان کر کہا..... "ہم اس حملے میں پوری طرح حق بجانب تھے، ہمارے جہازوں پر فائرنگ کی گئی تھی۔ اس سفاکی کے دو سال بعد ایسا ہی المیہ عراق کے ایک سرحدی گاؤں میں بھی پیش آیا جہاں شادی کی ایک تقریب پر بم برسا کر ۵۵/افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ زمین پر رینگتے کیڑوں مکوڑوں کو دیکھ لینے والی ٹیکنالوجی کو شادی کی تقریب "المہدی آرمی" کی چھاؤنی نظر آئی۔ خبر رساں ایجنسی رائٹر نے ایک عینی شاہد کے حوالے سے بتایا کہ شہید ہونے والوں میں ۱۵ بچے اور ۲۵ خواتین بھی شامل تھیں۔ ایک اور عینی شاہد نے العربیہ ٹی وی چینل کو بتایا کہ امریکی طیاروں نے کم و بیش ایک سو بم گرائے۔ ٹی وی چینل نے یہ بھی دکھایا کہ کس طرح لہو بہہ رہا ہے اور کس طرح ایک گرد سے اٹی ہوئی سڑک پر کٹی پھٹی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔

کورٹ مارشلز اور بازپرس کا ڈرامہ بھی اس ابوغریب جیل اور بگرام ایئربیس کی متعفن کہانیاں سامنے آنے کے بعد تحقیقات، گواہیاں، بیانات،

تہذیب یافتہ دنیا نے دیکھا لیکن اب تک کوئی نہیں جو اس کھلی بربریت پر امریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے۔ آج بھی جب وائٹ ہاؤس، پینٹاگون یا سٹیٹ آفس کا کوئی کارندہ کسی مسلمان ملک کا رخ کرتا ہے تو حکمرانوں پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کیلئے سرخ قالین بچھتے، خیر مقدمی بینر لگتے اور پر تکلف ضیافتوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس کے خون آلود ہاتھوں کو تھامنا، مصافحہ کرنا اور چومنا اعزاز و افتخار خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی تشریف آوری کو اپنی عزت افزائی سمجھا جاتا ہے۔

بیسویں صدی میں اٹھارہ کروڑ کے لگ بھگ انسان جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اقوام متحدہ وجود میں آئی بھی تو خونریزی نہ روک سکی۔ اب تو امریکا نے کسی آزاد ملک پر حملہ آور ہونے کیلئے جھوٹے سچے پرمٹ کی روایت بھی ختم کر دی ہے اور "حفظِ ماتقدم" کا نیا فلسفہ تخلیق کیا ہے، گزشتہ صدی کے اختتام پر جولائی ۱۹۹۸ء میں اقوام متحدہ کے ۱۲۰ رکن ممالک ہیگ میں جمع ہوئے۔

انہوں نے جینوا کنونشن کے ضابطوں کو زیادہ مؤثر بنانے اور جنگی جرائم کے مرتکب فوجیوں کو سزا دینے کیلئے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ کے چارٹر کی منظوری دی۔ اس عدالت کو عملاً وجود میں آئے ہوئے ۱۶ سال ہونے کو ہیں لیکن امریکا کی بدمستیاں جاری ہیں۔ اس نے اس عدالت کے خلاف سب سے زیادہ واویلا کیا اور کہا "ہماری فوج تو دنیا کے ایک سو ممالک میں موجود ہے، ہمیں سیاسی وجوہ کی بناء پر اس عدالت میں گھسیٹا جاتا رہے گا"۔ عالمی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کیلئے صدر کلنٹن نے جاتے جاتے اس چارٹر پر دستخط تو کر دیئے لیکن قصر سفید میں قدم رکھتے ہی بش نے اپنے فرعونی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی توثیق سے انکار کر دیا اور اوبامہ بھی انہی کی پالیسی پر کاربند ہیں۔ اس عدالت کو غیر مؤثر بنانے کیلئے امریکا نے دنیا کے ۸۹ ممالک سے معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر کوئی امریکی فوجی یا سویلین انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور جنگی جرائم میں ملوث پایا گیا تو اسے امریکا کے حوالے کر دیا جائے گا۔ امریکا نے قانون بنا رکھا ہے کہ جو ملک اس نوع کا معاہدہ کرنے سے انکاری ہو، اس کی امداد روکی جا سکتی ہے۔ احتیاط مزید کے طور پر امریکا نے ۲۰۰۲ء میں سلامتی کونسل کی ایک قرار داد کے ذریعے اپنے آپ کو ایک سال کیلئے اس عدالت سے مستثنیٰ قرار دلوایا، جولائی ۲۰۰۳ء میں اس میں مزید ایک سال کی توسیع کر دی گئی اور اس کے بعد اب تک ہر سال امریکا استثنیٰ کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

ادھر جب جی چاہتا ہے امریکا کے لے پالک اسرائیل غزہ کی پٹی میں بیگناہ فلسطینیوں کا بربریت کے ساتھ خون بہانے کیلئے تیار رہتا ہے، کسی بھی مسلمان ملک کو یہ توفیق تک نہیں ہوتی کہ اس حملے کے خلاف متحد ہو کر اقوام متحدہ کا اجلاس بلا کر فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے اسرائیل کو اس ظلم سے باز رکھ سکیں بلکہ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ خود کئی مسلمان ملکوں در پردہ اسرائیل کا اس بربریت میں ساتھ دیتے ہیں لیکن بالآخر سعیدہ وارثی کے استعفیٰ کے بعد مظلوم فلسطینیوں کی آہ و بکاء اپنا راستہ خود بنانے میں کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اسرائیل کی خالق برطانیہ کی پارلیمنٹ نے فلسطین کو الگ ریاست بنانے کی قرارداد پاس کی ہے جو آئندہ دنیا کی بیشتر مظلوم قوموں کیلئے بھی امید کی کرن بنتی دکھائی دے

رہی ہے۔

ادھر دوسری طرف پاکستانی قوم ان دنوں سارا وقت اسلام آباد میں جاری دھرنوں کی لمحہ بہ لمحہ کوریج کے بعد اب سیاسی جلسوں کو ایسے دیکھ رہی ہے جیسے پاکستان اور بھارت کے درمیان کرکٹ میچ ہو۔ اس دوران کسی کو پلک جھپکنے تک کا ہوش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کے بارے میں بھارتی آبی جارحیت کے بعد حالیہ چند روز کے دوران ہونے والی سرحدی جھڑپوں پر نہ تو کسی کی نظر ہے اور نہ ہی کسی کو یہ فرصت کہ اس کے اسباب اور نتائج کی نزاکت کو سمجھ سکے لیکن اسی برطانیہ میں عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کیلئے مسئلہ کشمیر پر ملین مارچ کی تیاریاں عروج پر ہیں!

بروز جمعرات ۲۲ ذوالحج ۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

قصر سفید کی اسلام دوستی؟

قصر سفید کے فرعون اوباما کی اگر پہلی تقریر سے لیکر اب تک تکرار سے کی ہوئی تمام باتیں تسلیم کرلی جائیں کہ امریکا کی جنگ اسلام سے نہیں تو کیا اس حد تک حقیقت تسلیم کرلی جائے کہ یہ جنگ مسلمانوں سے تو ہے۔ "ہماری جنگ" کے تقدس کا تقاضہ ہے کہ امریکا جسے بھی مارے اسے دہشتگرد مان لیا جائے لیکن ایسا ماننے میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اب تک امریکا عراق میں گیارہ لاکھ سے زائد دہشتگردوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے، کئی لاکھ افغانستان میں بھی مارے جاچکے ہیں، پاکستان میں بھی مارے جانے والوں کی گنتی بھی گزشتہ بارہ سالوں کی اکٹھی کرلی جائے تو پتہ نہیں تعداد کتنے لاکھ تک پہنچ جائے۔ نائجیریا، شام، فلسطین، لیبیا، مالی، صومالیہ میں کئی لاکھ مارے جاچکے، گویا مارے جانے والے دہشتگردوں کی تعداد ملینز میں ہے۔ پائپ لائن میں تو کروڑوں ہوں گے اور ابھی تو یہ جنگ شروع ہوئی ہے، نجانے کتنے ملین دہشتگرد (جنہیں امریکا دہشتگرد قرار دیتا ہے) مزید مارے جانے ہیں۔ سوال اوباما سے یہ ہے کہ ساری دنیا کے دہشتگرد صرف مسلمان ہی کیوں ہیں اور اتنے زیادہ کیوں ہیں؟

دنیا میں اتنے سارے مذاہب ہیں تو کیا باقی سب کے سب دہشتگردوں اور دہشتگردی سے پاک ہیں، کچھ انوکھا ماجرا نہیں ہے؟ اوباما نے دو تین باتیں کیں لیکن اصل میں ایک ہی بات ہے۔ دو باتیں یوں کیں کہ ایک تو داعش کو ختم کریں گے اور دوسری یہ کہ یوکرائن پر روسی جارحیت ناکام بنائیں گے اور ایک ہی بات اس کی کہ امریکا کچھ کرسکتا ہے تو صرف داعش کے خلاف کچھ کرسکتا ہے۔ روس کے خلاف صرف اعلان کیا ہے اور اعلان ہی کرے گا۔ داعش کے پاس نہ تو جہاز ہیں نہ جہاز گرانے والی توپیں، اسے "بہادرانہ بمباری" کرکے تہس نہس کردینا بہت آسان ہے (اور دفاعی جنگ کا نام دیکر جواز بھی فراہم کرلیا جائے گا) یہ الگ بات ہے کہ القاعدہ ابھی تہس نہس نہیں ہوئی لیکن اس کے اندر سے داعش نکل آئی اور داعش تہس نہس کردی جائے گی تو کل کچھ اور نکل آئے گا۔

داعش پر بڑے حملے میں بہت سے شہری مارے گئے۔ یہ بات مغربی ایجنسیوں کے توسط سے پہنچی ہے لیکن پاکستان میں رہنے والے تو ان شہریوں کو بھی دہشتگرد ہی مانیں گے وگرنہ "ہماری جنگ" ناراض ہوجائے گی۔ خیر، امریکا کے ایک نیا تباہ کن اور ناقابل تسخیر بے حد قیمتی جہاز ایف ۲۲/اے ریپٹر بنایا ہے جو اتنا قیمتی ہے کہ امریکا اپنے کسی اتحادی کو بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ مسلمان اپنے نصیب پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے کہ آزمائش انہی پر ہوئی۔ داعش کے خلاف یہی طیارہ استعمال ہورہا ہے۔ افغانستان اور عراق جنگ میں بھی بہت سے نئے اسلحے کی آزمائش ہوئی۔ ایف ۲۲/اے ریپٹر بہت ہی کام کا جہاز ہے لیکن کیا روس کے خلاف بھی اس سے کام لیا جائے گا؟ مشکل ہے! یوکرائن، امریکا اور نیٹو کیلئے وہ بن گیا ہے جسے مرحوم جنرل ضیاء الحق "مخمصہ" کہا کرتے تھے۔ روس، یوکرائن پر حملہ نہیں کرے گا، وہ دھرنے دلوائے گا اور باغیوں سے لانگ مارچ کروائے گا، کروائے گا نہیں وہ تو کروا رہا ہے، ہر روز باغی اور انقلابی کوئی نہ کوئی یوکرائنی علاقہ قبضے میں لے لیتے ہیں اور روس کے میزائلوں سے یوکرائنی جہاز اڑا دیتے ہیں یہاں تک ایک مسافر طیارہ بھی مار گرایا اور اوباما کچھ بھی نہ کرسکے۔

ذرا خیال کیجئے! کوئی مسافر طیارہ کسی مسلمان ملک نے گرایا ہوتا تو اب تک اسے افغانستان یا عراق بنا دیا گیا ہوتا۔ امریکا روس کو روکتا ہے تو جنگ چھڑ جائے گی اور نہیں روکتا تو یوکرائن کے بیشتر علاقے "آزاد" کرالے گا، پھر امریکا کیا کرے گا؟ یہ بات امریکا کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ یوکرائن کے حصے بخرے ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ نیٹو کی دفاعی دیوار کو سیلاب لے گیا۔ امریکا کو فی الحال صرف ایک بات سمجھ میں آرہی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مارنا بہت آسان ہے اور "ہماری جنگ" والوں کو ایک امریکا سے بھی زیادہ سمجھ نہیں آرہی ہے اور وہ یہ کہ امریکا کی جنگ اسلام کے

خلاف نہیں، ہر گز نہیں!

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مغربی مفکرین کے نزدیک مسلمان انسان کہلانے کے ہی مستحق نہیں۔ مسئلہ فلسطین کو آسانی سے سمجھنے کیلئے تین فریق بنالیتے ہیں اور ان تینوں سے ماضی کی مدد سے تین سوال پوچھتے ہیں۔ فریق اوّل امریکا، جو دنیا میں واحد "سپر پاور" ہے، فریق دوم، اسرائیل جو ظالم ہے اور فریق سوم، اقوام متحدہ کہ جو انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہے۔ سوال یہ ہے کہ امریکا اور اقوام متحدہ کیوں اسرائیل کو نہیں روک رہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اسرائیل ظلم کیوں کر رہا ہے اور تیسرا سوال یہ ہے دنیا بھر میں قائم انسانی حقوق کی تنظیمیں کیوں خاموش ہیں؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ امریکا کی تاریخ خود ۹ کروڑ ریڈ انڈینز کے خون سے رنگین ہے۔ اس تاریخ کے اوراق سے آج بھی ۹ کروڑ ریڈ انڈینز کے لہو کی بو آتی ہے۔ وہ بھلا آج اسرائیل کو فلسطینیوں کے قتل عام سے روک سکتا ہے؟ ''نان کلنگ گلوبل پولیٹیکل سائنس'' کے مقالہ نگار ڈاکٹر سکندر مہدی کے مطابق: یورپین باشندوں نے کولمبس کے امریکا پہنچنے کے صرف ۲۱ سال کے اندر اندر ۸۰ لاکھ کو قتل کرایا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے شائع ہونے والی امریکی مورخ "مائیکل مین" کی کتاب ''دی ڈارک سائڈ آف ڈیموکریسی'' میں بھی امریکی قتل عام کی تعداد نو کروڑ بتائی گئی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف وائلنس، پیس کنکٹ (جلد سوم۔ اکیڈیمک پریس ۱۹۹۹ء ص ۶۰ کے مطابق براعظم امریکا میں یورپین باشندوں کی آمد سے لیکر ۱۹ویں صدی کے اختتام تک قریباً دس کروڑ افراد کو قتل کیا گیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک ہزار سال کی معلوم تاریخ میں جتنے لوگ پوری دنیا میں ہلاک یا قتل کئے گئے اس سے زیادہ امریکا کے یورپین آبادگاروں کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں قتل کر دیئے گئے اور یہ قتل دنیا کے مہذب ترین انسانوں کے ہاتھوں ہوئے، جو نئی روشن، رومانی تحریک، عقلیت، علم، بنیادی حقوق، لبرل ازم، انسانیت، آزادی اور انسان کی خدائی کے دعوے کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں کروڑ ریڈ انڈینز کے نشیمنوں پر بجلیوں کا کارواں گزر گیا۔

امریکی ریڈ انڈینز کو ملحد، ناپاک، کیڑے مکوڑے، گنوار، کتے، بھیڑیئے، سانپ، سؤر اور بے عقل گوریلے کے نام سے پکارتے ہیں (مائیکل مین کی کتاب صفحہ ۸۵)۔ ان ریڈ انڈینز پر مظالم کے وہ پہاڑ گرائے گئے کہ آپ اس کا تصور کریں تو آپ کی روح کانپ جائے۔ ان کو شادی کی اجازت نہیں تھی، ان کے بچوں سے جبری مزدوری کروائی جاتی تھی، ان کی عورتوں کو طوائف بننے کیلئے چھوڑ دیا جاتا تھا، پھر جن عورتوں کو ایڈز لاحق ہو جاتی، انہیں ریڈ انڈینز مردوں کو راحت پہنچانے کی اجازت دی جاتی۔ مائیکل مین اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ۱۸۴۸ء میں کیلی فورنیا کو میکسیکو سے کاٹ کر ریاست ہائے متحدہ امریکا کی ایک ریاست بنا دیا گیا جس کے نتیجے میں ریڈ انڈینز کے بالارادہ قتل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ اس قتل عام کی بڑی وجہ جبری امراض (ایڈز) بھوک اور افلاس تھی۔ بھوک کی وجہ سے ریڈ انڈینز میں بیماریوں کے خلاف قوت مزاحمت ختم ہو گئی، لہٰذا موت ان کا مقدر بنا دی گئی۔ صرف ۱۰ فیصد ریڈ انڈینز براہِ راست قتل کئے گئے جبکہ ۶۰ سے ۷۰ فیصد مقامی آبادی کو بھوک، قحط، نسل کشی، عورتوں مردوں کی شادیوں پر قدغن اور خطرناک بیماریوں کے ذریعے سے جو محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں تھیں، قسطوں میں ہلاک کیا گیا۔ باقاعدہ زمینی رقبے پر قبضے کیلئے ریڈ انڈینز کو بھی جنہوں نے موت سے بچنے کیلئے عیسائیت قبول کر لی، مارا گیا اور یہ قتل مہذبانہ

قتل قرار دیا گیا۔

آج اسرائیل جو ظلم فلسطینیوں پر ڈھا رہا ہے، ماضی میں یہ سب بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت مظالم امریکا "بہادر" نے ڈھائے ہیں چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے اسرائیل نے یہ مظالم امریکا کی تاریخ پڑھ کر سیکھے ہوں گے۔ ریڈ انڈینز کیلئے مختلف علاقے متعین تھے اور اعلان کیا گیا تھا کہ اگر کوئی ریڈ انڈینز ان علاقوں سے باہر نظر آئے تو اس کو بھگا دو ورنہ مار دو۔ آج اسرائیلی وزیر اعظم کی پریس کانفرنس پر سب ہی حیران ہیں جبکہ اس پریس کانفرنس سے زیادہ سخت زبان امریکی صدور نے ریڈ انڈینز کے قتل عام کیلئے استعمال کی تھی۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا تھا: جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ اسرائیل نے اپنے ایک حملے میں اقوام متحدہ کے ایک اسکول کو نشانہ بنایا تو اس پر اقوام متحدہ کے ترجمان نے صاف الفاظ میں کہا کہ اسرائیل نے جان بوجھ کر اس اسکول کو نشانہ بنایا۔ ہم نے متعدد بار اس اسکول کے حوالے سے آگاہ کیا تھا۔ اس سوال پر کہ اسرائیل ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اسرائیلی وزیر اعظم کا کہنا تھا: میں جانتا ہوں کہ آپ شہری ہلاکتوں کے بارے میں فکر مند ہیں لیکن ہمیں اس حوالے سے آپ کی فکر مندی کی کوئی پرواہ نہیں۔ درحقیقت ہم اسکولوں، مسجدوں، اسپتالوں، یونیورسٹیوں اور بچوں پر حملے نہیں کر رہے ہیں اور خاص بات جس کیلئے ہم کوشش کر رہے ہیں وہ یہ کہ شہری ہلاکتیں زیادہ سے زیادہ ہوں، یہ ہماری ترجیح ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ہمارے اس اقدام کی حقیقت کو سمجھیں گے اور اگر آپ ہمارے دفاع کی عقلیت کو سمجھنے سے معذور ہیں تو پھر مجھے آپ کو (ہلیری کلنٹن کو مخاطب کرتے ہوئے) امریکیوں، صدر اوباما کو اقوامِ عالم کے سامنے وضاحت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ماضی میں امریکی صدر جارج واشنگٹن کا اپنے جنرل کو احکام دیتے ہوئے کہنا تھا: "ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیں۔ ان تمام باقیات کے خاتمے تک امن کا کوئی نغمہ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ ریڈ انڈینز بھیڑ بکریوں کی طرح ہیں، دونوں وحشی (انسان نہیں) ہیں، صرف شکلوں کا فرق ہے"۔ یہ سب جان لینے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نیتن یاہو نے یہ "روشنی" اسی سے لی ہوگی۔ وہ کہتا ہے: دشمن قبیلوں کی جڑیں کاٹ دو یا پھر انہیں (دریائے) مسی سپی کے پار دھکیل دو۔ ان وحشی قبائل کے مکمل خاتمے کے سوا کوئی اہم بات نہیں۔ ان کی وحشیانہ حرکتیں قتل عام کا جواز ہیں۔ وہ اگر ہمارے چند آدمی ماریں گے تو ہم ان کے تمام افراد کو قتل کریں گے"۔

امریکا کے پانچویں عظیم صدر روزویلٹ نے کہا تھا: تمام جنگوں میں سب سے عظیم جنگ وہ ہے جو وحشیوں کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں ریڈ انڈینز وہ ہیں جو مر چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ دس میں سے نو ہلاک ہو چکے ہیں اور دسویں کے بارے میں مجھے کوئی جستجو نہیں ہے۔ پانچ امریکی صدر واشنگٹن، جیفرسن، روزویلٹ، لنکن اور جیکسن کے بیانات چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اسرائیل کو وہ راہ دکھائی ہے جس پر آج وہ نہتے فلسطینیوں کا قتل عام بغیر کسی ندامت اور جھجھک کے کر رہا ہے۔

جدیدیت اور فلسفہ انسان پرستی کا سب سے بڑا فلسفی کانٹ لکھتا ہے: وہ شخص جو کسی کتاب یعنی وحی الٰہی سے ہدائت لیتا ہے وہ روشن خیال نہیں بلکہ وہ انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں۔ مغربی دانشوروں اور فلاسفرز کی تقلید کی تازہ ترین مثال برطانوی وزیر اعظم کے اس جواب میں ملتی ہے جس میں اس نے سعیدہ وارثی کے استعفیٰ کا جواب دیا۔ سعیدہ وارثی کا استعفیٰ دینا ہمارے لئے مسئلہ ہے مگر ہم اسرائیل کے دفاع کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان اقوال اور تشریحات کی روشنی میں فلسطین میں حماس، افغانستان میں طالبان، الجزائر میں اسلامک فرنٹ اور مصر میں اخوان المسلمون کو دیکھیں کہ مغرب ان کا دشمن کیوں ہے؟ انہی فلسفیوں کی تشریحات بتاتی ہیں کہ راسخ العقیدہ مسلمان ان کے ہاں انسان کی تعریف پر پورا نہیں اترتے، لہٰذا ان مسلمانوں کا قتل جائز ہے اور اوباما کا طاغوت اسلام کے خلاف نہیں، مسلمانوں کے خلاف جنگ کر رہا ہے جس میں بہنے والا خون "جائز"

ہے۔ جس وقت طاغوتی طاقتیں ظلم و ستم کے نت نئے حربے اختیار کر رہی ہیں باقی دنیا زبانی جمع خرچ سے آگے کچھ نہیں کر رہی۔ مغرب سے گلہ کیسا جب مسلم امہ ہی امریکا کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھے اور انہیں کے بینکوں میں اپنے ملک کی لوٹی ہوئی دولت کو محفوظ سمجھے!!!

بروز جمعۃ المبارک ۲۳ ذوالحج ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۴ء

المیہ.....!

بالآخر کابل میں انتہائی سیکورٹی کے سخت انتظامات اور امریکی اور نیٹو افواج کے سائے میں افغانستان میں امریکی فارمولے کے مطابق شراکت اقتدار کے تحت اشرف غنی نے نئے صدر اور عبداللہ عبداللہ نے چیف ایگزیکٹو کے عہدے کا حلف اٹھالیا۔ حلف لینے کے فوری بعد ڈاکٹر اشرف غنی نے چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ کی تعیناتی کے قانون پر دستخط کرنے کے بعد عبداللہ عبداللہ سے حلف لینے کے بعد ان سے بغل گیر ہو کر اپنے مربی وآقا کو یہ پیغامِ اطاعت کا واضح اشارہ دیا کہ اقتدار کی خاطر حریف کو بھی گلے لگایا جاسکتا ہے۔ تقریب میں غیر ملکی صدور سمیت دو سو اہم شخصیات میں صدرِ پاکستان ممنون حسین بھی شریک تھے۔ عبداللہ عبداللہ نے حلف برداری کے دوران کہا کل کے حریف آج ایک ٹیم بن چکے ہیں اور وہ ایک ہو کر ملک کی ترقی کیلئے کام کریں گے۔

تقریب حلف برداری سے خطاب کے دوران ڈاکٹر اشرف غنی احمد زئی نے طالبان اور حزبِ اسلامی کو باضابطہ طور پر مذاکرات کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں پختون روایات کے مطابق جرگے کے ذریعے اگر مذاکرات کئے جائی تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ بھول گئے کہ جن کو وہ مذاکرات شروع کرنے کی دعوت دے رہے ہیں ٹھیک ایک ہفتے کے بعد امریکا کے ساتھ اسٹرٹیجک معاہدے پر دستخط کے بعد ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کے بعد امریکی فوج کو افغانستان میں رہنے کا قانونی جواز مل جائے گا تو مذاکرات کی دعوت ایک سنگین تاریخی مذاق بن جائے گا کیونکہ افغانستان میں امریکی فوج کو رہنے کیلئے اقوام متحدہ سے آخری بار ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء تک کا مینڈیٹ ملا ہے اور اب روس اور امریکا کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہونے کی وجہ سے روس مزید اس مشن کی توسیع کو سلامتی کونسل سے منظور نہیں ہونے دے گا جس کی وجہ سے امریکا افغانستان کے اسٹرٹیجک معاہدے پر دستخط کیلئے گزشتہ جنوری سے کوششوں میں لگا ہوا ہے اور معاہدہ طے پانے کے باوجود پچھلے دس ماہ میں وہ اپنے پروردہ ایجنٹ حامد کرزئی سے بھی معاہدے کی دستاویز پر دستخط نہیں لے سکا جبکہ امریکا نے دستخط نہ کرنے کی صورت میں افغان پولیس اور فوج کی تنخواہ دینے سے نہ صرف معذرت ظاہر کر دی تھی بلکہ اپنی تمام فوج کو نکالنے کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ امریکا اور کرزئی کے درمیان اس معاہدے پر دستخط کے معاملات پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔

ادھر دوسری جانب طالبان نے ڈاکٹر اشرف غنی کی جانب سے مذاکرات کی دعوت کو فوری مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ انتخابات کے نام پر افغان عوام کو بیوقوف بنایا گیا اور طالبان نے پہلے سے لوگوں سے کہا تھا کہ یہ انتخابات افغان عوام کی خواہشات کے مطابق قطعاً نہیں ہوں گے کیونکہ ان انتخابات کا فیصلہ پہلے سے واشنگٹن میں ہو چکا ہے جس کا ثبوت عبداللہ عبداللہ اور اشرف غنی کے درمیان اتحادی حکومت کی تشکیل ہے۔ اگر اسی طرح دونوں کو اقتدار میں لانا تھا تو افغان عوام کے اربوں روپے کا نقصان کیوں کیا گیا؟ طالبان ذرائع کے مطابق امریکی اسٹرٹیجک معاہدے پر دستخط کے بعد ان سے مذاکرات بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ اس حکومت نے امریکا کا اتحادی بن کر اپنے اصلی چہرے مزاحمت کار افغانستان میں امریکا اور اتحادی افواج کے قیام کے خلاف ہیں جس کو نکالنے کیلئے ہم پہلے دن سے سے پردہ اٹھا دیا ہے جبکہ طالبان اور دیگر برسرپیکار ہیں پھر بھلا ان سے مذاکرات کیسے ممکن ہے جس نے ایک غیر قانونی قبضے کی توسیع کی منظوری دی ہو۔ افغان قوم متحد ہے اور ان شاءاللہ امریکی اور اس کے اتحادی دسمبر سے قبل بھاگ رہے ہیں اور آئندہ موسم بہار افغان عوام کیلئے واقعی بہار ہو گا جب سارے افغانستان پر مجاہدین کی حکومت ہو گی۔

دوسری جانب حزبِ اسلامی نے بھی اشرف غنی کی مذاکرات کی دعوت کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس سے قبل کئی مرتبہ امریکا سے مذاکرات کی دعوت کو رد کر چکے ہیں جو افغانستان میں اس وقت قابض فریق ہے۔ایک بھی افغان جب تک زندہ ہے غیر ملکیوں کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی۔ اس پیشکش کا کوئی مقصد نہیں ہے، ہم نہ صرف ڈاکٹر اشرف غنی کو متنبہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اسٹریٹیجک معاہدے پر دستخط کر کے نہ صرف اس غاصب امریکا کو افغانستان میں مزید دس سال کیلئے افغان عوام کو شہید کرنے کا لائسنس دیا ہے بلکہ افغانستان کے اندر لوگوں کے مذہب اور ثقافت سے کھلواڑ کرنے کی کھلی چھٹی بھی دی ہے جبکہ امریکی قبضے کے دوران عیسائی مشنری اور این جی اوز نے افغان عوام کے اسلام اور ایمان کو نقصان پہنچانے کیلئے لاتعداد بار مکروہ کوششیں کی ہیں اور اب تو اس معاہدے کے بعد ان کے حوصلے مزید بڑھ جائیں گے، اس لئے اس معاہدے کے بعد اشرف غنی کی حکومت افغان عوام کے قتل میں براہِ راست شریک ہوں گے اور وہ بھی افغان عوام کے ویسے ہی دشمن سمجھیں جائیں گے جیسا کہ امریکا اور اس کے اتحادی ہیں البتہ اگر وہ امریکا سے معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتے تو ان کے ساتھ نہ صرف حزبِ اسلامی بلکہ دیگر مزاحمتی گروپ بامعنی مذاکرات کے ذریعے افغانستان کے اندر ایک اسلامی اور فلاحی ریاست کے قیام کیلئے مشترکہ کوششیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ موقع گنوا دیا ہے اس لئے امریکی فوج کو توسیع دینے اور دوسری طرف مذاکرات دو متضاد چیزیں ہیں۔

امریکا نے افغانستان میں اپنے قانونی قیام کیلئے شراکت اقتدار کے ذریعے فی الحال اپنے مفادات کے مستقبل کی پہلی سیڑھی پر قدم تو رکھ دیا ہے تاہم اصل امتحان افغانستان میں کابینہ کی تشکیل اور سیکورٹی کے انتظامات کو سنبھالنا ہے جب دسمبر سے قبل کئی ممالک کے فوجی افغانستان میں اپنا مشن مکمل کر کے یہاں سے چلے جائیں گے تو افغانستان میں طالبان اور حزب اسلامی کے حملے کیسے روکے جا سکیں گے اور کس طرح افغان فوج اور پولیس کو متحد رکھا جا سکے گا کیونکہ عبداللہ عبداللہ اور اشرف غنی کے درمیان طاقت کے حوالے سے رسہ کشی موجود رہے گی اور اس وقت کیونکہ امریکا کو اسٹریٹیجک معاہدے پر دستخط مطلوب تھے اس لئے شراکت اقتدار کا دانہ ڈال کر دونوں کو جال میں پھنسا لیا، اب اگر مستقبل میں حالات قابو سے باہر ہوتے ہیں تو امریکا کیلئے دوبارہ انتخابات کرانا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ جس طرح سابق افغان صدر چغہ پوش مسخرہ حامد کرزئی کو گزشتہ گیارہ سال امریکا نے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر کے پاکستان کے ساتھ ان کے تعلقات کو خراب کرایا اسی طرح اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کو بھی امریکا اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتا رہے گا وگرنہ امریکا کی پالیسی تو سب ہی واقف ہیں کہ امریکا کا اپنے دوستوں کے شکار میں نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ادھر یہ اطلاع بھی آئی ہے کہ کرزئی اپنے مستقل قیام کیلئے عنقریب شملہ روانہ ہونے والے ہیں!

اس سے بڑا نہیں المیہ کوئی کہ سعد
مجھ کو امان نہ دے سکا میرا ہی اپنا گھر

بروز ہفتہ ۲۴ ذوالحج ۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

عیار شکاری نئے جال کے ساتھ

دولت اسلامیہ عراق وشام (داعش) کی جون کے مہینے میں شام اور عراق میں آندھی اور طوفان کی رفتار سے پیش قدمی اور علاقوں پر علاقے، شہروں پر شہر زیرِ نگیں کرتے چلے جانا صرف عربوں کیلئے ہی نہیں پوری دنیا کے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ اربابِ خبر و نظر کیلئے بھی اچنبھے کی بات تھی، خصوصاً موصل میں نہ صرف داعش کے چند سو جنگجوؤں نے عراق کے ایک لاکھ سے زائد فوجیوں پر اس سرعت کے ساتھ فتح حاصل کر لی کہ انہیں ہاتھ ہلانے تک کی فرصت نہ ملی بلکہ امریکا سے آنے والی اسلحہ بھری ٹرین، ٹینکس اور بکتر بند گاڑیاں تک داعش کے قبضے میں آ گئیں۔

داعش کے جنگجو تربیت یافتہ عراقی اور شامی افواج کے پیچھے یوں بھاگتے ہوئے دیکھے گئے جیسے بلی چوہے کا تعاقب کرتی ہے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے داعش نے خلافت کا اعلان کر دیا اور البغدادی کی خلافت کا اعلان کرتے ہوئے پوری دنیا کی تحریکوں خصوصاً ملا عمر کو بھی بیعت کی دعوت دے ڈالی۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا، داعش عراق کے تمام شمالی علاقے پر قبضہ کر رہی تھی، شام میں اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، ایران، ترکی، سعودی عرب اور تمام پڑوسی ممالک حیرت و پریشانی سے دم بخود تھے کہ یہ اچانک وحشت کا طوفان کیسے نمودار ہو گیا ہے مگر دوسری طرف امریکی اور اس کے اتحادی نہ صرف پر سکون بلکہ دوسری جانب اس سے لاتعلق بھی دکھائی دے رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ داعش کا داعیہ اصل امریکیوں کی منصوبہ بندی کے مطابق شام و عراق کو تقسیم کر رہا تھا۔ وہ خوش بھی تھے اور مطمئن بھی مگر جس روز داعش نے کردوں کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے بلڈ بارڈرز میں طے کردہ امریکی نقشہ کی خلاف ورزی کی، اس روز امریکیوں کی دم پر پاؤں آیا اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر داعش نے کرد ریاست کی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ بند نہ کی تو کاروائی ہو گی۔ دوسری جانب داعش جو شروع سے امریکی دوستوں کی تعاون کی عادی تھی، اس نے اس دھمکی کو پیار بھری ڈانٹ سمجھا اور نظر انداز کرتے ہوئے امریکی منشاء کے مطابق نہ صرف قدم بڑھا دیئے بلکہ اپنے ایجنڈے کا بھی اعلان کر دیا جس میں سعودی عرب پر قبضے سمیت ہر پڑوسی ملک کیلئے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔

اربابِ دانش کا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ امریکی منصوبے کے عین مطابق تھا کیونکہ عراق سے امریکی فوجوں کی رخصتی اور شام میں بشار الاسد حکومت کے خلاف اس کی ناکام بلکہ نیم دلانہ حکمت عملی نے عربوں کو اس سے دور کر دیا تھا۔ سعودی عرب سمیت دیگر عرب ریاستوں نے امریکیوں سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اپنے دفاع کو خود مختاری دینے کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیئے تھے اور سعودی وزیر خارجہ نے تو نہ صرف اس کا دوٹوک اعلان بھی گزشتہ نومبر میں کر دیا تھا بلکہ امریکا میں سابق سعودی سفیر پرنس ترکی نے امریکی بینکوں سے اپنے سرمائے کو نکالنے کی واضح دھمکی بھی دے ڈالی تھی اور یہ صورتحال امریکیوں کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے پہلے پاکستان کو سعودی عرب کے ساتھ دفاعی تعاون سے روکا اور بعد میں داعش کا پتہ پھینک دیا۔

حیرت انگیز امر یہ بھی ہے کہ ہر جگہ ہر حال میں ہر مسئلے پر باہم سعودی عرب اور ایران بھی امریکی پرچم کے سائے تلے ایک ساتھ دکھائی دے رہے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ سعودی عرب کھل کر ساتھ دے رہا ہے اور ایران "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کی تصویر بنا ہوا ہے۔

ایران کے صدر حسن اومان کھل کر کہہ چکے ہیں کہ داعش غیر اسلامی ہے اور اس کے خلاف امریکا کو فوجیں اتارنا پڑیں گی اس کے بغیر صرف فضائی حملوں سے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ واحد پوائنٹ ہے کہ جس پر عرب اور ایران کا اتفاق ہے کیونکہ سعودی مفتی اعظم نے بھی داعش کو اس دور کا فتنہ خوارج قرار دیکر سخت کاروائی کی حمائت کی ہے اور ایران کے روحانی پیشوا خامنہ ای نے بھی داعش کے خلاف بھرپور

کاروائی کی منظوری دیتے ہوئے پاسدران انقلاب کی القدس فورس کو تیاری کا حکم دیا ہے اور ایرانی فوج کے سربراہ جنرل احمد رضا بوادستان نے بھی کہہ دیا ہے کہ داعش کی پیش قدمی روکنے کی خاطر ان کی فوج پورے عراق میں کاروائیوں کیلئے تیار ہے۔ایران تذبذب میں کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب ایران کے اقوام متحدہ کے مندوب نے دیا ہے کہ ایران داعش کے خلاف تعاون کیلئے تیار ہے مگر وہ صرف جوہری پروگرام پر ریلیف چاہتا ہے۔

بتایا جارہا ہے کہ امریکا کی قیادت میں مغربی ممالک کے ساتھ پانچ عرب ریاستوں اور ایران کا اتحاد ایک کمزور اتحاد ہی نہیں بلکہ اس کے اندر مقاصد کے حوالے سے ایسے اختلافات بھی موجود ہیں کہ زیادہ دیر تک چلتا دکھائی نہیں دے رہا۔ سعودی عرب، قطر اور متحدہ عرب امارات کا مطالبہ ہے کہ امریکا سنجیدگی کے ساتھ کام کرے اور داعش کے ساتھ ساتھ بشار الاسد کی حکومت کو بھی ختم کرے اور ایران کو کوئی ایٹمی اعانت یا رعائت نہ دی جائے جبکہ ایران اس شرط پر امریکا کے ساتھ شریک ہے کہ وہ بشار حکومت کو کچھ نہ کہے اور اس کے ایٹمی پروگرام کو تسلیم کرے ۔ارباب، خبرو نظر کا دعویٰ ہے کہ امریکا دونوں کو لالی پاپ دے رہا ہے اور دونوں بڑے ممالک کا ایک اتحاد کی چھتری تلے آجانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ دنیا شیعہ سنی تصادم سے محفوظ ہوگئی بلکہ آنے والے دنوں میں اس عنوان سے خونریزی بڑھتی دکھائی دے رہی ہے۔

ایک اہم سوال یہ بھی سامنے آرہا ہے کہ داعش ہے کیا اور امریکی کب سے اس سے آگاہ ہیں؟ اس حوالے سے بہت کچھ کہا جارہا ہے۔ایک طبقہ داعش کو امریکا کا ایجنٹ کہتا ہے تو دوسرا حقیقت سے کم خیال نہیں کرتا مگر حقیقت یہ ہے کہ نیک نیتی سے جہاد کی خاطر نکلنے والے نوجوانوں کو استعمال کرتے ہوئے امریکا نے ایک ہوا کھڑا کیا ہے اور کچھ بھی نہیں۔اس حوالے سے امریکی سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر کی گواہی بہت معتبر ہے جس نے کہا ہے کہ امریکا نے داعش کو تربیت اور اس کے خلاف جنگ کا متضاد ٹاسک سی آئی اے کو ۲۰۱۲ء میں دیا اور سی آئی اے نے اسے بخوشی قبول کیا۔ سٹیون ڈن کا کہنا ہے کہ شام میں مداخلت کیلئے اردن میں تربیتی مراکز بنائے گئے اور وہاں داعش کو سی آئی اے نے سپورٹ کیا اور شام میں انہیں اس لئے استعمال کیا گیا کہ بشار الاسد کے مخالف سلفی جہادی گروپس کی قوت کو تباہ کردیا جائے جس کا سارے کا سارا فائدہ جہاں بشار الاسد اور ایران کو ہوا وہاں امریکا اور اسرائیل کے مستقبل کا خطرہ بننے والی قوت کو ابتدا ہی میں تباہ کردیا گیا۔

ایک اہم سوال یہ بھی سامنے آرہا ہے کہ داعش ہے کیا اور امریکی کب سے اس سے آگاہ ہیں؟ اس حوالے سے بہت کچھ کہا جارہا ہے۔ایک طبقہ داعش کو امریکا کا ایجنٹ کہتا ہے تو دوسرا حقیقت سے کم خیال نہیں کرتا مگر حقیقت یہ ہے کہ نیک نیتی سے جہاد کی خاطر نکلنے والے نوجوانوں کو استعمال کرتے ہوئے امریکا نے ایک ہوا کھڑا کیا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ سٹیون کے مطابق سی آئی اے اب بھی داعش کے ساتھ ہے اور بمباری بھی کروا رہا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس فضائی حملوں میں داعش پہلے سے اس علاقے سے غائب ہوجاتی ہے اور اب اگلے مرحلے میں امریکا اردن میں بھی بمباری شروع کردے گا وہاں اس کا ہدف وہ تربیتی مراکز ہوں گے جو سی آئی اے نے خود بنا کر دیئے تھے اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ ان مراکز کے بہانے اردن کو تاراج کیا جائے گا اور جنگ کا دائرہ پھیلایا جائے گا مگر تربیتی مراکز اس سے قبل عراق منتقل کئے جاچکے ہیں ۔یاد رہے کہ پچھلے ماہ اسرائیل نے اردن کو متوقع داعش کے حملوں سے بچاؤ کیلئے اپنی فضائی فوج اور زمینی فوج بھیجنے کی پیشکش بھی کی تھی جسے اردن نے مسترد کردیا تھا ۔ دراصل اس بہانے اردن پر اسرائیلی قبضہ مقصود تھا جو کہ گریٹر اسرائیل کی سازش کا ایک حصہ بھی ہے۔یہ گھر کے بھیدی کی گواہی ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔دوسری جانب واقعات کا تسلسل بھی اس ساری تفصیل کی تصدیق کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

دنیا نے داعش کو جون ۲۰۱۴ء میں موصل پر حملہ سے جانا مگر یہ تنظیم اکتوبر ۲۰۰۶ء میں قائم کروائی گئی جب القاعدہ سے الگ ہونے والے ایک

گروپ نے دیگر کو ساتھ ملا کر دولت اسلامی عراق بنائی۔ ۱۳فروری ۲۰۰۷ء کو اس سے پہلے البغدادی نے سنی علاقوں میں اپنی حمائت کا اعلان کیا اور اسلامی عدالتیں بنانے کا اعلان کیا اور ساتھ ہی سنی علاقوں میں شیعوں کا قتل شروع ہوا جس کی قیمت بغداد کے سنیوں کو اپنی لاشوں کی صورت چکانی پڑی۔ اس سال مارچ میں بغداد کے نواح میں اس نے درجنوں مخالفین کے گھر جلا ڈالے۔ ۱۹/اگست ۲۰۰۹ء کو اس تنظیم نے عراقی فوج پر بڑے حملے کئے۔ مئی ۲۰۱۰ء میں ابو بکر بغدادی کو سربراہ بنا دیا گیا جو گوانتاناموبے سے رہا ہو کر آئے تھے۔ اپریل ۲۰۱۲ء کو اس منصوبے کا دوسرا اور حتمی مرحلہ شروع ہوا جب دولت اسلامیہ عراق نے شام میں القاعدہ کی تنظیم النوہ فرنٹ سے اتحاد کا اعلان کیا اور دولت اسلامی عراق و شام کے نام سے داعش سامنے آگئی۔ اس کے آتے ہی النوہ کی بشار الاسد حکومت کے خلاف فتوحات کو باہمی لڑائیوں میں الجھا کر رکھ دیا، غدار قرار دیکر النوہ کے ایک جرنیل کو بھی مار ڈالا گیا۔ "رقہ" نامی شہر میں بے گناہ شہری ذبح کر ڈالے جس سے نہ صرف النوہ کی عوامی حمائت میں کمی آئی بلکہ اس کی صفوں میں اس اتحاد کے حوالے سے اختلافات بھی پیدا ہو گئے جو آج تک ختم نہیں ہو سکے۔

جولائی ۲۰۱۲ء میں عراق کی جیل توڑ کر ۵ سو قیدی رہا کروائے اور شام و عراق کے چھوٹے چھوٹے شہروں پر قبضہ شروع کرایا۔ فروری ۲۰۱۴ء میں القاعدہ بھی ان سے تنگ آگئی اور اس نے داعش کو انتہا پسند قرار دیتے ہوئے اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جون ۲۰۱۴ء میں انہوں نے تین چوتھائی شام اور عراق کے تمام سنی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ داعش جنگجو شام میں النصرہ اور دیگر بشار مخالف گروپس کے ساتھ لڑ رہے ہیں جس سے اسرائیل کی یہ پریشانی ختم ہو گئی کہ گولان کی پہاڑیوں میں اگر النوہ یا کسی دوسری جہادی گروپ نے قبضہ جما لیا تو ان کیلئے خطرناک ہو گا۔ ایک طرف داعش ایک سخت گیر مذہبی مخالفت کی حیثیت سے سامنے آئی ہے تو دوسری جانب ایک برطانوی دہشتگرد خاتون جو پہلے سے ہی دہشت گردی میں ملوث ہے اور کینیا بم کیس میں مفرور ہے، وہ داعش کیلئے نہ صرف بھرتیاں کر رہی ہے بلکہ خواتین کیلئے خودکش دستے بھی تیار کر رہی ہے۔ سمانتھالو فلویٹ نامی یہ خاتون کئی برسوں سے امریکی اور کینیا کے اداروں کو مطلوب ترین افراد کی فہرست میں شامل ہے۔ اس کا والد برطانوی فوج میں خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔

داعش کے خلاف امریکی اتحاد میں ترکی ایک ایسا ملک ہے جس نے بغاوت کا علم بلند کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ امریکی کاروائی کا حصہ نہیں بنے گا۔ ترکی نے موصل میں پکڑے گئے اپنے ۳ شہری بھی رہا کروائے ہیں جنہیں داعش نے ترک سفارت خانے سے پکڑا تھا، ان میں ترکی کے فوجی افسر، سفارتکار اور ان کے بچے شامل تھے۔ ترک انٹیلی جنس ادارہ انہیں اپنی تحویل میں لیکر واپس ترکی پہنچ چکا ہے جبکہ مغربی باشندوں کو یکے بعد دیگرے وہاں ذبح کر دیا گیا ہے۔ مبصرین کے نزدیک اس کی وجہ مغرب میں امریکی جنگی کاروائیوں کو جواز فراہم کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ امریکی بینکوں میں پہلے سے موجود عربوں کی اس دولت سے وہ بخوبی واقف ہیں۔

صہیونی لابی کے تخلیق کردہ اسکرپٹ کے مطابق اگست میں داعش کا خطرہ جب عربوں کی گرن کو دبوچنے لگا تو امریکا ایک بار پھر مسیحا بن کر سامنے آ گیا اور انہوں نے ۲۲ ستمبر کو پانچ عرب ممالک کو شیشے میں اتار کر داعش کے خلاف کاروائی کے بہانے ایک بار پھر ان کے وسائل پر قبضہ کی جانب

پہلا قدم اٹھادیا ہے۔ابھی اس قبضے کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا کہ پینٹاگون نے دہائی دینا شروع کردی ہے کہ اخراجات ان کے کنٹرول سے بڑھ رہے ہیں۔پینٹاگون کا دعویٰ ہے کہ اب تک کے فضائی حملوں پر اس کا ایک ارب ڈالر خرچ ہوچکا ہے اور اگر یہ نقصان جاری رہا تو چار ارب ڈالر سالانہ خرچ ہوگا۔فوج بھیجی تو یہ خرچ ۲۲ گنا بڑھ جائے گا۔اس واویلا کا واحد مقصد عربوں کو باور کرانا ہے کہ اپنے خزانے چھوڑنے کی تیاری کرو ورنہ داعش کھا جائیں گے۔

تازہ ترین اعداد و شمار جو جاری کئے گئے ہیں ان سے یہ بات پوری طرح عیاں ہورہی ہے کہ مقصد عربوں کے خزانوں کو نچوڑنا ہے اور کچھ نہیں،اس سے قبل عراق اور کویت کی جنگ کے دوران اس منافع بخش کاروبار میں کویت اور سعودی عرب سے ۹۶۳ بلین ڈالر انہوں نے وصول کئے تھے جو پہلے سے ہی امریکی بینکوں میں موجود تھے اور علاوہ ازیں اب تک مستقل خلیجی مہمان کے طور پر براجمان بھی ہیں۔ امریکی بینکوں میں پہلے سے موجود عربوں کی اس دولت سے وہ بخوبی واقف ہیں اس لئے ایک مرتبہ پھر داعش کے نام پر جہاں مکروہ کاروبار شروع کیا جارہا ہے وہاں ورلڈ آرڈر کے تحت گریٹر اسرائیل کی طرف پیش قدمی بھی کی جائے گی۔اس کیلئے ضروری ہے کہ مسلم امہ کی واحد ایٹمی قوت کو بھی ختم کیا جائے۔پاکستان میں آزادی ، انقلاب کے نام پر دھرنوں کے بعد بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کا حالیہ امریکی دورہ اور اس کے فوری بعد سرحدی جھڑپوں کا اچانک شروع ہوجانا بہت ہی معنی خیز ہے۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی قومی سلامتی کے اجلاس کے بعد وزیر داخلہ چوہدری نثار نے بھی ان جھڑپوں کو ایک عالمی سازش کا ایک حصہ قرار دیتے ہوئے متنبہ کیا ہے۔لیکن واضح رہے کہ بھارتی وزیر اعظم اپنے ملک میں بہت بڑی غیر ملکی سرمایہ کاری کیلئے جو منصوبہ بندی کررہے ہیں یقیناً اس کی کامیابی کی کلید اس پاک بھارت معاہدے میں "روسی ریاستوں سے بھارت کیلئے گیس اور دیگر انرجی کی سپلائی براستہ پاکستان" میں پنہاں ہے جو ۲۰۰۶ء میں ہلیری کلنٹن کے توسط سے طے پایا تھا!

بروز اتوار ۲۵ ذوالحج ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۴ء

"اصل توانائی روح کی بالیدگی ہے"

جس ذات نے انسانی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا، اسی نے انسان کے دیکھنے کے لئے ایک خوبصورت کائنات بنائی۔ رنگا رنگ جلوے پیدا فرمائے اور ان جلوؤں میں اپنی جلوہ گری کے کرشمے دکھائے۔ فنکار 'فن کے جلوؤں میں خود جلوہ گر ہے۔ آنکھ نہ ہوتی تو کسی رنگ اور کسی روشنی کی کوئی ضرورت وافادیت نہ تھی۔ مشاہدہ، جہاں مشہود کی جلوہ گری کا کمال ہے، وہاں یہ شاہد کے اندازِ نظر کا حسن بے مثال بھی ہے۔ قدرت نے جس ذوقِ تخلیق کا اظہار بے رنگ زمیں میں رنگ دار گل کاری کر کے کیا ہے ،اس کی داد بس چشمِ بینا ہی دے سکتی ہے۔ بس آنکھ والا ہی ترے جوبن کا تماشا دیکھ سکتا ہے۔ دیدۂ کور پھر دیدۂ کور ہی ہے۔

پھر ایک دن ہمارے بابا نے یہ بھی کہا: آنکھوں میں جلوے اور جلووں میں آنکھیں... خوشبو میں رنگ اور رنگ میں خوشبو... ہر چیز ہر دوسری شے کے خیال میں محو..... محو کرنے والا اور محو ہونے والا... سب ایک ہی محویت کا حصہ ہیں... میں وصول بھی کرتا ہوں اور میں ہی ارسال بھی کرتا ہوں... چہرے بھی میرے ہیں اور آنکھیں بھی میری ہیں... میرے ہی خیال کی زد میں ہیں... سب فاصلے... سب دوریاں پاس ہی رہتی ہیں... بس اک نگاہ کی بات ہے... اتفاقاً ہی اٹھ گئی تو وقت بدل جائے گا... انقلاب بپا ہو جائے گا... جو نہیں ہے ہو جائے گا... اور جو ہے وہ نہیں رہے گا... حاضر غیب ہو جائے گا اور غیب حاضر..... ناممکنات کو ممکنات بنانے والی آنکھ کسی وقت اٹھ سکتی ہے.... اور پھر حجابات اٹھ جائیں گے... سکوت سے کلام کا پہلو نکل آئے گا۔ صدیاں سمٹنا شروع ہو جائیں گی اور لمحے پھیلنے شروع ہو جائیں گے... بطون سے ظہور کا سفر بس اک نگاہ کا سفر ہے... ظلمات سے نور کا سفر ایک نگاہ کا سفر ہے... بیگانے کو اپنا بنانے کے لئے ایک نظر کافی ہے... جان لینے کے ارادے سے آنے والا جانثار بن جاتا ہے... یہی اعجاز نگاہ ہے... اپنا مقدر بس وہی نگاہ ہے... ورنہ دامن عمل تو خالی ہے۔

...اور ہمارے بابے اقبال نے بھی کمال کیا ہے' کبھی فرصت ہو تو دیکھئے۔ واہ واہ، کیا بات ہے ان کی تو!

آہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے — راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا — مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو، محفل بھی تو

اور اسے بھی تو دیکھ لیجئے ذرا' حکیم تھا ناں وہ، تو مرض بھی نیا دے گیا ہے۔

ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے — ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور — چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

یہ میں کیا لکھ بیٹھا آج۔ چلئے آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں!

"ٹوکیو (جاپان) کے نواح میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، اس کے اسٹیشن کے سامنے چوک میں ایک کتا تھا، اس کا معمول تھا کہ وہ اپنے مالک کو ہر صبح ٹوکیو جانے والی ٹرین پر سوار کراتا تھا اور ہر شام مقررہ وقت پر اسے لینے کے لئے وہاں موجود ہوتا تھا۔ ایک دن اس کا مالک ٹوکیو میں حادثے کا شکار ہو کر چل بسا اور اس شام مقررہ ٹرین سے وہ گھر نہ لوٹ سکا۔ وفادار کتا اس شام بھی اسٹیشن پر آیا اور پھر جو اس کے انتظار میں بیٹھا تو مرتے دم تک اس نے وہ جگہ نہیں چھوڑی۔ قصبے کے لوگ کتے سے واقف تھے، اس کے مالک کی موت سے آگاہ تھے، ان کی تمام کوششوں کے باوجود کتا اپنی جگہ سے نہ ہلا، یہاں تک کہ وہیں مر گیا۔ لوگوں نے اس کی یاد میں اس کا مجسمہ چوک میں نصب کر دیا"۔

غور کیجئے تو یہاں اہمیت مجسمے کی نہیں اُس مقصد کی ہے جس کی خاطر کتے نے جان دی، اہمیت اس کے جذبۂ وفاداری کی ہے، اس کی محبت کا محور صرف اس کا مالک تھا، اس کی زندگی صرف اسی کے لئے تھی، وہ مر گیا تو کتے نے بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔

باباجی کہہ رہے تھے کہ میرا اپنا گھوڑا تھا موتی۔ میں نے شہ سواری موتی کی کمر پر بیٹھ کر سیکھی۔ کیا مجال کہ موتی پر کوئی دوسرا سوار ہو جائے۔ پاکستان بنا، موتی کو میں نے اپنے محلے کے ایک شخص کیلاش کے حوالے کر دیا اور پاکستان آ گیا۔ معلوم ہوا کہ موتی اس قدر رویا کہ نابینا ہو گیا اور جان دے دی۔ موتی کی یاد کے لئے اس کی تصویر میرے پاس ہے مگر موتی نے مجھے جو درسِ محبت دیا اور اذیت فراق کا جو مفہوم سمجھایا وہ ناقابلِ فراموش ہے !!

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کل صبح ایک پرندہ بڑے درد و سوز سے بول رہا تھا، اس کی آواز سن کر میرے ہوش جاتے رہے۔ صبر، برداشت اور ہوش کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، میری یہ حالت دیکھ کر میرے دوست نے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پرندے کی آواز سن کر تم اپنی سدھ بدھ کیوں کھو بیٹھے۔" میں نے کہا "مجھے یہ تو بتا کہ یہ کہاں کی آدمیت ہے کہ پرندہ تو مسلسل اللہ کی حمد کرے اور میں انسان ہو کر خاموش رہوں"۔ شیخ سعدی بصارت و بصیرت کی عظمتوں پر فائز تھے۔ انسانیت ان کا کردار تھا اور زندگی کا کوئی لمحہ انہوں نے بے فکری سے نہیں گزارا۔ انہوں نے اس راز کو پالیا تھا کہ ہر ذی روح کی حیات مستعار کا ہر لمحہ اپنے اندر معنویت رکھتا ہے۔

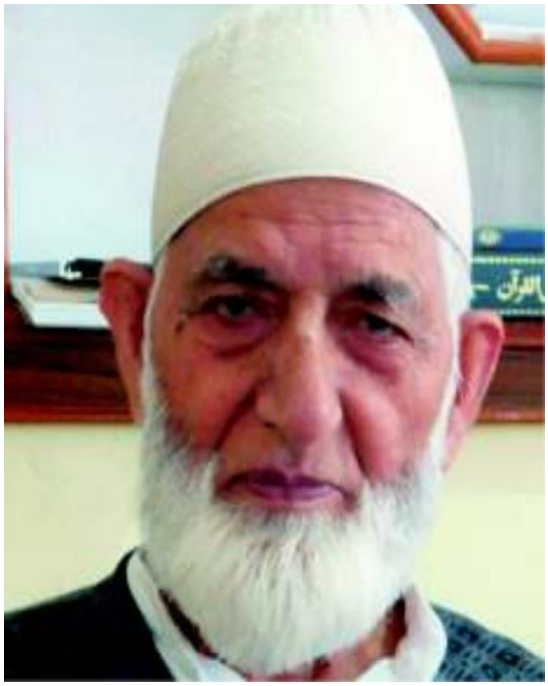

ایک پرندہ چہچہایا تو سعدی نے اس کی چہچہاہٹ کو مقصدیت و معنویت دے دی۔ ہم درختوں پر روز و شب پرندوں کو ایسا کرتے دیکھتے ہیں یا گزر جاتے ہیں یا غلیل سے شکار کر لیتے ہیں، اب تو غلیل کا استعمال بھی بدل گیا ہے۔ یہ اندازِ فکر کا فرق ہے۔ ایک فکر وہ ہے کہ ایک کتے کی وفاداری کو جاپان کے دیہاتیوں نے دوام دے دیا اور ہم ہیں کہ انسان کی وفاداریوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

ادھر چھ اور سات ستمبر کی درمیانی رات کو جنت نظیر میں ستمگر سیلاب نے جو تباہی مچائی اس قیامت صغریٰ پر ہر آنکھ اشکبار ہے۔ کل جو اپنے مال سے زکوٰۃ کا اہتمام کرتے تھے آج وہ صاحبِ نصاب نہیں رہے۔ ایک ہی رات نے شاہ سے گدا بنا دیا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کی خبریں دل پر بڑی گراں گزر رہی تھیں اور پھر محبت کرنے والوں سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر کل جب محترم سید علی گیلانی صاحب جواں سال اموات پر مجھے پرسہ دیتے ہوئے خود پر قابو نہ رکھ سکے تو میرے اندر کے زخم ایک بار پھر کھل گئے۔ پہلی مرتبہ حالیہ سیلاب پر کشمیر کی تباہی پر ان کو اس قدر دل گرفتہ اور مغموم دیکھا، ان کا حزن و ملال دل کو تڑپانے کیلئے کافی ہے !

نجانے کیوں ایک بزرگ کا ایک واقعہ یاد آ گیا جو تلاشِ عرفان میں جنگل جنگل مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک دن ایک گاؤں کے باہر انہوں نے بچوں کو ایک گڑھے کے گرد کھڑا دیکھا۔ بچے ہنستے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔ دیکھا کہ اس گڑھے میں کتیا نے بچے دیئے ہیں۔ وہ بے حد کمزور ہو گئی ہے، گڑھے سے باہر آنے کی کوشش کرتی ہے تو کمزوری کے باعث واپس لڑھک جاتی ہے۔ بچے اس منظر کا لطف لے رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔ بزرگ یہ دیکھ کر گاؤں کے نان بائی کے پاس آئے، روٹی خریدی، دودھ فروش سے مٹی کے پیالے میں دودھ لیا، دودھ میں روٹی بھگو کر گڑھے میں اترے اور برتن کو کتیا کے آگے رکھ دیا۔ وہ جانے کب سے بھوکی تھی، جلدی جلدی پیٹ بھرا اور منہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنے لگی۔

بزرگ فرماتے ہیں: مجھے ٹھیک اسی وقت وہ چیز مل گئی جس کا میں برسوں سے متلاشی تھا اور جنگل جنگل مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہ حصولِ عرفانِ ذات کا آزمودہ طریقہ ہے۔ لفظ "عرفان" شاید آپ کو نہیں بھایا۔ اس کی جگہ لفظ "سکون" استعمال کر لیتے ہیں۔ آج کے ہر انسان کو اس کی تلاش ہے، میرے خیال میں آج کل کے تمام امراض کی اصل "عدل سکون" ہی ہے۔

سکون کے متلاشیوں کو چاہئے کہ "طالب علم" بن جائیں۔ دولت، حسن، اقتدار اور حیثیت ہی کو نعمت عظمیٰ نہ سمجھ بیٹھیں۔ قدرت نے ایسی بے شمار اشیاء تخلیق کی ہیں جن کو دیکھ کر اور جن کو سمجھ کر ہم حقیقت اور غیر حقیقت میں تمیز کر سکتے ہیں۔ بے شمار کام ایسے ہیں جن کے انجام دینے سے گہری طمانیت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جنہیں تاقیامت جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ طالب علم بننے میں یہی نکتہ پوشیدہ ہے کہ آدمی دیکھے، سیکھے، سوچے اور راہِ راست اختیار کرتا چلا جائے۔ ایسے ہی لوگ قلبِ مطمئن کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی ہوتا ہے اور جان رکھئے کہ "اصل توانائی روح کی بالیدگی ہے"۔ ہمارے چاروں طرف ایسی نشانیاں بکھری پڑی ہیں، کشمیر جنت نظیر کے مناظر پکار رہے ہیں، جلدی کیجئے، کہیں ان کی "عزت نفس" کو ٹھیس نہ پہنچے، اس سوہنے خالق کی مخلوق تک پہنچنے کی کوشش کیجئے!

کچھ بھی نہیں رہے گا، بس نام رہے گا اللہ کا۔

بروز سوموار ۲۶ ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۴ء

"کچھ نہیں بچے گا"

اسلام آباد کے کسی خوبصورت علاقے کی رنگا رنگ مارکیٹ میں سرِ شام نکل جائیں، لاہور کے گلبرگ اور ڈیفنس میں رات گئے تک آباد ایم ایم عالم روڈ کے ریستورانوں میں گھومیں، بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز اور مالز کے ائر کنڈیشنڈ ماحول کا چکر لگائیں، کراچی میں کلفٹن کا پل اترتے ہی ارد گرد آباد دنیا کی رنگینیوں کو ملاحظہ کریں۔ آپ کو یہاں ایک اور ہی دنیا آباد ملے گی۔

سخت گرمی کے عالم میں ائر کنڈیشنڈ کاروں کے بند شیشوں سے جھانکتی ہوئی، ٹھیک اس دروازے پر اترتی جہاں صرف چند قدم اٹھانا پڑیں اور دروازے کے دوسری جانب ویسا ہی موسم سرد موسم ان کا انتظار کر رہا ہو جیسا وہ گاڑی کے کے اندر چھوڑ کر آئے تھے۔ اس دنیا میں آباد لوگوں کے معمولات پر میرے ملک کے عام انسانوں پر آنے والی کسی آفت، پریشانی یا افتاد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ جس ہوٹل میں کھانا کھا رہے ہوتے ہیں وہاں اگر لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بجلی چلی جائے تو ایک لمحے کے توقف کے بغیر سارے کا سارا نظام جنریٹر پر چلا جاتا ہے اور ان نازک اندام لوگوں کو چند قطرے پسینہ گرانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرنا پڑتی۔ ان لوگوں کے گھر کسی بڑے جنریٹر یا پھر "یو پی ایس" یعنی بغیر توقف بجلی کی فراہمی والی مشینوں سے آراستہ ہوتے ہیں تاکہ رات گئے اگر بجلی چلی جائے تو کہیں ائر کنڈیشنڈ بند ہونے کی وجہ سے نیند میں خلل نہ آجائے۔

میرے ملک کی یہ مخلوق گزشتہ چند سالوں میں اس قدر بڑھی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اگر کہیں کسی مزار پر مفت کھانا تقسیم ہو رہا ہو یا پھر کسی نے کوئی خیرات کرنی ہو، آٹا یا کپڑے تقسیم کرنے ہوں تو ایک ہجوم وہاں اکٹھا ہو جاتا، لائن لگتی یا پھر ضرورت مند لوگ اس خیرات کی آمد کا گھنٹوں انتظار کرتے۔ لیکن اب ان بڑے ہوٹلوں میں بنی انتظار گاہوں میں آپ کو لوگ انتظار کرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ کب میز خالی ہو تو یہ لوگ اندر جا کر کھانے سے لطف اندوز ہو سکیں۔ بعض دفعہ تو یہ لوگ گاڑی میں ایک ہوٹل سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کی جانب سفر کرتے رہتے ہیں اور گھنٹوں انہیں مناسب ہوٹل میں جگہ میسر نہیں آتی۔ ان لوگوں کا انتظار، تردد اور جگہ نہ ملنے پر پریشانی ویسے ہی ہوتی ہے، جیسے کھانا مفت مل رہا تھا اور وہ وقت پر نہیں پہنچ سکے اور ان کے حصے میں خیرات نہ آسکی، ان لوگوں کے مسئلے بھی عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ آج کل کون سا فیشن چل رہا ہے۔ کون کون سی برانڈ کی قمیضیں اور دیگر ملبوسات مارکیٹ میں آئے ہیں۔ موبائل کا کون سا ماڈل آج کل نیا ہے اور اسے کہاں سے خریدا جا سکتا ہے۔ گاڑی کونسی آرام دہ ہے اور اس میں کون سی نئی چیزیں ڈال کر جاذب نظر بنا دیا گیا ہے۔ کون سی نئی فلم مارکیٹ میں آئی ہے۔ کس قسم کی میوزک البم مقبول عام ہے۔ کنسرٹ کہاں ہو رہا ہے اور اس کی ٹکٹیں یا پاس کہاں سے مل سکتے ہیں۔ ہالی وڈ نے کونسی فلم ریلیز کی ہے اور اس کی اصل ڈی وی ڈی کہاں میسر ہو گی۔

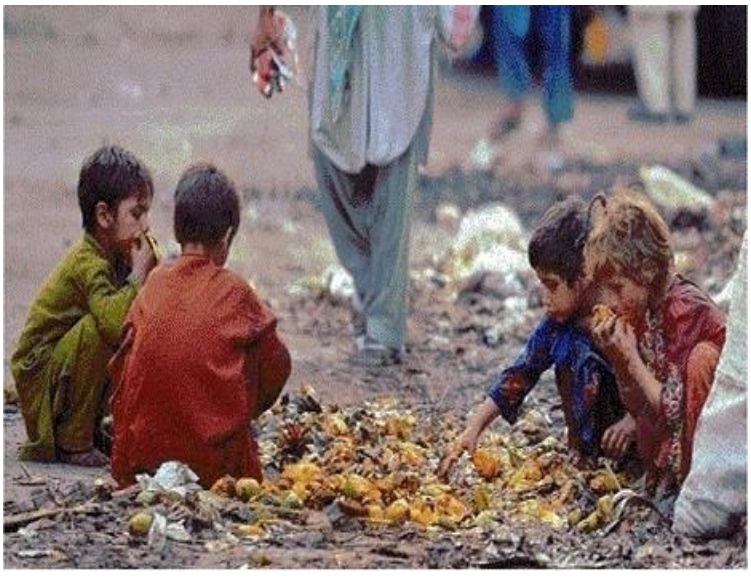

آپ ان لوگوں کی محفلوں میں جا نکلیں تو یوں لگے گا جیسے اس ملک میں کوئی دکھ، پریشانی، مصیبت یا آفت نہیں ہے۔ کوئی اپنے تازہ ترین بیرونی سفر کے قصے سنا رہا ہو گا اور پھر واپسی پر اپنے ملک کی بد تہذیبی، عام آدمی کی جہالت اور وسائل کی کمی، ٹریفک کے بے ہنگم پن پر تبصرہ کرے گا اور ساتھ ایک سیاسی قسم کا بیان بھی جاری کر دے گا کہ ہم سب چور ہیں، ہم اپنے ملک کے ساتھ مخلص نہیں۔ ان کی محفل کی دوسری بڑی تفریح

غیبت اور سیکنڈل ہوتے ہیں۔ یہ سکینڈل کسی کی نوکری میں ذلت سے لے کر اس کی گھریلو زندگی اور معاشقے تک چلے جاتے ہیں۔ گالف کے میدانوں سے گھوڑوں کی ریس اور سٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ ان کے موضوعات ہوتے ہیں ۔ یہ لوگ اخبارات کے بھی وہی صفحات زیادہ شوق سے دیکھتے ہیں جہاں کوئی ایسی خبر نہ مل سکے جن سے ان کا فشار خون بلند ہو جائے، ان پر پژمردگی چھا جائے یا ان کی پر سکون زندگی میں بے اطمینانی آنے لگے۔

یہ لوگ گزشتہ سالوں میں میرے ملک کے کونے کونے میں کیوں نظر آنے لگے۔ کیا ہم اچانک بہت امیر ہو گئے۔ ہم پر ہن برسنے لگا۔ ہم نے ترقی کی منازل طے کر لیں۔ نہیں، دراصل آج سے چھ سال پہلے تک ہم پر ایک بینکار نے سال تک حکومت کی اور اپنا یہ منحوس کاروباری خونی دھندہ پاکستانیوں کی رگوں میں اتار کر چلا گیا جو ابھی تک جاری و ساری ہے۔ بنک کا ایک ہی اصول ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے تاکہ اسے سود کی رقم وصول ہو سکے۔ کارخانے اور ملیں تو نہ لگیں لیکن اس ملک کے خواب دیکھنے والے اور امیر بننے یا امیروں کی طرح زندگی گزارنے کا شوق اور لگن رکھنے والوں کے لئے قرض کا دروازہ کھول دیا گیا۔ قرض لو اور گاڑی خریدو، فریج خریدو، ائر کنڈیشنڈ خریدو اور پھر اپنی محدود آمدنی میں سے پیٹ کاٹ کر سود سمیت قسطیں ادا کرو۔ جو پیٹ کاٹنے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو وہ بے ایمانی سے، رشوت سے اور کسی بھی ناجائز ذریعے سے اس معیار زندگی کا بوجھ اٹھائے جو وہ اٹھانے کے قابل نہیں تھی مگر قرض کی فراہمی نے اس پر راستہ کھول دیا۔

لیکن ان سب لوگوں میں خواہ وہ بنیادی طور پر صاحب حیثیت ہوں یا اب نقلی ثروت اور قرض سے اس صف میں آ کھڑے ہیں۔ ایک بات مشترک ہو گئی ہے۔ یہ عام آدمی کے دکھ درد، آلام اور پریشانی سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ انہیں اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ گاؤں، محلوں اور کوچوں قریوں میں بجلی جاتی ہے تو کیا قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ آٹا مہنگا ہوتا ہے تو کتنے فاقے آتے ہیں۔ نوکری نہ ملے تو کیسے بچوں کو سکول سے اٹھانا پڑتا ہے۔ نالیوں کی صفائی نہ ہو تو مچھر کیسے کاٹتے ہیں اور کونین کی گولی کتنے کی ملتی ہے۔ انہیں تصور تک نہیں ہو پاتا کہ لوگ معاشی پریشانی کی وجہ سے خودکشی بھی کرتے ہیں اور اپنے بچوں سمیت نہر میں چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان سب دکھوں اور پریشانیوں اور لوگوں کی مصیبتوں سے بے بہرہ ہوٹلوں میں کھانوں کی خوشبوؤں میں رچے ہوتے ہیں۔ پلازوں میں خریداریاں کر رہے ہوتے ہیں اور محفلوں میں خوش گپیاں۔ لیکن تاریخ ایسے ماحول کو "وقت کے تمسخر" کا نام دیتی ہے اور ملکوں ملکوں یہ کہانی بیان کرتی ہے کہ جب ایک خاص طبقہ بہت زیادہ امیر اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے لگے اور دوسری جانب انتہائی غربت و افلاس ہو تو پھر بس ایک چنگاری لگنے کی دیر ہوتی ہے۔ کسی حکمران کے منہ سے تضحیک کا کوئی فقرہ نکلا، کسی نے کہا "روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں کھاتے" یا پھر "دال نہیں ملتی تو مرغی کھایا کرو" بس یہ چنگاری غربت کی دھوپ میں جلے ہوئے انسانوں کے ڈھیر میں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ بس چند لمحے سلگتی ہے اور ایک دم دھماکے سے سارا کھیت جل اٹھتا ہے۔ ایک نوجوان بے بس ماں نے اپنے نوزائیدہ بچے اور تین سال کی بچی کو اپنے ہاتھوں سے تیسری منزل سے اچھال کر خود بھی ان کے پیچھے کود کر خوفناک خونی موسم کا آغاز کر دیا ہے۔ ان لمحوں کو روکنے کیلئے خدارا کچھ کرو ورنہ..... بات ان دھرنوں سے آگے بڑھ گئی تو کچھ نہیں بچے گا!

بروز جمعۃ المبارک ۳۰ ذوالحج ۱۴۳۵ھ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

"بدروحوں کے مسکن"

ہاں میں ہی تو اسے جانتا ہوں اور کون جانتا ہے اسے۔ وہ تو خود کو بھی نہیں جانتا۔ میرا دوست ہے وہ۔ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹا۔ اس دنیا کا باسی ہوتے ہوئے بھی یکسر مختلف ہے۔ اس کا ہر کام نرالا ہے۔ بالکل مرعوب نہیں ہے وہ اس سنسار سے۔ نجانے کیا کیا کرتا پھرتا ہے۔ اس ہشت رخی سماج کا باغی۔ آپ اسے پیسے سے نہیں خرید سکتے، بالکل بھی نہیں۔ گفتگو تو وہ کرتا ہی نہیں لیکن اگر کبھی بولنے پر آجائے تو سکتے میں آجائیں گے آپ۔ خاموش ہو جائے تو آپ اسے کھول ہی نہیں سکتے۔ ہاں وہ میری طرح ایک رشتے کو مانتا ہے، محبت کے رشتے کو۔ انسانوں سے ہی نہیں، جانوروں ،پرندوں، درختوں سے، دریاؤں سے، ندی نالوں سے، بپھرے سمندر سے، مفلوک الحال مچھیروں سے، خون تھوکتے مزدوروں سے، خاک بسر انسانوں سے جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔

لنڈے کے کپڑے پہننے والا مست ملنگ۔ آپ کا خوشبو میں بسا ہوا قیمتی لباس، اسے بالکل متاثر نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر آپ میں محبت کا زمزمہ بہتا ہو تب آپ اسے اسیر کر سکتے ہیں۔ پھر تو اسے کوئی بھی قید کر سکتا ہے۔ ہنسنے ہنسانے والا، گنگنانے والا، چہچہانے والا، لوگوں کے کام آنے والا۔ میرا یہ پاگل دوست یاور ہے، یاور شمشیر۔ وہ واقعی جادو گر ہے ۔ دل موہ لینے والا۔ وہ ایک مصور ہے، مجسم مصور۔ آپ اس کے کمرے میں داخل ہو جائیں تو خود کو کسی جادو نگری میں پائیں گے۔ سب کچھ مختلف، انوکھا اور منفرد ہے۔ وہ ایک بڑے شاپنگ پلازہ میں لوگوں کی تصویریں بناتا ہے، کسی کی غلامی نہیں کر سکتا وہ۔ میں جانتا ہوں لوگوں نے اسے معقول مشاہرہ پر کام دینے کی سر توڑ کوشش کی ۔ ایک زمانے میں اسے روزگار کی تلاش تھی اور اب روزگار اسے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ وہ کسی کی ملازمت کر ہی نہیں سکتا۔ آزاد بندہ جو لوگوں کی آزادی کا بھی خواہاں ہے۔ وہ ٹیلی ویژن کے مختلف ڈراموں اور اسٹیج شوز میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکا ہے لیکن وہ اداکار نہیں ہے۔ بہت معصوم سا بچہ اس کے اندر کلکاریاں مارتا رہتا ہے۔

ایک زمانے میں ہم دونوں بہت ساتھ رہے ہیں۔ ہائیڈ پارک کی جھیل کے ایک کنارے پر مخصوص کونے میں بیٹھ کر کئی مرتبہ چائے اور کافی کا مزا بھی لیتے رہے ہیں، دریائے ٹیمز کے

کنارے ایک گوشے میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو غزلیں سنائی ہیں۔ انگریزی اور فرانسیسی ادب پر بات کی ہے لیکن ٹھہریئے، یہ سب کچھ بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ بالکل بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دن اس نے مجھے کہا: "میں شیطان کا کردار ادا نہیں کر سکتا۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "تو کس نے کہا ہے تمہیں شیطان کا کردار ادا کرنے کو۔" وہ بہت ہنسا اور کہنے لگا!

" اس دنیا کے لوگوں نے اور کس نے "بکواس بند کرو، سیدھی طرح بتا کیا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں سر جھکایا اور کہنے لگا "آپ بھی ناں، دیکھئے ہمارے آس پاس منافقت ہی منافقت ہے۔ آپ ہی تو کہتے ہیں یہاں کوئی رشتہ نہیں ہے، سب تاجر ہیں، ہر شے کے دام ہیں، سب خود کی محبت کے اسیر ہیں۔ محبت میں دینا ہی دینا ہے لینا کہاں ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کو بہت خلوص سے شیطان کا پیروکار بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس ہاتھ دو، اس ہاتھ لو۔ ہم کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ یہ شیطانی کام نہیں تو اور کیا ہے۔ نہیں نہیں میں یہ کردار ادا نہیں کر سکتا"۔

وہ بہت عجیب ہے، بہت زیادہ۔ ایک زمانے میں جب لڑکیاں اس کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھیں، میں نے اس سے کہا "یاور! تو شادی کیوں نہیں کر لیتا؟" آپ بھی ناں، میں انہیں افورڈ ہی نہیں کر سکتا۔ ہر دوسرے مہینے تو یہ گاڑی بدل لیتی ہیں، مجھے بھی کبھی جلد بدل دیں گی۔ نہیں نہیں مجھے معاف کیجئے میں ایسے ہی بھلا ہوں۔" پھر اس کا قہقہہ گونجتا۔ بھرپور زندگی لئے ہوئے قہقہہ۔ میں اس کے طنز کو جانتا ہوں۔

پھر ہم دونوں، دونوں ہی کیا ہم سب کے سب جیتے جی دنیا کو پیارے ہو گئے۔ زندگی سے لڑنا کوئی آسان کام ہے بھلا۔ اور پھر ہم بد دماغوں کا دنیا سے لڑنا... ایب نارمل لوگ ۔ ہاں مجھے اقرار ہے، میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں، میرے سارے دوست نارمل نہیں ہیں۔ پاگل ہیں، سب کے سب ۔ میرے مولا تیرا شکر ہے تو نے مجھے ایسے چریا دوست دیئے۔ میں اپنے دوستوں کی بات کر رہا ہو، میرے شناسا تو بہت ہیں، وہ سب انسان ہیں، نارمل انسان... لیکن میری ان سے دوستی کب ہے۔ شناسائی ہے بس، شناسائی۔ یاور سے میری ملاقاتیں کم کم ہونے لگیں، کبھی کبھار فون پر اس کی آواز سنائی دیتی "آپ بھی ناں، کہاں غائب ہیں۔" جب میں کہتا "تو کہاں غرق ہو گیا ہے" تب اس کا وہی قہقہہ گونجتا "آپ ہی تو کہتے ہیں ہم جیتے جی مر گئے"۔

چھ سات ماہ پہلے اس کا بڑا بھائی میرے پاس آیا "بھائی، یاور کو کیوں نہیں سمجھاتے؟ آپ کی تو بات سنتا ہے، مانتا ہے۔" میں نے پوچھا کیا ہوا؟ "ہونا کیا ہے، کب کرے گا شادی؟" میں نے ان کے سامنے یاور کو فون کیا۔ "جی، جی، جی کیا بات ہے آپ کی واہ واہ، حکم کیجئے۔" "تو شادی کیوں نہیں کرتا؟" وہ بہت ہنسا "سب لوگ ڈھونڈ رہے ہیں لڑکی، جلد کر لوں گا، آپ کو بتاتا ہوں، اس وقت راستے میں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد فون کروں گا"۔ اس کے بڑے بھائی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "ٹھیک ہے میں نے یاور سے کہہ دیا ہے، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ایک دن رات گئے اس کی بہن کا فون آیا "بھائی کیسے ہیں آپ؟"۔ "میں ٹھیک ہوں، خیریت تو ہے؟" آپ یاور کو سمجھائیں ناں، ہم سب اپنے گھروں کے ہو گئے، ابو ہیں نہیں، امی کب تک اسے سنبھالیں، وہ تو خود اتنی کمزور ہو گئی ہیں، کون سنبھالے گا اسے، کب کرے گا وہ شادی"۔ اچھا تم مطمئن ہو جاؤ ابھی اسے ٹھیک کرتا ہوں۔

میں بہت غصے میں تھا، تھوڑی دیر بعد میں نے یاور کو فون کیا اور اتنی سنائیں کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ خلاف معمول وہ خاموش تھا۔ پھر اس کی آواز آئی "میں آرہا ہوں آپ کے پاس، آپ جو کہیں گے، وہی کروں گا۔ پہلے میری بات سن لیجئے گا۔

وہ میرے پاس آیا اور آتے ہی شروع ہو گیا۔ "آپ کو کیا ہوا ہے، نہیں نہیں میں آپ سے ملنے آیا ہوں لیکن یہ میرے سامنے آپ نہیں ہیں۔ میں جن سے ملنے آیا ہوں وہ کہاں ہیں۔ نہیں نہیں یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ بالکل بھی نہیں۔ یہ ہم سب کے ساتھ زیادتی ہے۔" شفیق نے بھی جو میرا جانی دشمن ہے، اس کا ساتھ دیا "بالکل یہ زیادتی ہے۔ تمہیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، ہم سب جانتے ہیں۔ ہمیں تو ہے ناں۔" بہت مشکل سے میں نے انہیں چپ کرایا۔

ہاں یاور بول کیا مسئلہ ہے۔ کیوں نہیں کرتا شادی۔ کیوں پریشان کر رہا ہے سب کو۔ سیدھی طرح بات کرنا۔ مجھے تمہاری بکواس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ہاں میں بہت تلخ تھا۔

اس نے سر جھکایا "آپ ٹھیک کہتے تھے، میں نہیں مانتا تھا، اب میں مانتا ہوں۔ یہاں ہم سب کے سب غلام ہیں۔ قیدی ہیں۔ دنیا کے قیدی۔ ہم نے عذاب خود خریدے، ہم نے اپنا دوزخ خود بنایا۔" اپنا فلسفہ میرے سامنے مت بگھار۔ یہ میں تجھ سے زیادہ بگھار سکتا ہوں، سیدھی طرح بکواس کرو چاہتا کیا ہے؟

''یہاں جینا کتنا مشکل ہے۔ ہمیں سنایا جاتا ہے سادگی اختیار کرو، اسراف مت کرو۔ لیکن جب ہم سادگی اختیار کرتے ہیں تو لوگ نجانے ہمیں کیا کیا کہتے ہیں۔ ہمیں انسان نہیں دوسرے سیارے کی مخلوق سمجھتے ہیں''۔ تو اصل بات کیوں نہیں کرتا، مجھے تیرا بیہودہ لیکچر نہیں سننا۔

''اچھا، اچھا سیدھی بات بتاتا ہوں۔ میں شادی کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن بہت سادگی سے۔ کوئی مہندی نہیں، کوئی موو ی نہیں، کوئی بکواس نہیں ۔بس سادگی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بالکل بھی جہیز نہیں چاہئے''۔ تو اس میں کیا مسئلہ پھر؟

''ہاں یہی تو مسئلہ ہے سب سے بڑا۔ پچھلے آٹھ ماہ میں درجنوں لوگوں نے میرے انٹرویو کیے۔ کسی کو میرا کام پسند نہیں آتا۔ کسی کو میرا حلیہ پسند نہیں آتا۔ چاچا، ماما، بہنوئی، خاندان بھر کے سامنے انٹرویو دیتے دیتے تھک گیا ہوں۔ بہت کو میں پسند بھی آیا تو وہ سادگی سے شادی پر تیار نہیں ہیں۔ میں نے ایک بیوہ سے بھی اپنی بہن کے ذریعے بات کی تو وہ بھی تیار نہیں ہے اور میں اس شادی کی خرافات اور بیہودہ رسموں کو نہیں مانتا۔ اصل تو نکاح ہے ناں، میری عمر سال ہو گئی ہے، میری کوئی ڈیمانڈ نہیں ہے۔ بس میں سادگی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور کوئی تیار نہیں ہے۔ اب میرا قصور بتایئے۔ آپ ہی تو کہتے تھے یہاں شادی کیا موت بھی مشکل ہے۔ مرنے پر بھی کمر توڑ خرچ اٹھ جاتا ہے۔ میں بھی قرض لوں، لڑکی والے بھی قرض لیں، موو ی بنے تو کوئی نہ کوئی رشتے دار ناراض ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد کوئی گھر آئے تو اسے البم دکھاؤ۔ موو ی دکھاؤ۔ لڑکے والے بھی پریشان کہ اب قرض کیسے چکائیں اور لڑکی والے بھی بیزار کہ اب کیسے حساب بے باق ہو گا۔ ساری زندگی کا گورکھ دھندا رسومات ہی رسومات۔ کسی غریب کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے۔ میں تو سب کچھ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ ابھی کہیں میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ جو آپ کہیں گے میں کروں گا''۔

میرے سامنے یاور بیٹھا تھا۔ اس کے اندر کا معصوم بچہ اب بھی زندہ ہے۔ وہ سماج کو اس کی اصل شکل دکھانے کے لئے آئینہ لئے گھوم رہا ہے۔ سچ کہتا ہے وہ، ہم سب منافق ہیں۔ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ ہم سب غلام ہیں، سماج کے غلام۔ ہاں یہاں باغیوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ پاگل ایب نارمل لوگ۔ ہر طرف تاجر، دھوکا دہی دھوکا۔ کوئی دینے والا نہیں ہے، سب کے سب لینے والے۔ کہاں ہے اس میں محبت، اخلاص، ایثار۔ ہاں یہ لفظ گم ہو گئے ہیں۔ گلاسٹر اسماج، اس کی بدبو سے سانس لینا دوبھر ہو گیا ہے۔ پھر بھی ہم جی رہے ہیں۔ سسکنے کو جینا کہتے ہیں۔ ہم سب مر گئے ہیں۔ بدروحوں کے مسکن میں سسک رہے ہیں ہم سب۔ زندگی تو کب کی مر گئی ہے۔

کچھ بھی نہیں رہے گا۔ بس نام رہے گا اللہ کا۔

وہ جو گیت تم نے سنا نہیں، مری عمر بھر کا ریاض تھا
مرے درد کی تھی وہ داستاں جسے تم ہنسی میں اڑا گئے

بروز اتوار ۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۴/اکتوبر ۲۰۱۴ء

انکار!

زندگی کی متاع عزیز کیا ہے؟ روپیہ پیسہ، زر و جواہر، زمینیں و جائداد، منصب و جاہ و جلال، ناموری، واہ واہ، داد و تحسین، صلہ و ستائش، بیوی بچے، عزیز و اقارب، یار دوست ..... کیا یہی ہے زندگی کی متاع عزیز؟ تو پھر نظریہ کیا ہے، اصول کیا ہے، حق و صداقت کیا ہے، دار و رسن کیا ہے، عشق کیا ہے، شہادت کیا ہے، محبت کیا ہے، بے غرضی کیا ہے، جاں نثاری کیا ہے، مر مٹنا کیا ہے؟؟؟؟ بتایئے پھر یہ سب کیا ہیں؟ کسے کہتے ہیں "متاع عزیز" ؟ کیا "انکار" "متاع عزیز نہیں ہے؟ جبر کے سامنے انکار، فرعونیت کا انکار، صلہ کا انکار، سودے بازی سے انکار، دولت بے بہا کا انکار، باطل کا انکار، سر جھکانے سے انکار، ظلم و جبر کا انکار، رب کی حاکمیت کے سوا سب کا انکار..... انکار متاع عزیز نہیں ہے تو پھر کیا ہے انکار؟ انکار اور یکسر انکار، پورے شعور کے ساتھ انکار، کوئی مصالحت نہیں، بالکل بھی نہیں..... مجسم انکار.... باطل کے سامنے، طاغوت کے سامنے، رب کے باغیوں کے سامنے، نفس پرستوں کے سامنے، دنیائے حرص و تحریص کے سامنے، دھوکے کے سامنے، بے وفائی کے سامنے، خدائی لہجے میں بات کرنے والوں کے سامنے.... انکار اور یکسر انکار، پورے شعور اور پورے وجود کے ساتھ انکار، بس انکار۔ دلیل چاہے کتنی بھی مضبوط ہو، میرے رب کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے! بس انکار.... لیکن انکار اپنے نفس کو خوش کرنے کیلئے نہیں، نفس کو خوش کرنے کیلئے انکار تو ابلیسی انکار ہے، صرف اپنے رب کیلئے انکار... یہی ہے اصل اور کچھ نہیں۔

نہیں مانیں گے کسی کی بھی، کسی طاقت کی، کسی بھی نظام باطل کی..... نہیں مانیں گے چاہے لاکھ دلیلیں دو، بس مانیں گے تو صرف رب اعلیٰ کی، بس اسی کی اور کسی کی بھی نہیں۔ یہی توحید ہے اور ہے کیا توحید۔ میرا دین تو شروع ہی انکار سے ہوتا ہے یعنی "لا" سے۔ پہلے انکار کی منزل ہے پھر تسلیم کی۔ میں انکار کئے بغیر تسلیم کیسے کر سکتا ہوں! اگر میں انکار نہ کروں اور تسلیم بھی کروں تو یہ منافقت ہے جو قابل قبول نہیں۔ ملاوٹ نہیں ،خالص درکار ہے، بالکل خالص..... چاہے ذرہ ہی ہو، ملاوٹ شدہ پہاڑ درکار نہیں ہے۔ یہی ہے اخلاص اور کیا ہے! انکار روح اسلام ہے، انکار روح حسینیت ہے، انکار.... جاؤ نہیں مانیں گے۔ تمہارے دھوکے تمہیں مبارک ، ہمارا سچ ہمیں! انکار لکھنے میں بہت آسان ہے، پانچ حرفی لفظ، بہت آسان ہے لکھنا، لیکن کرنا از حد مشکل، جان لیوا ہے، بہت نقصان دہ، بہت قربانی چاہتا ہے، خود سے بار بار لڑنا پڑتا ہے، بیوی بچوں سے، یار دوستوں سے، ایک چومکھی جنگ لڑنی پڑتی ہے، اپنا انکار بھی، نہیں اپنی بھی نہیں مانوں گا، بہت مشکل ہے یہ، بہت کٹھن منزل ہے۔ معرکہ خیر و شر کیا ہے؟ معرکہ حق و باطل کیا ہے؟ حق کا ساتھ دینا خیر، باطل کا ساتھ دینا شر! رب کے سامنے سر تسلیم خم کرنا خیر اور ابلیس کا پیروکار بننا شر۔ معرکہ خیر و شر یہی ہے، بس یہی تو ہے! پورے عالم میں یہی کچھ ہوتا ہے، ہوتا رہے گا، نہیں رکے گا یہ معرکہ اور سلسلہ، کوئی نہیں روک سکے گا!

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

آخر کربلا کا درس کیا ہے؟ جنگ بدر کیا ہے، جنگ احد کیا ہے، جہاد کیا ہے؟؟ یہی ہے بس! سب کا درس ایک ہے: بس انکار۔ انکار کرو تو اس میں جان سے گزرنا پڑتا ہے ، خاندان نثار کرنا پڑتا ہے، سب کچھ نثار کرنا پڑتا ہے، آگ و خون میں نہانا پڑتا ہے، خاک آلود ہونا پڑتا ہے، اپنی خواہشات کو خود اپنے ہاتھوں ذبح کرنا پڑتا ہے، تیز دھار پر سے گزرنا پڑتا ہے، لاشے اٹھانے پڑتے ہیں۔ جب شعور کے ساتھ انکار ہو تو ہر لاشہ اٹھاتے ہوئے یقین بڑھتا ہے 'پختگی آتی ہے، رب اعلیٰ کیلئے سب کچھ قربان کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے، سرشاری اسے ہی کہتے ہیں۔ ہنستے کھیلتے لاشے اٹھانا اور پھر آواز بلند

سے اپنے رب کی کبریائی بیان کرنا۔ یہی ہے دین اور ہے ہی کیا! اسے کہتے ہیں اپنی نذر پوری کرنا، اپنے دعوے کی صداقت کو مجسم کر دینا لیکن یہ ہے بہت مشکل۔

یہ قدم قدم بلائیں یہ قدم کوئے جاناں
وہ یہی سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

توفیق پر ہے یہ، جانوں کا نذرانہ پیش کرنا اور رب سے التجا کرنا کہ قبول کر لیجئے ہماری قربانی.... اور پھر یقین کی منزل پر پہنچ کر بے ساختہ پکارنا....

"قُل اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي و مَحْيَايَ و مَمَا تِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن، کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے" (سورۃ الانعام: ۱۶۲) رب کیلئے خالص! باطل ہمیشہ سے گھمنڈی ہوتا ہے، دھوکے کا شکار۔ میں دیکھ رہا ہوں، پچھلی نصف صدی سے معرکہ کربلا، غزہ اور کشمیر میں برپا ہے۔ معصوم لاشے اٹھتے ہیں تو تکبیر بلند ہوتی ہے۔ انکار مجسم ہوتا ہے، ساری دنیا دنگ ہے کہ یہ کیا ہیں، کیسے لوگ ہیں؟؟ پتھر سے گولی کا مقابلہ کرنے والے، کوئی تخصیص نہیں ہے، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، معصوم بچے اور عورت و مرد، جوان و بوڑھے سب کے سب مجسم انکار، نہیں مانتے۔ انکار جتنی شدت اختیار کرتا چلا جائے، انقلاب اسی شدت سے نمودار ہوتا ہے اور پھر ہمارا مسئلہ نتائج نہیں، کارزار خیر و شر میں اپنا حصہ ایمانداری سے ادا کرنا ہے، ایسے، ویسے، چونکہ چنانچہ اور لیکن ویکن کچھ نہیں ... . یکسر انکار۔

رب پر کامل یقین کے ساتھ باطل کا انکار..... طاغوت کا انکار!

دہلی کے بعد کشمیر کی فتح مودی کا ایک اہم سیاسی اور نظریاتی ایجنڈہ ہے جس کا اپنی انتخابی مہم میں کئی دفعہ انہوں نے ذکر بھی کیا تھا کہ وہ برسر اقتدار آ کر بھارتی آئین میں کشمیر کی خصوصی حیثیت کا آرٹیکل ۳۷۰ منسوخ کر دیں گے اور اپنے اسی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر نریندر مودی گذشتہ چھ مہینے میں چار بار کشمیر کا دورہ کر چکے ہیں، شاید ہی کسی وزیر اعظم نے اتنی کم مدت میں اتنی بار وادی کا دورہ کیا ہے۔ پورا بھارت جب روشنیوں کا تہوار دیوالی منا رہا تھا تو اس وقت وزیر اعظم نریندر مودی کشمیر کے تباہ کن سیلاب کے متاثرین کا دل جیتنے کیلئے سری نگر پہنچ گئے لیکن ان کی یہ سیاسی چال بری طرح ناکام ہو گئی۔ ان کے سرینگر کے قیام کے دوران جہاں حریت کی اپیل پر اسے ثقافتی حملہ قرار دیتے ہوئے پورا شہر احتجاجاً بند رہا وہاں حزب اختلاف کی جماعت کانگریس نے بھی اسے سیاسی موقع پرستی قرار دیتے ہوئے بھانڈہ پھوڑ دیا کہ دراصل مودی کا یہ دورہ ریاستی اسمبلی انتخابات کے پیش نظر ہے کیونکہ بی جے پی کشمیر کی ریاستی سیاست میں ابھی تک کوئی اہم مقام حاصل نہیں کر پائی جبکہ نیشنل کانفرنس، کانگریس اور پی ڈی پی پچھلے کئی برسوں سے ریاست کی سیاست پر غالب رہی ہیں۔ وادی میں بی جے پی کی حکمت عملی کا محور دو پہلوں پر مرکوز ہے۔ پہلا یہ کہ وہ کشمیر سے بے دخل ہونے والے کشمیری پنڈتوں کو بڑے پیمانے پر ووٹ دینے کی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ روایتی طور پر پنڈت بی جے پی کے حامی ہیں دوسرا اس کا انحصار حریت پسندوں کے بائیکاٹ کی اپیل پر ہے جو اس کے حق میں جاتا ہے۔

اب یہ راز بھی آشکار ہو چکا ہے کہ کشمیر میں آزادی کی لہر نے بھارتی افواج کو انتہائی دل برداشتہ اور بے بس کر رکھا ہے اور بالخصوص امریکا کے دورے کے بعد پاکستان کی ورکنگ باؤنڈری اور ایل او سی پر فائرنگ کا سلسلہ بھی اسی سازش کی کڑی ہے۔ دراصل وہ پاکستان کو اس خطے میں اپنی

واضح بالادستی کا پیغام دیتے ہوئے باور کروانا چاہتا ہے کہ اب صرف اسی کے حکم کا سکہ چلے گا لیکن وہ نہیں جانتا کہ باطل کے سامنے، طاغوت کے سامنے، رب کے باغیوں کے سامنے، نفس پرستوں کے سامنے، دنیائے حرص و تحریص کے سامنے، دھوکے کے سامنے، بے وفائی کے سامنے، خدائی لہجے میں بات کرنے والوں کے سامنے..... انکار اور یکسر انکار، پورے شعور اور پورے وجود کے ساتھ انکار کرنے والوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

بروز جمعۃ المبارک ۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۴ء

مودی کا اصلی چہرہ

برہمن سامراج کے نمائندے نریندر مودی اور قصر سفید کے فرعون اوباما کی باہمی ملاقات میں طے پانے والے امور اب میڈیا کی زینت بننا شروع ہو گئے ہیں جس میں سب سے اہم معاملات افغانستان سے امریکی اور اس کے اتحادیوں کے انخلاء کے بعد بھارتی فوج کی تعیناتی طے پائی ہے جس کیلئے قصر سفید کے فرعون اوباما اور ان کی انتظامیہ کی جانب سے افغانستان کے اندر بھارت کو معدنی وسائل اور وسطی ایشیا تک راستہ دینے کیلئے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی یقین دہانی کے بعد بھارت کی مودی سرکار نے افغانستان کیلئے اپنی چالیس ہزار کے قریب فوج کی تعیناتی پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکی اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر وحشیانہ بمباری کے بعد جو قبضہ جمایا تھا، اب وہ اقوام متحدہ کی دی ہوئی مہلت ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کے ختم ہونے کے بعد اپنا بوریا بستر لپیٹ کر جا رہے ہیں۔ اس جنگ میں افغانستان کو پتھر کے دور میں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ اس جنگ میں ایک سرکاری اطلاع کے مطابق اس جنگ میں جہاں لاکھوں افغانیوں کا قتل عام ہوا وہاں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے ۳۴۷۶ فوجی بمعہ افسران ہلاک ہوئے اور صرف امریکا نے اس لاحاصل جنگ پر ۱۵۷۵ بلین ڈالر صرف کر دیئے۔

اب امریکا اور اس کے اتحادیوں کے ۶۵ ہزار ۸۰۰ میں سے ۵۶۳۰۰ فوجی ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء تک افغانستان سے نکل جائیں گے۔ نومبر کے وسط تک سات اتحادی ممالک کا پورا مشن اختتام پذیر ہو جائے گا۔ پچھلے ۱۳ سالوں میں برطانیہ نے افغانستان کو تاراج کرنے کیلئے امریکی حمائت میں اپنے ۹۵۰۰ فوجی روانہ کئے تھے لیکن ۴۵۳ فوجیوں کی ہلاکت اور ۱۲۰۰ سے زائد ہمیشہ کیلئے معذور ہو جانے کے بعد بالآخر ۲۶/اکتوبر کی صبح کو برطانیہ نے ہلمند افغانستان میں ۲۰۰۴ء سے لیکر اب تک اپنے استعمال میں رہنے والے آخری اڈے باسٹن کیمپ سے اپنے پرچم کو لپیٹ کر رخصتی کا اعلان کر دیا جس کیلئے وہ پچھلے دو ماہ سے طالبان سے خفیہ مذاکرات کر رہے تھے جس میں انہوں نے طالبان کو اپنے اس اڈے سے کابل تک اپنے ہر ٹرک پر دو ہزار پاؤنڈ کی ادائیگی، مکمل انخلاء تک کسی بھی جنگی کاروائی میں حصہ نہ لینے اور کسی بھی الوداعی تقریب کے انعقاد سے گریز کی شرائط کو تسلیم بھی کیا ہے۔ اس کے بعد دفاعی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ برطانیہ کے انخلاء کے بعد ان کے تمام زیر استعمال اڈوں پر طالبان آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیں گے۔

اب نئے افغان امریکا اسٹرٹیجک معاہدے کے تحت افغانستان کے پانچ اہم اڈوں، قندھار، بگرام، مزار شریف، شین ڈھنڈ، ہرات اور جلال آباد میں ۸۹۰۰ امریکی فوجی بدستور موجود رہیں گے گویا امریکی فوجیوں کی تقسیم سے ڈیڑھ ہزار سے بھی کم فوجی ہر اڈے پر تعینات ہوں گے جن کی سیکورٹی خاصا مشکل کام ہو گا کیونکہ افغان فوجیوں میں اس وقت اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ امریکی فوجیوں کی سیکورٹی کا فریضہ سرانجام دے سکیں اسی لئے سیکورٹی کے نام پر بھارتی فوجیوں کی تعیناتی عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے گزشتہ دنوں نریندر مودی نے پچھلے دنوں افغان صدر اشرف غنی سے ٹیلیفون پر یقین دہانی کروائی کہ اگر چین کے مقابلے میں بھارتی کمپنیوں کو افغانستان کے اندر معدنی وسائل تک رسائی دینے پر افغانستان رضامند ہے تو بھارتی فوجی کی تعیناتی پر بھارت غور کر سکتا ہے تاہم بعض ذرائع سے پتہ چلا کہ ۲۰ ہزار سے زائد فوجی مختلف سیکیورٹی ایجنسیوں کے نام پر افغانستان منتقل ہو چکے ہیں اور مزید فوجیوں کو بھی باضابطہ منتقل کر دیا جائے گا تاہم ڈاکٹر اشرف غنی احمد زئی اس وقت ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور انہوں نے بھارتی وزیر اعظم کو اس حوالے سے اپنے رفقاء کار سے مشورہ کرنے کو کہا ہے۔

بھارت نے یہ پیشکش ایسے وقت کی ہے کہ جب ایران گیس پائپ لائن منصوبہ ختم کر چکا ہے اور پاک ایران سرحد پر کشیدگی بھی بڑھ گئی ہے۔ ایک

طرف مشرقی سرحدوں پر بھارت اور دوسری جانب ایران مخالف روپ بھی سامنے آگیا ہے جبکہ مغربی سرحدوں پر اتحادی افواج اور شدت پسندوں کی جانب سے پاکستان کی سیکیورٹی فورسز کو شدت پسندی کا سامنا ہے۔اس حوالے سے بھارت نے اس موقع پر افغانستان میں فوج تعینات کرنے کی تیاری شروع کر دی ہے کہ پاکستان اپنے داخلی مسائل کی وجہ سے بھارت کے خلاف محاذ کھڑا نہ کردے تاہم بھارتی حکام کی جانب سے افغانستان کے چیف ایگزیکٹو ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کے ساتھ اس حوالے سے مذاکرات بھی ہوئے ہیں اور ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے اس مسئلے سے خود کو بالکل علیحدہ کرلیا ہے اور بھارتی حکام کو کہہ دیا ہے کہ اس حوالے سے صدر ہی منظوری دے سکتے ہیں۔

تاہم ان اطلاعات کے سامنے آنے کے بعد افغان طالبان نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر بھارت نے افغانستان کے اندر امریکا کی مدد کیلئے امریکی فوج اور اتحادیوں کے انخلاء کے بعد فیصلہ کن مرحلے پر اپنی فوج کی تعیناتی شروع کردی تو پھر بھارت کے اندر امن کی ضمانت کوئی نہیں دے سکتا اور طالبان اس کا جواب بھارت کے اندر ہی دیں گے اس لئے بھارت اپنے فوجی تعینات کرنے سے باز رہے کیونکہ طالبان اور دیگر مزاحمتی گروپ آئندہ موسم بہار پر آزادئ افغانستان کیلئے ایک بڑے آپریشن کی تیاری کررہے ہیں جو افغانستان کو امریکا کے قبضے سے آزاد کرادے گا۔اس موقع پر بھارت کی دخل اندازی خود بھارت کے مفاد میں نہیں ہے۔فدائی محاذ کے ایک اہم رہنماء نے کہا کہ بھارت مختلف سیکورٹی ایجنسیوں کے روپ میں اپنے اہلکاروں کو تعینات کررہا ہے اگر بھارت اپنے اس منصوبے سے باز نہ آیا تو پھر بھارت کو ہی پچھتانا پڑے گا کیونکہ امریکا اپنے اتحادیوں کے ساتھ بارہ سالوں میں افغانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور اب ذلت و رسوائی اور شکست خوردہ ہو کر نکل رہا ہے تو اب یہ بھارت کو سوچنا ہے کہ وہ کیوں اس ذلت میں بھارت کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے۔امریکا تو افغانستان سے ہزار کلو میٹر دور ہے جبکہ بھارت تو بالکل قریب ہے اور خود تاریخ گواہ ہے کہ افغانوں نے سومنات پر حملے کئے اور احمد شاہ ابدالی نے قندھار سے جاکر بھارت کے اندر ہندوؤں کو بدترین شکست سے دوچار کیا لہٰذا یہ تاریخ دوبارہ دہرانے کی ضرورت پڑی تو دریغ نہیں کیا جائے گا۔

دوسری جانب حزب اسلامی کے ترجمان نے بھارت کی جانب سے فوج کی تعیناتی پر اپنے شدید ردعمل میں کہا کہ ہمارے سرحدوں سے متصل روس جو کہ دنیا کی ایک بڑی سپر طاقت ہے،اس کا حال ساری دنیا نے ملاحظہ کرلیا کہ افغانستان میں جارحیت کے بعد اس کا جو بدترین حشر ہوا، جس کے نتیجے میں اس کے چھ ٹکڑے ہوگئے اور وہ آج تک زخم چاٹ رہا ہے۔اس کے بعد امریکا اپنے تمام اتحادیوں کے ساتھ بارہ سال تک افغانوں کو زیر نہ کرسکا اور اب وہ بھی اپنے اتحادیوں کے ساتھ رسوا ہو کر جارہا ہے تو پھر بھارت کا حشر اس سے بھی کہیں بدتر ہوگا کیونکہ خود بھارت میں دو درجن سے زائد آزادی کی تحریکیں جاری ہیں جن میں بعض ریاستوں میں بھارت کی عملداری کا نام و نشان تک نہیں۔

ان تمام حالات کے پیش نظر اگر بھارت نے افغانستان میں اپنا ایک بھی فوجی تعینات کیا اور انہوں نے مزاحمت کاروں کے راستے میں آنے کی کوئی غلطی کی تو پھر ہندوستان کو تقسیم سے کوئی نہیں بچاسکتا۔ جس طرح روس نے افغانستان میں قدم رکھ کر پورے سوویت یونین کو ٹکروں میں تقسیم کردیا اور امریکا نے افغانستان میں قدم رکھ کر پوری دنیا کے امن کو داؤ پر لگا کر پوری دنیا میں جہادی کھڑے کردیئے اسی طرح بھارت کے

خلاف بھی جہادی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ نریندر مودی کو اس بارے میں سو بار سوچنا ہوگا کہ افغانستان نہ تو گجرات ہے اور نہ افغان کسی سے ڈرنے اور دبنے والے ہیں کیونکہ گزشتہ بارہ سال سے دنیا کے ۴۸ ممالک کی جدید ٹیکنالوجی سے لڑنے والوں کیلئے ہندوستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا بھارت کو چاہئے کہ امریکی شکست کے ساتھ اس آخری مرحلے پر اپنے آپ کو شرمندہ کرنے سے باز رہے۔

میں اپنے کالموں میں کئی دفعہ اس کا تذکرہ کر چکا ہوں کہ امریکا اور اس کے ہمنوا ٹرائیکا نے افغان جنگ میں اتنی سرمایہ کاری نہیں کی جس قدر انہوں نے بلوچستان کے حالات خراب کرنے میں کی ہے لیکن اسے یہاں بھی بری طرح ناکامی ہوئی ہے کیونکہ اب ان کے پروردہ ایجنٹوں کے درمیان امریکا کی طرف سے دی گئی خفیہ مدد متنازعہ ۶۰ ملین ڈالر اور کروڑوں روپے کے اسلحے پر دونوں بھائیوں میں خونریز جنگ ہونے جا رہی ہے جس کو روکنے کیلئے ٹرائیکا کے ایجنٹ دن رات مصروف ہیں۔ اب وہ ایک خاص منصوبے کے تحت پاک ایران سرحد پر بلیک واٹر کے ایجنٹوں کے توسط سے دونوں ممالک کے اندر دہشتگردی کر کے پاک ایران کے تعلقات کو خراب کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فوری طور پر اس سازش کی کڑیوں کو بے نقاب کر کے اس کا خاتمہ کیا جائے۔

بروز منگل ۱۱ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۴ نومبر ۲۰۱۴ء

لینے کے دینے!

اقوام متحدہ کے حالیہ اجلاس میں میاں نواز شریف کی تقریر میں اقوام عالم سے مسئلہ کشمیر کے حل کے مطالبے کے بعد مودی سرکار سے خیر کی توقع تو ہر گز نہیں تھی اور اس پر مستزاد کہ وہ اسی امریکا کی جھولی میں بیٹھ کر اس خطے میں امریکی پالیسیوں کا پرچم تھام کر میدان میں اترے ہیں جن کو گزشتہ برسوں امریکا کے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے دورۂ امریکا سے واپسی کے فوراً بعد بھارتی برہمن فوج نے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر دادا گیری شروع کر دی ہے۔ عید کے ایّام میں جارحانہ حکمت عملی کے تحت شروع کردہ بھارتی جارحیت سے اب تک ۱۲ شہری شہید اور ۱۸ زخمی ہو چکے ہیں۔ ان میں ۱۱ عید کے روز اور ایک خاتون عید کے تیسرے دن گولہ باری سے شہید ہوئی۔ بھارتی فائرنگ کے بعد ۹ پاکستانی سرحدی دیہات مکمل طور پر خالی اور تقریباً ۲۰ ہزار سے زائد شہریوں کا انخلاء ہو چکا ہے جبکہ بھارت کا دعویٰ ہے کہ پاکستانی رینجرز کی جوابی کاروائی سے ان کا بھاری جانی نقصان ہوا ہے اور ہزاروں بھارتی شہریوں کو بھارتی فوج کے کیمپوں میں منتقل کیا گیا ہے۔

جموں خطے میں بھارت اور پاکستان کے درمیان ۲۰۰ کلو میٹر کی سرحد ہے جسے پاکستان ورکنگ باونڈری کہتا ہے کیونکہ اس کے جواز پر اسے اعتراض ہے۔ کشمیر وادی میں ۷۴۰ کلو میٹر طویل اور ۳۵ کلو میٹر چوڑی عبوری سرحد لائن آف کنٹرول پہاڑوں سے گھری ہے۔ اس کے برعکس جموں کی سرحدیں میدانی ہیں، یہاں وسیع، چٹیل میدان ہیں اور آر پار کی بستیاں دونوں جانب کی افواج کی بندوقوں کی زد میں ہیں۔ بھارتی میڈیا کے مطابق ایل او سی پر فائرنگ کا یہ سلسلہ کوئی حادثہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا تعلق ماضی میں ہونے والی کاروائیوں سے جوڑا جا سکتا ہے کیونکہ یہ جارحیت بھارتی حکومت کی تین ماہ کی تیاری کا نتیجہ ہے جس میں بھارتی حکومت نے دانستہ اپنے مفادات کے تحت ایک فیصلہ کیا اور اس کے تحت پاکستان پر ایک محدود جنگ مسلط کرنے نکل کھڑی ہوئی ہے۔

دراصل بھارتی حکومت کو یہ خطرہ تھا کہ اگر پاکستان ضرب عضب میں کامیاب ہو گیا تو افغانستان کی طرف سے پاکستان کو دباؤ میں رکھنا ناممکن ہو جائے گا لہٰذا پاکستان کو فوری طور پر مشرقی سرحدوں پر مصروف کر دیا جائے۔ دوسری جانب وہ امریکی ایجنڈے کے تحت ایل او سی کو مستقل سرحد بنانے کے خواب بھی دیکھ رہا ہے اور اپنے اسی مکروہ خواب کی تکمیل کیلئے حالیہ بھارتی آبی جارحیت میں دریائے چناب میں اچانک پانی چھوڑ کر تباہی پھیلانے کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح ورکنگ باؤنڈری کا پاکستانی علاقہ جو کہ دریائے چناب اور اس سے ملحق نالوں پر مشتمل ہے، بری طرح تباہی کا شکار کر دیا جائے تاکہ بھارتی حملے کے وقت پاکستانی فوج کو نقل و حرکت میں مشکل پیدا ہو جائے۔ دراصل حالیہ سیلاب بھارت کی طرف سے ایک کھلی آبی جارحیت تھی جس کے بعد بھارتی فوج نے پاکستانی سرحدوں پر بھاری ہتھیاروں سے اپنی مکروہ جارحیت کا آغاز کر دیا مگر بھارتی منصوبہ کی اطلاع مل جانے کے سبب پاکستان پہلے ہی نہ صرف تمام ممکنہ طور پر ہدف بننے والے دیہات خالی کروا چکا تھا بلکہ سیلاب سے پہلے ہی متعلقہ چوکیوں پر بھارتی بدمعاشی کا خاطر خواہ علاج بھی پہنچا چکا تھا جو اس وقت منہ توڑ جواب دے رہا ہے۔

ادھر بھارتی مشہور اخبار "ٹائمز آف انڈیا" کی یہ رپورٹ یکطرفہ "امن کی آشا" کے نام پر فاختائیں اڑانے والوں کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے کہ بھارتی حکام نے بی ایس ایف کو حکم دیا ہے کہ پاکستان کے خلاف فائرنگ جاری رکھے اور اب بھارت نہ صرف امن کی کسی بھی کوشش کو قبول نہیں کرے گا بلکہ وہ کسی بھی قیمت پر مذاکرات بھی نہیں کرے گا اور نہ ہی مذاکرات کی کسی کوشش کو کامیاب ہونے دیا جائے گا۔ اس رپورٹ کے مطابق کہا گیا ہے کہ بھارت نے ان تمام متعلقہ وزارتوں کو ہدائت کر دی ہے کہ ایک طرف کنٹرول لائن پر جارحیت جاری رکھی جائے اور دوسری

طرف عالمی سطح پر یہ مہم جاری رکھی جائے گی کہ پاکستان مجاہدین لانچ کرنے کی خاطر بدامنی پیدا کر رہا ہے۔
اس مقصد کی خاطر ایک طرف جارحانہ میڈیا پالیسی اور جارحانہ سفارتکاری سے کام لیا جائے گا اور جب تک بھارت اپنے مقاصد حاصل نہیں کر لیتا اس وقت فائرنگ جاری رہے گی اور بی ایس ایف اس سلسلے کو آگے بڑھاتی رہے گی۔ وریں اثناء اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی ایس ایف کو رینجرز کی جانب سے مختلف ہتھیار استعمال کرنے پر بھی پریشانی کا سامنا ہے اور ان کی انتہائی محفوظ سمجھے جانے والی پوسٹیں بھی محفوظ نہیں ہیں اور دور مار ہتھیاروں کے سبب بی ایس ایف کو بھارت کے احکام تسلیم کرنے میں پریشانی کا سامنا ہے۔
ایک اہم عسکری ذریعے کا دعویٰ ہے کہ جنرل کیانی کی جانب سے شمالی وزیرستان میں آپریشن سے گریز کی دو وجوہات تھیں، پہلی تو یہ کہ جنوبی وزیرستان سے فوجی دستوں کی رسد و کمک کو لاحق خطرات اور دوسرے مشرقی سرحدوں پر توازن بگڑنے کا خدشہ، مگر موجودہ عسکری قیادت نے پہلے جنوبی وزیرستان کو محسود قبائل کے ساتھ مذاکرات سے کلیئر کیا اور پھر مشرقی سرحدوں سے عسکری توازن کو چھیڑے بغیر دستیاب فورسز کے ساتھ آپریشن مکمل کر لیا ہے۔ انہی ذرائع کا دعویٰ ہے کہ ٹی ٹی پی کی تقسیم، بلوچستان میں دہشتگردوں کی باہمی لڑائیوں اور شمالی وزیرستان کے آپریشن کے حتمی مراحل نے بھارتی حکومت کو حواس باختہ کر دیا ہے۔ اس کے سبب اس نے مشرقی سرحدوں پر جنگ کا ماحول پیدا کرنے کی خاطر ایل او سی پر جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ چند روز قبل ہونے والے نیشنل سیکورٹی کمیٹی کے اجلاس میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ بھارت مشرقی سرحد سے دباؤ ڈال کر شمالی وزیرستان میں اپنے نقصان کو برابر کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جونہی پاکستان مغربی سرحدوں سے فورسز کم کر کے مشرق میں لائے ہم اس کی آڑ میں مغربی سرحدوں سے اپنے ایجنٹس داخل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے مگر پاکستانی فورسز بھارتی حکومت کے اس مکارانہ منصوبے سے پہلے ہی واقف ہیں۔ اسی لئے موجودہ فوجی قیادت نے پہلے سے نہ صرف اس کا متبادل انتظام و انصرام کر لیا تھا کہ صرف فائرنگ ہی نہیں بلکہ بھارت نے اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت کی تو اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا بلکہ مغربی سرحد پر بھی کسی قسم کی مداخلت کو ناممکن بنا دیا جائے گا۔
پاکستانی حکام کو اس حوالے سے کوئی شبہ نہیں ہے کہ امریکی بھی خاموش رہ کر بھارت کی مدد کر رہے ہیں۔ بلوچستان اور افغانستان میں اپنے مہروں کے ہٹ جانے اور بٹ جانے کا انہیں بھی افسوس ہے اور یہ ایک مشترکہ حکمت عملی ہے جس کے تحت پاکستان کی مغربی سرحد پر معاملات پر گرفت کمزور کرنے کی خاطر مشرق میں چھیڑ خانی کی جا رہی ہے لیکن عسکری قیادت ہر طرح کی صورت حال پر اپنا ہوم ورک پہلے ہی مکمل کر چکی ہے اس لئے پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری جانب نیشنل سیکورٹی کونسل کے اجلاس میں بھی یہ طے کیا گیا ہے کہ بھارتی قیادت کی بڑھکوں اور فائرنگ سے مشتعل ہونے کی بجائے نہ صرف آن گراؤنڈ بھارت کو مناسب اور تسلی بخش جواب دینے کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا بلکہ اس میں قطعی کوئی رعائت نہیں رکھی جائے گی اور نہ ہی کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جائے گا جس سے بھارت کی کسی بھی حماقت کو حوصلہ افزائی ملے اور نہ ہی مغرب میں اسے کسی بھی قیمت پر کسی بھی قسم کا کوئی رول یا سپورٹ دی جا سکتی ہے۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ نیشنل سیکورٹی کمیٹی کے اجلاس میں وزیراعظم نے کہا ہے کہ امن کی خواہش کو کمزوری نہ سمجھا جائے اور فوج کو کہہ دیا گیا ہے کہ بھارت کو بھرپور جواب دیا جائے۔
وریں اثناء بھارتی وزیر دفاع کے ایک ترجمان کرنل ہمیش نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان کی فورسز نے پاکستان کی ۱۹ پوسٹوں کو نشانہ بنایا جب کہ پاکستان نے بھی ایل او سی پر ۱۰/اکتوبر سے ۱۱/اکتوبر تک ۱۵ سیکٹروں کھٹوعہ، آر ایس پورہ، سامبا، جموں، ہیرانگر، اکھنور، اردلا، آرائیاں، کاناچک، پرگوال، منیرھر، رام گوٹھ، گنجانو، راجوری، بلنوں میں بھارتی بارڈر سیکورٹی فورسز کی پوسٹوں کو ہدف بنایا گیا۔ ۵۰ کو شدید نقصان پہنچا اور ۳۶

مورچے زد میں رہے۔ان جوابی حملوں میں بھارتی فورسز کے ایک "جے جے کمانڈنگ آفیسر "سمیت ۱۲ فوجی جوان نشانہ بنے۔ بھارتی ترجمان کا کہنا ہے کہ مجموعی طور پر ہمارے ۱۰ افراد ہلاک اور ۷۰ زخمی ہو چکے ہیں۔ وہ تمام ہلاک شدگان کو سویلین اور زخمیوں میں سے اکثریت کو بی ایس ایف کے جوان بتاتے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر سے ایک ذریعے نے بتایا کہ جموں سیکٹر میں پاکستانی فورسز کی فائرنگ سے بھارتی سائیڈ پر سویلین نقصان بھی ہوا ہے مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارتی بی ایس ایف سول آبادی کو آڑ کے طور پر استعمال کرتی ہے۔اس کی پوسٹیں آبادی کے اندر بنائی جاتی ہیں اور اس کشیدگی میں بھی چیک پوسٹوں کے قریب کی آبادی کو نقل مکانی کی اجازت نہیں دی جارہی جبکہ پاکستان میں فائرنگ میں شدت آتے ہی آبادیاں خالی کرالی گئی تھیں۔ بھارت سے موصولہ اطلاعات کے مطابق لائن آف کنٹرول پر جارحیت مودی کے گلے پڑ گئی ہے۔ایک طرف کارپوریٹ سیکٹر نے مودی حکومت کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے تو دوسری جانب کشمیری مجاہدین نے بھارتی فوجیوں کو سبق سکھانے کی تیاری کرلی ہے۔ تحریک آزادئ کشمیر میں تیزی کے آثار دکھائی دینے پر بھارتی میڈیا نے دہائی دینا شروع کردی ہے۔دراصل یہ سارا ڈرامہ ہریانہ گجرات کے الیکشن جیتنے کیلئے شروع کیا گیا تھا جہاں مودی سرکار اپنے جزوی مقاصد میں کامیاب ہوگئی ہے۔ہریانہ کی ۹۰ نشستوں والی اسمبلی میں ۷۰ سیٹیں جیت کر بی جے پی نے واضح اکثریت حاصل کرلی ہے جبکہ مہاراشٹر کی ۲۸۸ رکنی اسمبلی میں اسے ۱۲۲ نشستیں ملیں اور وہ حکومت سازی کے لیے مطلوبہ ۱۴۵ سیٹیں حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ دستیاب اطلاع کے مطابق بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی جانب سے تین ماہ سے ہوم ورک کے بعد لائن آف کنٹرول پر منی جنگ کی صورتحال پیدا کرنے کے دو مقاصد بیان کئے جاتے تھے۔اوّل یہ کہ ایک مختصر سی جنگ کے بعد ایل او سی کو مستقل سرحد قرار دیکر آئین سے آرٹیکل ۳۷۰ ختم کردیا جائے،اس مقصد کیلئے مودی کو امریکی حمائت بھی حاصل تھی کیونکہ ۲۰۰۹ء سے مقبوضہ کشمیر کا ایک ہی حل پیش کیا جاتا رہا ہے کہ ایل او سی کو سرحد مان لیا جائے،دوسرا مقصد ہریانہ گجرات اور دیگر ریاستوں کے الیکشن میں اینٹی پاکستان ووٹ بینک سے استفادہ کرنا تھا۔بتایا جاتا ہے کہ جنگ کے اس سارے منظرنامے کی تخلیق میں پاکستان کے اندر دہشتگردی کی وارداتوں کا اعتراف کرنے والے سابق آرمی چیف جنرل جے جے سنگھ،بی جے پی رہنماء سبرامنیم سوامی اور موجودہ وزیر دفاع پر مشتمل ٹرائیکا شامل تھی۔

بھارتی آرمی چیف دلبر سنگھ بھی فتح کا خیالی تمغہ سجانے کی خواہش میں بیتاب،زمینی حقائق سے نظریں چرا کر جنگ کیلئے پرجوش دکھائی دیئے۔ ملکی سلامتی کے اداروں کو دستیاب اطلاعات کے مطابق بھارتی سورما ایک ہی نکتے کو اپنی فتح کا مرکز بنائے ہوئے تھے کہ پاکستانی افواج وزیرستان میں الجھی ہوئی ہے،اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور سبرامنیم ڈاکٹرائن یہ تھا کہ ایل او سی کو گرم کرکے بلوچستان کے علیحدگی پسندوں کو باقاعدہ "اون" کرنے کا اعلان کردیا جائے تو پاکستان کو سبق سکھایا جاسکے گا مگر دستیاب اطلاعات کے مطابق بھارتیوں کے اپنے ہوش اس وقت ٹھکانے آگئے جب انہوں نے ایل او سی پر فائرنگ شروع کی تو جواب میں پاکستان کی جانب سے معمول سے مختلف اور مہلک ہتھیاروں کا سامنا کرنا پڑا،جن کی ریخ بھی زیادہ تھی لہٰذا وائرلیس پر بھارتی کمانڈر دہائی دیتے پائے گئے کہ پاکستان نے ایل او سی پر ہتھیاروں کا "کیلی بر" بدل لیا ہے۔

اطلاعات کے مطابق بھارتیوں کو بہت جلد سمجھ آگئی تھی کہ ان کا منصوبہ لیک ہوچکا ہے اور پاکستان ہر پوسٹ پر ان کا منہ توڑ استقبال کرنے کیلئے پہلے

ہی تیار ہے۔ پاکستان نے بھارتی جارحیت کے جواب میں بدلے ہوئے "کیلی بر" کے ساتھ دور تک محفوظ سمجھی جانے والی بھارتی چوکیوں کو بھی نشانہ بنایا۔ اسی پر بھارتی وزیر دفاع کو آفیشل قسم کی پریس کانفرنس کرنا پڑی ۔ اسلام آباد میں دستیاب اطلاع کے مطابق دوسری بڑی ناکامی بلوچستان میں سامنے آئی جہاں نوٹوں اور اسلحہ کے ڈھیر کے باوجود بی ایل ایف کے سوا کوئی بھی ہاتھ بھارتیوں کا ساتھ دینے کو دستیاب نہیں اور بی ایل ایف بھی ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف ہے جس کی وجہ سے اس کے کافی لوگ یا تو مارے جا چکے ہیں یا پھر تائب ہو کر چھپتے پھر رہے ہیں۔

بھارتی میڈیا اور قومی سلامتی کے اداروں کی رپورٹس کا دعویٰ ہے کہ مودی کو کارپوریٹ سیکٹر نے امریکی سرمایہ کاری کی امید پر فنانس کیا تھا مگر مودی کی شر پسند سرشت کے سبب ایل او سی پر بدامنی اور اندرون ملک بھی نقص امن کے خطرے نے کارپوریٹ سیکٹر کے خواب مٹی میں ملا دیئے ہیں۔ انہوں نے ریاستی انتخابات میں فنڈز کی ترسیل روک دی ہے جس کے سبب بی جے پی کو انتخابی مہم میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ادھر بھارتی جارحیت کے نتیجے میں اندرونی نقصانات سمیت نئی دہلی سے مقبوضہ کشمیر سے آنے والی انٹیلی جنس رپورٹس نے بھی کھلبلی مچا دی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں متحدہ جہاد کونسل کی جانب سے سیلاب کے سبب کاروائیاں روکنے کے باوجود مختلف جہادی گروپس اپنی سرگرمیاں شروع کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ دستیاب اطلاعات کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں حزب المجاہدین، حرکتہ المجاہدین اور لشکر طیبہ کے مقامی کشمیری گروپوں کی نقل و حرکت نے بھارتیوں کی نیندیں اڑا دی ہیں۔ صورتحال کو دیکھتے ہوئے بھارتی میڈیا نے بے پر کی اڑانا شروع کر دی ہیں۔ بھارتی اخبار "دکن کرونیکل" نے اپنی سٹوری میں لکھا ہے کہ آزاد کشمیر میں ۲۰ کیمپ شروع ہو چکے ہیں اور ۲۵ لانچنگ پیڈز کے ذریعے سردی سے قبل ۲۰ ہزار مجاہدین بھارت میں داخل ہونے کو تیار ہیں۔ ۱۳/اکتوبر کی اشاعت میں اخبار کا دعویٰ ہے کہ پیر پنجال سیکٹر سے ۴۵۰ مجاہدین داخل ہو بھی چکے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کی مدد اور سابق جنرل مشرف کی منظوری سے لگنے والی برقی رو سے لیس خاردار تاروں کی دیوار کے سبب کسی جاندار کا بارڈر کراس کرنا ممکن ہی نہیں البتہ مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کاروائیوں کی تیاریاں کر رہے ہیں جن میں مقبوضہ کشمیر کی لشکر طیبہ اور حزب المجاہدین کے ساتھ ساتھ حرکتہ المجاہدین بھی متحرک ہو رہی ہے۔

راجوری کے علاقے میں موجودہ حرکتہ المجاہدین مقبوضہ کشمیر کے ترجمان شہزاد عبداللہ نے کہا ہے کہ سیلاب کے سبب جہاد کونسل نے عسکری کاروائیوں پر پابندی لگا رکھی ہے مگر ایل او سی پر فائرنگ کر کے بھارت نے جواز پیدا کر دیا ہے کہ مجاہدین بھی اپنی پابندی ختم کر دیں۔ مجاہدین نے بھارتی فوج کو سبق سکھانے کی پوری تیاری کر رکھی ہے، جلد ہی منظم حملے شروع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں نہ تو ایل او سی کراس کر کے پاکستان جانے کی ضرورت ہے اور نہ ادھر سے کسی کے آنے یا کمک کی ضرورت ہے، کہ مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی بہت بڑی تعداد پہلے سے موجود ہے۔ تربیت کیلئے بھی مقبوضہ کشمیر میں حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور حرکتہ المجاہدین کا اپنا بندوبست موجود ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اسلحہ اور فنڈ؟ تو ان کا جواب تھا کہ بھارت کے اندر ایسے بے شمار نیٹ ورکس ہیں جو اسلحہ بیچتے ہیں، خود بھارتی فوج ہی اس کام کیلئے کافی ہے پھر آزادی کی جنگ لڑنے کی خاطر مال و دولت کی نہیں، جذبے کی ضرورت ہے جو کشمیریوں کو حاصل ہے۔ ہم نریندر مودی کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ایل او سی پر حملہ کر کے جمود کو توڑ دیا ہے۔ اب ہمیں بھی موقع ملے گا اور یقیناً ہم مودی کو سمجھا دیں گے کہ اب پہلے والا وقت نہیں رہا، ہم نے بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔ اسلحہ سے لیکر حکمت عملی تک دنیا میں عسکریت پسندوں نے جتنے بھی تجربے کئے ہیں، کشمیری مجاہدین نے ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور جلد ہی سب کچھ بھارتی فوج پر کامیابی کے ساتھ آزمایا جائے گا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ تمام جہادی تنظیمیں ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں اور اس مرتبہ جہادی تحریک جموں سے بھی حیران کن اچھی خبریں دے گی انشاءاللہ

بروز بدھ ۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

مزاحمت کی طاقت

مزاحمتی قوت گرتے ہوؤں کو پیروں پر کھڑا کرتی ہے، ڈوبتے ہوؤں کو تیرنے کا حوصلہ دیتی ہے اور ساحل پر لا پٹختی ہے۔ بیمار کو بیماری سے جنگ میں فتح یاب کرتی ہے (اللہ کے حکم سے) بجھتے دیئے کی لو بجھنے سے پہلے تیز ہو جاتی ہے، کیوں؟ شاید دیا دیر تک جلنا چاہتا ہے۔ یہ اس کی مزاحمت ہے ۔اندھیروں کے خلاف کبھی کوئی مسافر کسی جنگل میں درندوں کے درمیان گھر جائے تو تنہا ہی مقابلہ کرتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا ۔ایک ناتواں مریض جو بستر سے اٹھ کر پانی نہیں پی سکتا ناگہانی آفت کی صورت میں چھلانگ لگا کر بستر سے نیچے کود سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مریض میں وہ مزاحمتی قوت موجود تھی جس کا اس کو خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ خطرے کے احساس نے اس قوت کو بیدار کر دیا۔

یہی وہ قوت ہے جو کمزوروں کو طاقتور سے ٹکرا دیتی ہے، کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگرہ پیدا ہو جاتا ہے، چیونٹی ہاتھی کے مقابلے میں اتر آتی ہے، مظلوم کی آنکھیں قہر برساتی اور سلگتے انگارے شعلہ جوالہ بن جاتے ہیں لیکن تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دنیاوی کامیابی کے حصول کیلئے مزاحمت کمزور پڑ کر سرد ہو جاتی ہے لیکن اگر مزاحمت کے ساتھ "ایمان باللہ" شامل ہو جائے تو مزاحمت کبھی سرد نہیں پڑتی، راکھ میں کوئی نہ کوئی چنگاری سلگتی رہتی ہے جہاں مزاحمتی قوت بیدار ہو تو یہ چنگاری بھڑک اٹھتی ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ یہ مزاحمتی قوت اس وقت بیدار ہو جب خطرہ حقیقت بن کر سامنے آجائے، جب سر پر لٹکتی تلوار کی نوک شہ رگ کو چھونے لگے، جب سرحدوں پر کھڑے مہیب اور دیو ہیکل ٹینکوں اور طیاروں کی گڑگڑاہٹ سڑکوں اور چھتوں پر سنائی دینے لگے۔ جب ڈیزی کٹر، کروز اور ٹام ہاک بم بارش کے قطروں کی طرح برسنے لگیں۔ جب بہت کچھ "گنوا کر" کچھ بچانے کیلئے ہم مزاحمت پر اتر آئیں گے؟

پاکستانی قوم سے خطرہ در حقیقت "دو چار لب بام" ہی رہ گیا ہے اور ہم ہیں کہ ذہنی پسپائی کی راہ پر سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں۔ جب کوئی قوم لڑے بغیر ہی شکست تسلیم کر لیتی ہے تو یہ جسمانی نہیں ذہنی پسپائی ہوتی ہے۔ ایسی قوم کو جسمانی طور پر زیر کرنے کیلئے دشمن کو زیادہ مشکل نہیں اٹھانی پڑتی۔ ہلاکو خان کی فوجیں کھوپڑیوں کے مینار یوں ہی نہیں تعمیر کر لیا کرتی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی نے جب "ملت اسلامیہ" کا نام لیا تو ایک غدار فوجی افسر طنزیہ مسکرا اٹھا، کون سی ملت اسلامیہ؟ یہ ذہنی پسپائی کی سب سے گری ہوئی شکل تھی کہ ایک دیو ہیکل انسان اپنے ہی وجود سے انکاری تھا لیکن صلاح الدین ایوبی نے مزاحمت کی قوت کے ساتھ ایمان کو جمع کر کے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے بعد بیت المقدس ناپاک ہاتھوں سے چھین لیا۔

اگر آج ہم مصیبت میں گرفتار ہیں تو ہمارا دشمن ہم سے بڑھ کر مصیبت مول لے چکا ہے۔ حال ہی میں اس نے ایک سازش کے تحت آبی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیلابی ریلے کو ارضِ پاکستان کی طرف دھکیل دیا مگر اپنے جرائم کی سنگینی سے توجہ ہٹانے کیلئے مکاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بغل میں چھپائے خنجر کو دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کیلئے پاکستان کو مدد فراہم کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا لیکن وہ شائد یہ بھول رہا ہے کہ ایک یقینی شکست کے امکان کے باوجود محض دنیا پر ظاہری غلبے کی خواہش نے اسے ایک ایسی دلدل میں اتار دیا ہے جہاں اگلا قدم اس کی ظاہری شان و شوکت اور مصنوعی ہیبت کا جنازہ نکال کر رکھ دے گا۔

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم جو گھروں میں بیٹھے ہیبت زدہ ہیں وہ سارے لاؤ لشکر کو چڑھا لانے کے باوجود ہم سے زیادہ خوفزدہ ہے۔ اس کی چڑھائی میں شیر جیسی بے جگری نہیں بلکہ لومڑی جیسی عیاری ہے۔ ہمیں دیوار سے لگ کر کانپنے کی ضرورت نہیں، پس آج ہمیں اپنی مزاحمتی قوت کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد "ایمان" ہے اور اس قوت کو مضبوط کرنے والی قوت "اللہ کی نصرت" ہے۔ جب مومن اپنا سب کچھ لگا دیتا ہے تو

مزاحمت میں اللہ کی نصرت نازل ہو کر اس کو کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے۔

تاریخ اسلام کے صفحات پر ایسی روشن مثالیں ان گنت تعداد میں جگمگا رہی ہیں جب نہتے مسلمانوں کی مزاحمت نے وقت کے فرعونوں کو زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ آج بھی دنیا بھر میں مزاحمتی تحریکیں پوری شان سے جاری ہیں۔ پتھر نے ٹینک سے شکست نہیں کھائی، معمولی ہتھیاروں سے جدید ٹیکنالوجی کا مقابلہ جاری ہے۔ جتنا ظلم بڑھتا جا رہا ہے اتنی ہی شدت سے مزاحمت بڑھتی جا رہی ہے۔

لیکن کیا مزاحمت کی صرف ایک ہی صورت ہے؟ جب کوئی جابر وقت اپنے لشکروں کے زعم میں کسی قوم پر چڑھ دوڑتا ہے تو ہر ہاتھ ہتھیار اٹھا لیتا ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ ایسے وقت میں اس کے بغیر مزاحمت کی کوئی اور صورت نہیں ہوتی لیکن اس سے بھی پہلا مرحلہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے اور ہمیں ایمان کی یاد رکھنا ہو گا کہ مزاحمت "ایمان" کے بغیر کچھ نہیں۔ لہٰذا ایسا کڑا وقت آنے سے پہلے "ایمان" کو بچانا اور قائم رکھنا اشد ضروری ہے۔

کمزوری ہی ذہنی غلامی اور پسپائی کی طرف لیجاتی ہے لہٰذا ہر اس وار کی مزاحمت ضروری ہے جس کا نشانہ آج ایمان بن رہا ہے۔ ہماری نظریات و افکار، ہمارا طرز زندگی، ہماری تعلیم، ہماری معیشت، ہمارا میڈیا یہ سب وہ میدان ہائے کارزار ہیں جو ہماری مزاحمتی قوت کے شدت سے منتظر ہیں۔ یہ ڈوب رہے ہیں، ان کو ساحل پر کھینچ لانے کیلئے بھرپور توانائیوں کی ضرورت ہے۔ آج وہ خطرناک مرحلہ آ چکا ہے جب نحیف و نزار مریض زندگی کی ڈور سلامت رکھنے کیلئے اس پوشیدہ قوت پر انحصار کرتا ہے جو اس کے جسم میں بجلی کی سی طاقت بھر دیتی ہے۔

گونگے، بہرے اور اندھے بھی اس نازک دور کی شدت سے کچھ کر گزرنے کو تیار ہو جائیں تو جن کو اللہ نے تمام تر توانائیوں سے نواز رکھا ہے ان کو اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے سے کس نے روک رکھا ہے؟

مسلمانان پاکستان نے اگر آج اپنی اس طاقت کے اس راز کو پا لیا جس کا نام ایمان ہے اور اس کو پختہ کر لیا تو یہ وہ مورچہ ہے جس میں پناہ لینے والوں کیلئے دائمی فتح کی خوشخبریاں ہیں۔ ایمان کی آبیاری وقت کی اولین ضرورت ہے اور وقت سر پر کھڑا ہے۔ مزاحمت ایمانی قوت سے مشروط ہے، اس کو کھو دیا تو سب کچھ چھن جائے گا۔

پیڑ اسی احساس سے مرتے جاتے ہیں

سارے پرندے ہجرت کرتے جاتے ہیں

بروز جمعۃ المبارک ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۷ نومبر ۲۰۱۴ء

یہ غسلِ خون بھی رائیگاں نہ چلا جائے

اسے پہلے بھی اپنے ہی خون میں نہلایا گیا تھا تب بغداد واقعی عروس البلاد تھا۔ مشہور مورخ فلپ کے ہٹی تاریخِ عرب میں لکھتا ہے کہ جب ہلاکو خان اسماعیلی حشیشین جو حسن بن صباح کے پیروکار تھے کی سرکوبی کیلئے قلعہ الموت کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس نے خلیفہ جو حسن بن صباح کے پیروکار تھے کی سرکوبی کیلئے قلعہ الموت کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس نے خلیفہ المستعصم (۱۲۴۲ء۔۱۲۵۸ء) کو اس مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ خلیفہ نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ہلاکو نے نہ صرف قلعہ الموت فتح کر لیا تھا بلکہ جس بستی نے بھی مزاحمت کی اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ ستمبر ۱۲۵۷ء میں وہ شاہراہ خراساں پر بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا، اب اس نے خلیفہ کو الٹی میٹم بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈال دے، اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر دے اور شہر کی بیرونی فصیل گرا دے۔ تسلی بخش جواب نہ پا کر منگولوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

جنوری ۱۲۵۸ء میں حملہ آور فوج کی منجنیقیں بغداد کی فصیل پر گولہ باری کر رہی تھیں، جلد ہی ایک مینار ٹوٹ چکا تھا اور فصیل ٹوٹ گئی تھی۔ حملہ آور شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ اب ہلاکو خان کو "شہر امن" میں خلل نہ ڈالنے کا صائب مشورہ دیا گیا۔ اسے بتایا گیا کہ "اگر خلیفہ مارا گیا تو ساری کائنات درگوں ہو جائے گی، سورج اپنا چہرہ چھپا لے گا، بادل برسنا چھوڑ دیں گے اور سبزہ اگنا بند ہو جائے گا۔" ہلاکو خان نے ان خدشات پر ذرہ بھر دھیان نہیں دیا۔ دس فروری تک منگول بغداد پر قابض ہو چکے تھے۔ خلیفہ اپنے تین ہزار درباریوں کے ہمراہ غیر مشروط طور پر فاتح کے حضور پیش ہوا۔ دس دنوں میں وہ سب تہہ تیغ ہو چکے تھے۔ شہر لوٹ مار کی نذر ہوا پھر اسے آگ لگا دی گئی۔ نصف سے زیادہ آبادی قتل ہوئی، لاشوں کی سڑاند اور بدبو اتنی تیز تھی کہ ہلاکو خان کو چند روز کیلئے بغداد سے باہر جا کر رہنا پڑا۔

سیّد امیر علی نے ابن خلدون کے حوالے سے لکھا ہے کہ چھ ہفتوں پر محیط قتل و غارت میں سولہ لاکھ انسان رزقِ خاک ہو گئے۔ خدا معلوم تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے یا نہیں، بعض واقعات تو گزرے ہوئے سانحات کا عکس نظر آتے ہیں۔ موجودہ بغداد کا حشر دیکھئے، ہلاکو خان دور دراز سے وارد ہوا تھا، اسے بغداد سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تاخت و تاراج، لوٹ مار اور ہوس گیری ہی چڑھائی کے اسباب تھے۔ اکیسویں صدی کا ہلاکو خان سات سمندر سے تشریف لایا ہے۔ اس نے صرف بغداد اور کابل کو تاراج نہیں کیا بلکہ اسلام آباد میں بھی ڈیرے ڈال لئے۔ بغداد اور کابل والوں کے میزائل کیا آہیں بھی وہاں نہیں پہنچ سکتیں تھیں مگر پھر بھی گرجتا برستا چلا آیا۔ ویسا ہی الٹی میٹم دیا۔ صدام نے بھی حاکمِ وقت خلیفہ المستعصم کی طرح لیت و لعل سے کام لیا۔ ہو سکتا ہے میدانِ کربلا میں برپا ہونے والے معرکہ حق و باطل کا منظر بھی اس کے پیشِ نظر رہا ہو، خلیفہ کو زندگی سے پیار تھا، کسے نہیں ہوتا، زندگی کا تو تقاضہ ہی جیئے جانا ہے مگر شرفِ انسانی کا اپنا معیار ہے۔ اس کی میزان میں شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو ٹیپو سلطان شہید کا نام کب سے مٹ چکا ہو۔ وہ نہ صرف آج بھی تاریخ کی کتابوں میں زندہ اور کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں بس رہا ہے بلکہ ان کی قبر بھی زندۂ جاوید ہے۔ حضرت سلطان باہو نے فلاح اور کامیابی کی پہچان ہی یہ بتائی ہے کہ ہاتھ انہیں کے کچھ لگا "قبر جنہاں دی زندہ ہو" سرنگاپٹم کے قریب چھوٹی سی ندی کے کنارے واقع مزار شہید پر جنہیں حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ شہید نے طوقِ غلامی کے عوض طوالتِ عمر کا سودا نہ کرتے ہوئے صحیح فیصلہ کیا تھا۔

یہ سنہری روایت بھی کتنی شاندار تھی۔ نواسۂ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اور اپنے خانوادۂ کے خونِ مطہر سے قرطاسِ عالم پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جان جاتی ہے تو جائے ، مومن کا ہاتھ "یزید کے ہاتھ" میں نہیں جائے گا۔ سچ ہی تو ہے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ کربلا کیا ہے، یہ فیصلے کی وہ

گھڑی ہے جو غیور انسانوں سے اپنی جان اور اس سے بھی عزیز تر متاع کی قربانی مانگتی ہے تاکہ سب کچھ دینے والے کا حق ادا ہو سکے۔ فنا ہو جانا بچوں کا کھیل نہیں، زندگی دوام چاہتی ہے۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ ہزاروں سال جیئے اور ہر سال کے دن ہوں پچاس ہزار۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح سرنگاپٹم کے قلعے میں محصور ٹیپو سلطان نے بھی یہی چاہا ہو گا۔ اس کی عمر ہی کیا تھی! اس وقت ۴۸ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن 'جوانی بھی نہیں ڈھلی تھی، بہار جوبن پر تھی۔ ہنگامِ سفر ٹل بھی سکتا تھا۔ جنرل ہارس نے ۲۲ اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم پر گولہ باری شروع کرنے سے پہلے مصالحت کی پیشکش کی تھی، شرائط البتہ کڑی تھیں۔ سلطان سے کہا گیا تھا کہ "آدھی سلطنت چھوڑ دو' دو کروڑ تاوان ادا کرو، چار بیٹے اور چار جرنیل یرغمال دو۔" جواب چوبیس گھنٹے کے اندر مانگا گیا تھا۔ طاقت کے نشے میں چور حملہ آور ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار آتے ہیں جو شکار کو چند سانسوں کی مہلت دینا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ تہذیب و تمدن نے لاکھ ترقی کی ہو مگر نہ طاقت کے نشہ میں کوئی کمی آئی ہے اور نہ اس کے طور طریقے بدلے ہیں۔

سلطان کی غیرت نے گردن جھکا دینے کی اجازت نہ دی، مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انگریز چومکھی لڑتا تھا، جنگ میں سب کچھ روا تھا۔ دشمن کے عمائدین پر ڈورے ڈالنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ بشری کمزوریوں کا جائزہ لینے کے بعد وہ طے کرتا کہ کس کس پنچھی پر جال پھینکا جائے۔ ان کی چالیں بالکل اسی طرح کامیاب رہتیں جس طرح آج کے دور میں امریکہ بہادر کی بڑے لوگوں کو خرید لینے کی مہم کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ ۴ مئی کی صبح کو بھی یہی ہوا، "پورنیا" دشمن کے پاس بک گیا تھا۔ انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو گئی تھی۔ سلطان دوپہر کے کھانے کیلئے ابھی بیٹھا ہی تھا، کہتے ہیں پہلا لقمہ اٹھایا تھا کہ دشمن کے قلعے میں داخل ہونے کی اطلاع ملی۔ ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں"۔ اٹھے اور چند جانبازوں کے ہمراہ حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ طاقت کے غیر معمولی عدمِ توازن سے کیسے نپٹا جا سکتا ہے۔ دفاع کرتے کرتے جامِ شہادت نوش کیا۔ **اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔**

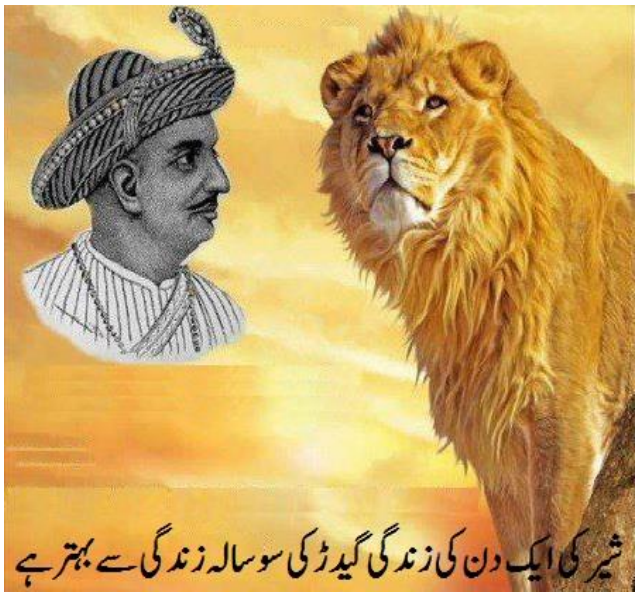

بے پناہ ننگی جارحیت ایک ایسا سیلابِ بلا ہے جس کا دھارا رکے نہیں رکتا جب تک اس کے مدمقابل اس سے بڑی طاقت خم ٹھونک کر کھڑی نہ ہو جائے۔ مستقبل قریب میں ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جن میں دم خم ہے وہ اپنی اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ تیسری دنیا بیچاری تو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہے جس پر مغربی استعمار نے چند "گڈریئے" مقرر کر رکھے ہیں جن میں سے کئی ایک رکھوالوں کے روپ میں بھیڑیئے ہیں۔ ریوڑ میں سے جو بھیڑ بکری ذرا سا بھی سر اٹھائے اس کی وہ درگت بنتی ہے یہ آنے والی نسلوں کیلئے بھی نشانِ عبرت بن جاتی ہے۔ یہی الزام پہلے افغانستان پر تھا پھر عراق اس الزام میں دھر لیا گیا اور درپردہ ابھی تک پاکستان پر اپنے خوں آشام دانت گاڑنے کے منصوبے جاری و ساری ہیں۔ کہنے کو تو فاتحین کرام ببانگِ دہل یہ ارشاد فرما کر افغانستان میں داخل ہوئے تھے کہ عالمی امن کو ان دہشت گردوں سے خطرہ ہے اور عراق میں داخل ہوتے وقت یہ نعرہ لگایا تھا کہ وہ محکوم و مجبور اہلِ عراق کو آزادی کا تحفہ عطا کرنے آئے ہیں، حکومت بدلتے ہی وہ آزاد شہری ہونگے، ان کی اپنی حکومت ہو گی، وہ عراق کی دولت کے خود مالک ہونگے، اپنی تقدیر خود بنا سکیں گے، اپنے بچوں کا مستقبل خود سنوار سکیں گے اور جبکہ پاکستان کو اس بات سے ڈرایا گیا کہ یہ دہشت گرد کہیں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کر کے ساری دنیا کا امن نہ تباہ کر دیں۔ ہم جہاں پاکستان کو اس خطرے سے نکلنے میں مدد کریں گے وہاں پاکستان کے غریب عوام کی تقدیر بدلنے میں بھی ان کی مدد کریں گے۔ آہ! کتنے شیریں ہیں تیرے لب؟ پھول ہی پھول جھڑتے ہیں ان سے!

تاریخ کی گواہی البتہ ایسے خوشنما وعدوں پر اعتبار کر لینے میں مانع ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد فاتح انگریز جرنیل نے بھی بغداد میں مژدہ سنایا تھا کہ وہ عراق پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ فقط اس پر موقوف نہیں ہے، جس فاتح نے بھی وہاں قدم رنجہ فرمایا اس نے وہیں اپنے خونی پنجے گاڑ دیئے۔ کون جابر اپنی مرضی سے کبھی مفتوحہ علاقوں سے گیا ہے؟ ہاں، حالات اور مقامی آبادی کا جذبۂ حریت انہیں تشریف لیجانے پر مجبور کر دے تو اور بات ہے؟

بڑی پریشانی کا دور ہے، بے گناہوں کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کہ وہ اپنے وطنِ عزیز کا دفاع نہ کریں۔ الجھن ہی الجھن ہے، بیکس انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کیا کرے؟ کدھر جائے؟ حالیہ انتخابات میں مشمول بلوچستان کروڑوں لوگ سڑکوں پر امڈ آئے اور اپنی اس ناکامی کے بعد اب ان مٹھی بھر ملت فروش اور عیار دشمن کے مسلط کردہ ایجنٹوں کو ایک نئے ایجنڈے کے ساتھ سرگرم کر دیا گیا ہے۔ حافظ شیرازی کا بھی ایسے ہی حالات میں دل دکھا ہوگا۔ وہ لسان الغیب بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" (اپنی سلطنت کے راز بادشاہ ہی جانتے ہیں) اس لئے کسی "گدائے گوشہ نشیں" (جھگی والے فقیر) کو شور و غوغا نہیں کرنا چاہئے لیکن ہم کب تک جھگی والے فقیر بنے بیٹھے رہیں گے۔ بیداری کا احساس جن مربی دوستوں کو ہے وہ تو برملا ان سانپوں کا سر کچلنے کا مشورہ دے رہے ہیں بہر حال اشرافیہ اگر اب بھی نہیں سمجھتی تو جان لے کہ ''تیری بربادی کے مشورے ہیں آسمانوں میں''۔

اب تو یہ بھی طشت از بام ہو چکا ہے کہ را، سی آئی اے اور موساد نے کس تیزی کے ساتھ عراق اور افغانستان کے بعد بالخصوص بلوچستان میں عراق اور افغانستان سے کہیں زیادہ سرمایہ کاری کر کے کن خطرناک ارادوں سے اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کیلئے خونی پنجے گاڑنے کی ازحد کوشش کی تھی اور بعض اوقات تو یوں لگ رہا تھا کہ اس بار جو میدانِ جنگ سجنے جا رہا ہے اس میں ان بے سروسامان پاکستانیوں کو شائد خود ہی اس سیلاب کے سامنے بند باندھنا پڑے، انہیں خود ہی ان بن بلائے مہمانوں کو دربدر کرنا پڑے اور فلوجہ، نجف، بغداد اور کابل' قندھار اور غزنی کے عوام کی طرح لڑنا ہمارا مقدر ٹھہرے گا۔ بلوچستان میں دہشتگردی کی لہر نے جہاں وطن دشمن طاقتوں کے عزائم کا پول کھول دیا وہاں ان کی ناکامی بھی نوشتۂ دیوار پر لکھی جا چکی ہے لیکن اس کے باوجود اب ضروری ہو گیا ہے کہ اس سے پہلے کہ شکاری اپنی مچان بنانے میں پوری طرح کامیاب ہو جائے، اسے پوری قوت کے ساتھ اس دھرتی سے دربدر کرنا ہوگا ورنہ پھر کسے علم اس کے نشانے کی زد پر کس کا گھر ہو، کس کا بیٹا ہو، باپ، ماں یا بہن ہو۔ ماتم کرنے سے پہلے سیلاب کو روکنا بہت ضروری ہے وگرنہ وہی سحر جو خونِ صد ہزار انجم سے پیدا ہوتی ہے، ڈر ہے کہیں یہ غسلِ خون بھی رائیگاں نہ چلا جائے!!!

بروز اتوار ۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۹ نومبر ۲۰۱۴ء

اب راج کرے گی خلق خدا

بہت دکھ جھیلے ہم نے، بہت درد سہے ہم نے... خون ہی خون اور آگ کا کھیل، بارود کی بو، شعلہ اگلتی، انسانی خون چاٹتی بے حس بندوقیں... آٹا دستیاب نہ خوردنی تیل..... پٹرول چلئے رہنے دیجئے... بھوک کے ستائے ہوئے معصوم انسانوں کی خودکشیاں، بیروزگار نوجوانوں کے مدقوق چہرے، گھروں میں جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بوڑھی ہو جانے والی لڑکیاں، سرمایہ داروں کی چکی میں پستا ہوا مزدور، سڑکوں پر کھلے عام لوٹ مار، اغوا برائے تاوان کی وارداتیں، معصوم بچیوں کی اجتماعی آبروریزی، پھول جیسے معصوم بچوں کو اپنی بھوک کی بھینٹ چڑھانے والے درندے، آئین کا قتل، قانون وانصاف کا قتل، انسانیت کا قتل۔

بھتہ خوروں، قاتلوں، دہشت گردوں کا راج... پورے سماج کو یرغمال بنانے والے سفاکوں کا ٹولہ... خاک ہی خاک، خون ہی خون... زباں بندی کا فرمان، بے آسرا بندگان خدا اور ان کا خون چوسنے والی جونکیں، جو دن بدن فربہ ہوتی رہتی ہیں۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں زندگی وموت کا رقص بسمل، سسکیاں، ہچکیاں، چیخیں، ماتم، گریہ اور شام غریباں۔ ہر آنے والا نئے ساز پر نیا راگ الاپتا ہے۔ ہم دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں اور پھر وہی دھتکار، مایوسی اور شکستگی، ابلیس کھڑا مسکراتا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی چھوٹی سی بھی خبر... خوشی کی خبر، مسرت کا لمحہ سامنے آئے تو جی بے اختیار کھل اٹھتا ہے۔ ہاتھ فضا میں بلند ہوتے ہیں اور بے خودی میں رقص کرنے لگتا ہے۔ بندہ بشیر۔

اشتہارات کی دنیا بھی کیا خوب ہے۔ پرفریب اور سہانی۔ کچھ دیر تک ہم بے خود سے ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہوتا بھی ہے؟ میرا گریہ، ماتم تو جاری رہتا ہے۔ چلئے کچھ دیر ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ بہت پرامید اور خوش کن الفاظ سے مزین ہے یہ اشتہار۔

''اب راج کرے گی خلق خدا... اور جو کچھ ہو گا، آپ کے مطابق، میرے مطابق اور خلق خدا کے مطابق''۔

اچھا! تو آگیا ہے وہ سہانا وقت... اب دل کی ویرانی شگفتگی میں بدلے گی، خواب تعبیر پائیں گے، دل مردہ پھر سے جی اٹھے گا۔ مسرت رقص کناں ہو گی، نسیم صبح مژدۂ جاں فزا ہو گی، قہقہے گونجیں گے، خوشحالی کے پھول کھلیں گے، کلیاں چٹکیں گی، دکھ ختم ہو جائیں گے، درد دور ہو جائے گا، ہر بشر امان پائے گا، دل کی مراد بر آئے گی، نغمۂ دل ربا سماعتوں میں رس گھولے گا، چین وآرام سکون ہی سکون۔ ہاں ایسا ہو گا؟ واقعی خلق خدا راج کرے گی؟

اگر یہ لفظوں کی حد تک ہے تو پھر ہم عادی ہیں۔ سنتے رہتے ہیں اور لگتا یونہی ہے کہ بس کچھ دیر کیلئے بھولنے کی کوشش ایام تلخ کو جیسے تھیٹر میں ڈراما، سینما میں فلم، ہم کچھ دیر کیلئے کھو جاتے ہیں، اس میں حقیقت کہاں بدلتی ہے۔ سینما کے یخ بستہ ہال سے باہر نکلتے ہی سماجی رسم ورواج کی تپتی دھوپ کے تھپیڑے... حقیقت منہ چڑاتی ہے۔

اشتہار سچ بولتے ہیں؟ ہو سکتا ہے آپ کو مجھ سے اختلاف ہو، ضرور کیجئے یہ آپ کا حق ہے لیکن میرا تجربہ ہے اشتہار صرف

راغب کرنے کا نام ہے۔ دعویٰ لاکھ سہی، حقائق کچھ اور ہیں۔ "جیسے چاہو جیو" جی نہیں سکتے "زندگی ہے مست" کون سی زندگی "ناچو گاؤ جھومو" کیسے "ہم آپ کے لئے چشم براہ ہیں" کیا واقعی! بس اسی طرح کا فریب... ہر سرمایہ دار مجسم عاجزی بن کر کہتا ہے "ہم نے اپنی مصنوعات میں عوام کا خیال رکھا ہے" کبھی ہوا ہے بھلا ایسا۔

بس اشتہارات کی دنیا۔ راغب کرنے کا دھندا۔ اور اسپانسر کو یہ کہہ کر زیادہ پیسے بٹورنے کا کاروبار "سب سے زیادہ دیکھا جاتا ہے ہمارا یہ پروگرام۔" بس یہی ہے، یہ جو ہمارے گھر میں ایک ڈبے نے جسے ہم ٹی وی کہتے ہیں، ہمیں غلام بنا رکھا ہے۔ جی جناب! آگہی کے لئے سب سے مؤثر ذریعہ۔ بجا ارشاد فرمایا۔ لیکن بس بحث، تسلی، دلاسہ ایک آسرا... بس اور کچھ نہیں... کیا فلاحی ریاست پر بحث کرنے سے بنتی ہے فلاحی ریاست؟ کیا صرف یہ کہہ دینے سے کہ "اب راج کرے گی خلق خدا" واقعی راج کرنے لگتی ہے خلق خدا؟ یہ تو ہم گزشتہ ۶۷ برسوں سے سن رہے ہیں۔ اقبال بانو نے بہت خوبصورت گایا ہے۔ کب بدلی تقدیر، ایک آیا، دوسرا آیا، سب کے سب دعوے دار اور پھر وہی ٹائیں ٹائیں فش۔

یہ بحث مباحثے کسی بھوکے کا پیٹ بھرتے ہیں؟ کسی برہنہ کا تن ڈھانپتے ہیں؟ بتایئے ناں آپ بس سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرتی رہتی ہیں۔ بھوکے خودکشیاں کرتے رہتے ہیں اور ٹی وی کا پیٹ مرتے مرتے بھی بھر جاتے ہیں ایک نئی خبر، پھر ایک نئی بحث۔ کوٹ رادھا کشن میں ایک ہجوم نے ایک اقلیتی جوڑے پر پہلے خوب جی بھر کر تشدد کیا، ان کو ادھ موا کرنے کے بعد اسلام دوستی کی دہکتی محبت میں سرشار دس آدمیوں نے ان کو گھسیٹ کر بھٹہ کے دہکتے الاؤ میں پھینک دیا۔ ان پر الزام یہ لگایا گیا کہ انہوں نے مقدس اوراق کی توہین کی۔ ایسی محبت کی دلدوز اور سفاک خبریں تو پہلے بھی رونما ہو چکی ہیں لیکن کسی کو ان بہیمانہ سلوک کے تدارک کیلئے جرأت ہی نہیں ہوئی۔ قارئین کی یاددہانی کیلئے عرض کر دوں کہ ۱۹۹۶ء میں ہائی کورٹ کے جج نے عدم ثبوت کی بنیاد پر توہین اسلام کے جرم میں کسی کو رہا کیا تو اس کی پاداش میں جج کو مار دیا گیا، جس جج نے سلمان تاثیر کے مقدمے میں ممتاز قادری کو سزا دی، اس کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

قانون تو بنا دیا گیا لیکن اس کی آڑ میں معاشرہ کی اس تنگ نظری کو کیسے دور کیا جائے، خدارا کوئی اس کا بھی علاج تجویز ہونا چاہئے! ریاست اس معاملے میں بالکل غائب بیٹھی اپنے دوسرے معاملات میں الجھی ہوئی ہے۔ عوام کو فی الحال معاشی پالیسیوں پر بھرپور توجہ کا لالی پوپ دیکر خوش کیا جا رہا ہے۔ خارجہ پالیسی بھی فریزر میں آرام کر رہی ہے، عزیز و اقارب بھی بہتی گنگا میں تیراکی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ کچھ دیر کی فلم ہے، مزے اڑایئے۔ چلئے اچھا ہے، کچھ لوگوں کا تو پیٹ بھرتا ہے ناں، ان کے اثر و رسوخ میں تو اضافہ ہوتا ہے ناں۔ وہ تو ہیرو بنتے ہیں ناں۔ چلئے کسی کا تو بھلا ہو۔ کر بھلا تو ہو بھلا۔

"اب راج کرے گی خلق خدا"

کب ہوش میں آئیں گے ہم، آخر کب۔ چلئے بہت... کر لی میں نے۔ لگے رہو بھائی..... کچھ بھی تو نہیں رہے گا، بس نام رہے گا اللہ کا۔

یہ دیکھئے آدھی رات گزر گئی ہے۔ اس وقت ہم سب کے برادر بزرگ خواجہ رضی حیدر کہاں سے آ گئے۔

سوال کرتے ہیں شاخوں سے کشتگانِ خزاں — کبھی بہار بھی آتی ہے درمیانِ خزاں

بس ایک ہجر سے آمیز ہو گیا ہے وصال — یہاں تو موسم گل بھی ہے داستانِ خزاں

یہ کیا کہ آنکھ بہاروں کی آرزو سے نہال — یہ کیا کہ روح میں آباد ہے مکانِ خزاں

بروز جمعۃ المبارک ۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۱ نومبر ۲۰۱۴ء

اقبال کی یاد.....رسم یا وسیلہ فکر

اسلام کو علامہ اقبال نے دورِ حاضر میں ایک ایسے ضابطہ حیات کی حیثیت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس میں فکری، علمی اور عملی ہر حیثیت سے ہر دور میں انسان کی ہدائت کی صلاحیت اور توانائی موجود ہے۔انہوں نے اسلام کو ایک زندہ نظامِ حیات کی حیثیت سے پہلے خود از روئے ایمان و علم سمجھا اور پھر اسی فکر کو اپنے فن کے وسیلے سے عام کرنے کی جہدِ مسلسل میں مصروف ہو گئے۔ شعرا کے افکار کے بارے میں عام طور پر ایک تاثر یہ ہوتا ہے کہ ان میں کشش تو ہوتی ہے لیکن زندگی کے حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب و توانائی عطا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ علامہ اقبال نے اس کلئے کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ بہت بڑے شاعر تھے، اسی سطح کے مفکر بھی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کہ انہوں نے اپنے فکر و فن کو کلیتاً اپنے ایمان کی توانائی کے تابع کر لیا تھا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں پاکستان کے قیام کا واقعہ غیر معمولی اہمیت کا واقعہ ہے اور قیامِ پاکستان میں فکرِ اقبال کی توانائی اور قائدِ اعظم کی قیادت کی صداقت اور دیانت نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ بر صغیر کے مسلمانوں کو آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن وہ آزمائشیں ان کیلئے پست ہمتی کا نہیں بلکہ عزمِ تازہ پیدا کرنے کا وسیلہ بنتی چلی گئیں۔ مسلمانوں میں دینی شعور بیدار رکھنے میں علماء، اہل علم و دانش اور سیاسی رہنماؤں سمیت مؤثر اور مثبت کردار سب نے ادا کیا ہے لیکن منزل کا تعین کرنے اور پھر جذبہ ایمان کے تحت وحدت فکر و عمل کے وسیلے سے اسے حاصل کر لینے میں فکرِ اقبال کا بڑا کلیدی کردار ہے۔ اقبال بہت بڑے شاعر اور اسی سطح کے مفکر بھی تھے ۔ان کے خطبات نے خصوصاً خطباتِ مدارس نے ہماری فکری بیداری کی تاریخ میں بہت مؤثر کردار ادا کیا ہے، اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ،،دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے،،۔ اقبال کی قلبی بے قراری کا ان کے فکر و فن میں بھرپور اظہار موجود ہے!

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تاب رازی

ان کی بے چینی محدود نوعیت کی نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے بھرپور مادی ارتقاء کے مراحل طے کرنے والا انسان اس حقیقی روشنی سے محروم ہے جو اسے رازِ حیات سے آشنا کرتی ہے۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
انہی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

دورِ حاضر کے انسان کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار انساں کو حیران بنانے کا طریقہ

ایمانی توانائی نے اقبال کو ساری انسانیت کیلئے فوز و فلاح کا اندازِ فکر عطا کیا تھا لیکن اس کیلئے ایک عملی مثال کی بھی ضرورت تھی اور وہ از روئے ایمان یہ سمجھتے تھے کہ انسانیت کو اسلام کے سوا کہیں اور امن و سلامتی نہیں مل سکتی، اسی لئے دورِ حاضر میں ایک ایسے نظامِ اجتماعی کے قیام کے آرزومند تھے جو بلا مذہب و ملت ساری انسانیت کیلئے امن و سلامتی کا وسیلہ بن جائے اور اس مقصد کیلئے بر صغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد و خود مختار حکومت کے قیام کی آرزو ان کا مقصد بنی کیونکہ انہیں اس حقیقت کا ادراک تھا۔ لیکن اسلام کی وحدت خیر قوت کا بہترین اظہار بر صغیر میں ہوا ہے۔ اقبال کی فکر و

فن کی بنیاد کیونکہ ایمانی توانائی پر تھی اس لئے اس میں بڑا گہرا داخلی ربط پایا جاتا ہے۔ وہ احترامِ آدمیت کے علمبردار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امکانی طور پر ہر انسان کو محض آزاد ہی،، قابلِ تکریم،، پیدا کیا۔ اس اصول کے تحت وحدتِ نسلِ انسانی پر ایمان ضروری ہو جاتا ہے اور مردہ فکر و عمل جو اس وحدت کے برعکس ہیں وہ باطل طاقتوں کے مقاصد کی تکمیل کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

علامہ اقبال محض جذباتی بنیاد پر اسلام سے وابستہ نہیں، وہ وابستگی گہرے علم اور تاریخی شعور کی بنیادوں پر ہے۔ علامہ اقبال نے بالکل درست کہا ہے کہ اسلام مذہب نہیں ہے بلکہ ایک ریاست ہے اور غور کیا جائے تو یہ بنیادی اہمیت کی بات ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والے زندگی کے سارے معاملات کو اپنے مذہبی عقائد سے الگ رکھتے ہیں، یہ ان کی مجبوری ہے۔ ان افکار و اعمال سے جن کو وہ مذہب کی بنیاد سمجھتے ہیں، ان لوگوں کو اس لئے انہوں نے زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے، مذہب الگ اور ریاست زندگی کے معاملات اور مسائل میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی، الگ.....! یہ روش غیر مسلمانوں کیلئے درست ہو سکتی ہے لیکن مسلمانوں کیلئے ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہادیٔ برحق رسول کرم ﷺ نے اسلام کو ایک مکمل ریاستی نظام کی صورت میں عطا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں پیشوائیت نہیں ہے کیونکہ جہاں پیشوائیت ہو گی وہاں سیکولرازم لازمی طور پر آئے گا۔

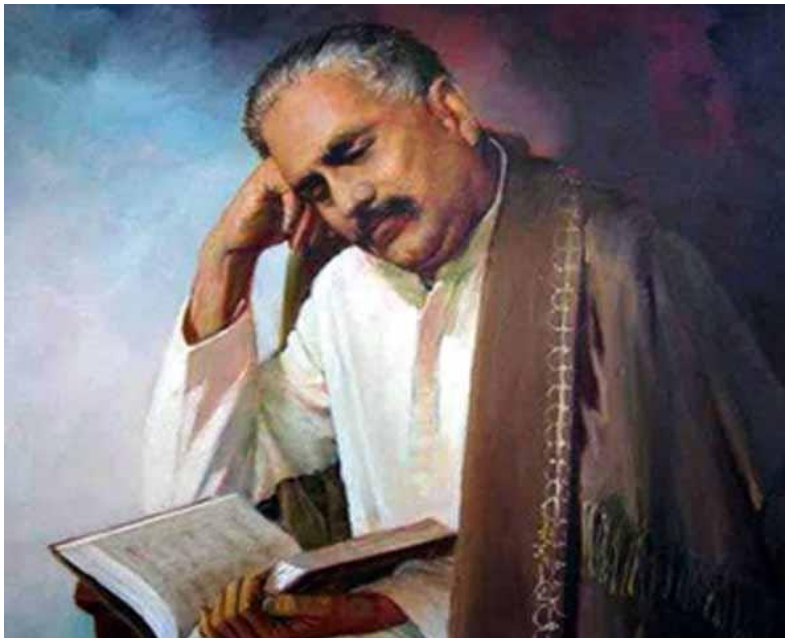

قائدِ اعظم نے جب یہ کہا تھا کہ اسلام میں مذہبی پیشوائیت کا الگ کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ معاشرتی زندگی نظامِ حکومت کے بغیر بسر نہیں ہو سکتی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام میں مذہبی پیشوائیت کا الگ کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہونے کی حیثیت سے ایک نظامِ ریاست بھی ہے۔ یہ حقیقت اسلام کے نظام کی تفہیم پر مبنی ہے اور اقبال کے خطبات اور ان کی شاعری دونوں میں اس کی بھرپور جھلک موجود ہے۔ قائدِ اعظم نے علامہ اقبال کیلئے،، میرا دوست، رہنماء اور فلاسفر) کے جو الفاظ استعمال کئے تھے وہ حقیقی مفہوم رکھتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے ساتھ ہم سب پر چند خصوصی ذمہ داریاں عائد ہو گئیں ہیں۔ قیامِ پاکستان کوئی تاریخ کا ،، حادثہ یا اتفاق،، نہیں ہے۔ اس ملک کا قیام دورِ حاضر میں حقیقی معنوں میں عالمگیر سطح اسلام کے احیاء کی علامت ہے۔

یہی ہماری توانائی بھی ہے اور یہی ہمارے مسائل کا سبب بھی۔ ہمیں اس حقیقت کو اور اس کے پس منظر میں اپنی ذمہ داریوں کو نہ صرف سمجھنا بلکہ ہمہ وقت ہر سطح پر اپنے پیشِ نظر بھی رکھنا چاہیئے۔ ہمارے فکری، علمی اور تاریخی اثاثے بہت ہیں۔ ایسی دولت دنیا میں کسی دوسری قوم کو میسر نہیں اور اس دولت کی خصوصیت میں ہے کہ وہ تاریخ کا حصہ نہیں، ہر دور میں ہمارے فکر و عمل کیلئے مہمیز کا کام کر سکتی ہے۔ خود پاکستان کا قیام ،اس کا استحکام اور اس کی علاقائی اور جغرافیائی اہمیت اس حقیقت کا سب سے بڑا واضح ثبوت ہے۔

علامہ اقبال کا یومِ پیدائش یا یومِ وفات ہمارے لئے ایک محض رسم کی ادائیگی کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ رسم بھی اہم ہوتی ہے کیونکہ وہ حقیقت تک پہنچنے میں وسیلہ بنتی ہے لیکن یہ بات ہمارے لئے توجہ کا سبب بننی چاہیئے کہ قائدِ اعظم، علامہ اقبال اور دیگر زعماء کی یادیں رسم کیوں بن رہی ہیں۔ جس طرح ہم اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھتے ہیں ہمہ وقت اسی طرح ہمیں اپنی ،، ایمانی صحت،، کا خیال بھی رکھنا چاہیئے، کیونکہ ایمان کے

بغیر انسان اور حیوان کے جسدِ خاکی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

یہ افسردہ اور پریشان بابا اقبال کہاں یاد آ گئے !

آزاد کی رگ سخت ہے مانند رگ سنگ | محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک

محکوم کا دل مردہ وافسردہ ونومید | آزاد کا دل زندہ وپر سوز وطرب ناک

بروز ہفتہ ۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۲ نومبر ۲۰۱۴ء

چہرے نہیں، نظام کو بدلو

تبدیلی کا سلسلہ تو جاری و ساری رہتا ہے۔اسی کا نام زمانہ ہے۔پانی ٹھہر جائے تو جوہڑ بن جاتا ہے۔چلتا ہوا پانی ہی صاف اور شفاف ہوتا ہے۔سیاست ٹھہرے ہوئے پانی کا نہیں بلکہ اس کی روانی کا نام ہے۔اس کے بند مضبوط ہونے چاہئیں۔ورنہ طالع آزما اس بند میں شگاف کرنے میں کسی قسم کی مروت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔اوپر کی سطح پر تبدیلیاں ہی تبدیلیاں ہیں اور نیچے ؟ کیا اب بھی وہی ہم اور وہی غم ہوں گے۔چہرے بدلنے سے کبھی مقدر نہیں بدلتے۔تبدیلی کا عمل جب تک نچلی سطح تک نہیں جائے گا، عوام کے احساسات و جذبات اسی طرح سلگتے رہیں گے۔مہنگائی کے ایشو پر انہیں ڈرائیں اور دوڑائیں نہ، وہ تو پہلے ہی بہت ڈرے ہوئے اور تھکے ہوئے ہیں۔حالات و واقعات نے انہیں اس قدر تجی بنا دیا ہے کہ سوئی کی آواز بھی انہیں کسی دھماکے سے کم نہیں لگتی۔اس کے لئے موجودہ سرکار کو عوام کے لئے "کاروبار" کرنا ہوگا پھر کہیں جا کر ان کا بازار چلے گا۔ان کی مسکراہٹ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔مسکراتے ہوئے چہروں کے دل بہت اداس ہوتے ہیں، ان کے تو خواب بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتے۔ہر رات کو شب برأت سمجھنے والوں کو یادوں کی بارات کا کیا پتہ، انہیں اس کا پہلے سے اندازہ ہو جائے تو وہ آنکھ بند کرنے سے ہی توبہ کر لیں۔بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں مگر ان کے ضمیر سو رہے ہوتے ہیں۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں مگر ان کی تعبیر جاگتی رہتی ہے۔

بہت سے خواتین و حضرات کو آنکھوں کی "چہل قدمی" کا بڑا شوق ہوتا ہے' انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ آنکھیں بھٹک جائیں یا کہیں اٹک جائیں۔اسی شوق چشم میں وہ بہت سے روگ بھی لگا جاتے ہیں۔دوسروں کے گھروں میں "نظر اندازی" کرنے والوں کو اپنی چادر و چار دیواری کے اندر بھی دیکھنا چاہئے کہ اس تاک جھانک سے دل پر کیا گزرتی ہے۔من کا ویسے بھی دھن سے کیا رشتہ ہے۔اسی لئے کہتے ہیں کہ دل نہ بھریں، یہ بھر گیا تو بہت سے سیلاب جسم کو ڈبو دیں گے۔سیاست میں یہی سیلاب، سونامی بن جاتے ہیں۔پیارے پاکستان میں بہت سے سیاستدان اقتدار کے بغیر نہیں رہ سکتے اور اسلام آباد ان کے بغیر نہیں رہ سکتا، ہماری بربادی میں ان لوگوں کی آبادی کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔کہا جا رہا ہے کہ آمریت کے کسی نئے طوفان کے لئے تشدد کو ہوا دی جا رہی ہے۔جب تک سمجھوتے دل سے نہیں ہوں گے، اس کے لئے چاہے جتنے مرضی الفاظ جمع کر لیں، کاغذ کو راہی رہے گا۔لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت صرف ایک بار ہوتی ہے اور اس کے بعد سمجھوتے ہی چلتے ہیں، جب تک جان ہے، جہان داری تو نبھانی ہی پڑے گی، جس میں ہار جیت چلتی رہتی ہے۔جیتنے والوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قوم دکھوں سے ہار رہی ہے۔آئے دن کوئی ماں اپنے معصوم بچوں سمیت خود کو ٹرین سے کٹوا کر ہمارے سسٹم کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ہمارے یہاں تو زندہ لوگوں کا حساب نہیں لیا جاتا، مرے ہوئے کس کھاتے میں آئیں گے۔

صرف اگر اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سخت فیصلے کریں گے تو لوگوں کا ری ایکشن بھی اسی طرح کا سخت ہوگا۔فیصلے تو تاریخ میں کچھ اس قسم کے بھی رقم ہوئے ہیں۔جب سکندر مرزا پشاور کے ڈپٹی کمشنر تھے تو ان دنوں وہاں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں ایک جلوس نکالا گیا۔سکندر مرزا نے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے پولیس تک طلب نہیں کی بلکہ اس کے راستے میں ٹھنڈے شربت کی سبیلیں لگائیں، گرمی کا

موسم تھا، جلوس کے شرکاء جی بھر کر اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ شربت میں جمال گوٹہ ملایا ہوا تھا۔ پھر ایک روز جب ڈاکٹر خان صاحب وزیر بن گئے تو سکندر مرزا نے بیوروکریسی کو نصیحت کی کہ "ڈاکٹر صاحب کو خوش رکھنے کا خیال رکھا کرو، اس شخص نے ساری عمر جیل کی ہوا کھائی ہے یا پولیس کے ڈنڈے، ہم اسے بڑی مشکل سے گھیر گھار کر حکومت میں لائے ہیں۔ اب اسے ''گڈ لائف'' کا ایسا چسکا لگاؤ کہ وہ اس پنجرے سے باہر نہ نکل سکے۔" سکندر مرزا کے ری پبلکن پارٹی کے خواب کی تعبیر ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں ہی ہوئی۔

جب بھی کوئی سرکار گڈ لائف کے پنجرے کی اسیر ہوئی، اس کے نتیجے میں خلقت صرف حقیر ہوئی۔ عوام نے موجودہ سرکار کو بڑی تمناؤں کے ساتھ چنا ہے۔ صرف ماضی کے ہی تذکرے نہ کریں، عوام کے علم میں سب کچھ ہے۔ اب باتوں کی بجائے عمل کر کے دکھائیں، عوام کو دیئے گئے ریلیف سے ہی ان کے گریف ختم ہوں گے۔ انسان کے جذبات ناقابل تسخیر ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی تو سوچیں کہ ان کے درد کے فاصلوں کو کیسے کم کرنا ہے۔ فاصلے تو ایک ہی جسم میں دل و دماغ کے درمیان دشمنی لگا دیتے ہیں۔ ایسے میں دل اپنا نہ دماغ حالانکہ ان کی ورکنگ ریلیشن شپ سے ہی قدم آگے بڑھتے ہیں۔ سرکار کا دعویٰ ہے کہ پہلی بار پیارے پاکستان کو جمہوریت ملی ہے، یہ واقعی مل گئی ہے، لوگ تو تب مانیں گے۔

تمہیں ملنے سے بہتر ہو گیا ہوں

میں صحرا تھا سمندر ہو گیا ہوں

صحرا میں سراب بھی کسی خوبصورت خواب سے کم نہیں دکھائی دیتا، جس کی مرہون منت آنکھیں امید سے "تر بتر" رہتی ہیں۔ امید کسی حال میں بھی نہیں ٹوٹنی چاہئے۔ بصورت دیگر انجام اس عمارت کی طرح کا ہوتا ہے جو لمحوں میں مسمار ہو جاتی ہے۔ امید کو بارود کے ساتھ ساتھ "نمرود" سے بھی بچانا ہوتا ہے کیونکہ یہ زندگی کی سب سے واضح علامت ہوتی ہے۔ یہ وہ سورج ہے جو رات کو بھی روشن رکھتا ہے۔ امید ٹوٹ گئی تو سمجھو کہ قسمت ہی پھوٹ گئی۔ اب بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ ملکی معیشت کے لئے مزید سخت فیصلے کرنے پڑیں گے۔ بجلی کے اضافی بلوں کے ذریعے دن دیہاڑے جو ڈاکہ ڈالا گیا ہے اس کے مجرموں کو کیفر کردار پہنچانے میں لیت و لعل سے کیوں کام لیا جا رہا ہے؟ اوپر تبدیلی آگئی ہے کیا، جو نیچے اسی طرح کے سخت فیصلے ہوں گے؟ گستاخی معاف! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صرف چہرے ہی بدلے ہیں۔

بروز ہفتہ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۵ نومبر ۲۰۱۴ء

لنگڑی بطخ سے ہوشیار

امریکا نے افغانستان میں اسٹریٹیجک معاہدے کی تکمیل کیلئے بڑی محنت اور سرمایہ کاری کے بعد نئی مخلوط حکومت کو ترتیب دیا تھا جس سے امریکی فوجوں کو اگلے دس سال افغانستان میں رہنے کی اجازت مل گئی ہے لیکن اس کے باوجود نو منتخب صدر اشرف غنی کی موجودہ پالیسیوں سے امریکا حواس باختہ نظر آرہا ہے۔ افغان صدر نے چین کے دورے میں طالبان اور دیگر مزاحمت کار گروپوں سے مذاکرات کیلئے جس طرح چین سے درخواست کی ہے اس کے بعد خطے کے معاملات امریکا کے ہاتھوں نکلتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ادھر سینٹ کیلئے حالیہ انتخابات میں حکمراں پارٹی ڈیموکریٹس کو بھی شکست ہوگئی ہے جبکہ لوئر ہاؤس میں ری پبلکن کو ۲۴۷ ارکان کے ساتھ پہلے ہی اکثریت حاصل تھی اب سینیٹ میں بھی اسے ۵۳/ارکان کے ساتھ برتری حاصل ہوگئی ہے۔ دونوں حالیہ اقدامات اوباما کیلئے بڑی شرمندگی کا باعث بنے ہیں جن کی بناء پر میڈیا میں اوباما کی صدارت کو ایک لنگڑی بطخ سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ اب امریکا اپنی خفت مٹانے اور خطے میں موجودہ افغان صورتحال کو تبدیل کرنے کیلئے پاکستان کے بارے میں ایک جارحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے بے بنیاد الزامات کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کررہا ہے۔

حال ہی میں پینٹاگون نے اپنی رپورٹ میں پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ پاکستان اب بھی بھارت اور افغانستان کے خلاف شدت پسند تنظیموں کو استعمال کررہا ہے جو پورے خطے کے استحکام کیلئے خطرناک ہے۔ پینٹاگون کی طرف سے جاری کی جانے والی رپورٹ کے مطابق پاکستان پر اکسی فورسز یا بالواسطہ لڑنے والی طاقتوں کو افغانستان میں اپنے گھٹتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے بھارت کی اعلیٰ ترین فوجی قیادت کے خلاف حکمت عملی کے طور پر استعمال کررہا ہے۔

پینٹاگون کی اس بے بنیاد اور شرانگیز رپورٹ پر امریکی سفیر کو پاکستان کے وزارتِ خارجہ میں طلب کرکے احتجاج ریکارڈ کرواتے ہوئے اپنے شدید ترین ردّعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس رپورٹ میں تمام حقائق کو بری طرح مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے جبکہ پاکستان ہر طرح کے دہشت گردوں اور عسکریت پسندوں کے خلاف بلاامتیاز کاروائی کررہا ہے۔ اس کے ردعمل میں افغانستان کے دارلحکومت کابل میں ایک ذمہ دار اعلیٰ امریکی فوجی عہدیدار نے تسلیم کیا کہ "پاکستان نے ضربِ عضب کے نام سے شمالی وزیرستان میں جو آپریشن شروع کررکھا ہے، وہ لائق ستائش ہے ،اس کے مفید نتائج پر امریکا مطمئن ہے۔ ایک ٹی وی انٹرویو میں امورِ خارجہ کے مشیر سرتاج عزیز نے بتایا کہ امریکا کی جانب سے پینٹاگون کی زیر نظر رپورٹ پر یہ توضیح کی گئی ہے کہ یہ رپورٹ چھ ماہ پرانی ہے اب اگلی ششماہی رپورٹ میں دہشتگردی کے استیصال کیلئے ضربِ عضب کی مفید کاوشوں کی تفصیل آجائے گی۔

امریکا کی جانب سے پاکستان اور ہمسایہ ملکوں کے خلاف دہشتگردی کے الزامات کوئی نئی بات نہیں، یہ ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے جس کے تحت امریکا نے گہری منصوبہ بندی کرکے پہلے ٹریڈ سنٹر کو گرایا اور پھر افغانستان اور عراق میں ہزاروں ٹن بموں کی بارش سے انسانیت پر بے پناہ ظلم کا ارتکاب کیا۔ گو حکومت نے امریکی الزامات پر اپنا ردعمل ظاہر کردیا ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں کیونکہ احتجاج ریکارڈ کرانے کا اثر وہاں ہوتا ہے جہاں رپورٹ غلطی یا غلط فہمی کی بناء پر دی جائے، کوئی رپورٹ کسی سازشی منصوبے کے تحت اپنے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے تیار کی جائے تو اس نوعیت کے احتجاج صرف وقت گزارنے یا پھر عوام کو مطمئن کرنے کے کام آتے ہیں حالانکہ اگر پاکستان میں مقیم طالبان کے افغانستان میں حملوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج دہشتگردوں کے خلاف جنگ میں مصروف اور کامیابی کے ساتھ پیش قدمی

کر رہی ہے لیکن فوج کو اس وقت رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب قبائلی علاقوں میں چھپے دہشتگرد پاک فوج سے بچنے کیلئے افغانستان میں جا کر پناہ لے لیتے ہیں اور افغان حکومت اور ایجنسیاں ان کو نہ صرف ان کو تحفظ فراہم کرتی ہیں بلکہ پاکستان میں کاروائیوں میں معاونت فراہم کرتی ہیں جس کا واضح ثبوت طالبان کے امیر ملا فضل اللہ اور ان کے دیگر کمانڈروں کا پاکستان سے فرار ہو کر افغان علاقے کنڑ میں پناہ لینا ہے اور جب پاکستان نے افغانستان سے ان کے خلاف کاروائی کرنے کو کہا تو افغانستان نے لمبی چپ سادھ لی ہے اور یہ دہشتگرد ابھی تک افغانستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں اور وہیں سے پاکستان کے خلاف کاروائیاں بھی کر رہے ہیں جن میں قبائلی اور پشاور کے علاقے میں بھی دہشتگردی پر مبنی کاروائیوں کا سلسلہ جاری ہے اور لاہور واہگہ بارڈر پر ہونے والے خودکش حملہ جس کی ذمہ داری تین تنظیموں نے قبول کی اور جس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ طالبان نے جنداللہ کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاکستان سے طالبان افغانستان میں حملہ نہیں کرتے بلکہ افغان حکومت کی پناہ لیتے ہیں اور پھر افغان حکومت کی معاونت سے پاکستانی علاقوں میں دہشتگردی پر مبنی کاروائیاں کرتے ہیں۔

جہاں تک بھارتی فوج کا تعلق ہے تو جب سے نریندر مودی اقتدار میں آئے ہیں بھارتی افواج کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر تسلسل کے ساتھ گولہ باری کر رہی ہیں اور یہ سلسلہ وقفے وقفے سے اب بھی جاری ہے۔ اگر پاکستان بھارتی افواج کے خلاف جوابی کاروائی کرتا ہے تو بھارتی فوج کو اپنی جانوں کے لالے پڑ جاتے ہیں اس میں پاکستان کے خلاف جارحیت کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا کی جانب سے پاکستان کے خلاف عائد کئے گئے الزامات اس کے طے شدہ منصوبے کا حصہ ہیں اور وہ اپنے سازشی منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ پینٹاگون نے اپنے سو صفحات پر مشتمل ششماہی رپورٹ میں جو امریکی کانگرس کی پیش کی گئی اور جس میں بنیادی طور پر افغانستان کی موجودہ صورتحال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ پاکستان کے خلاف اور بھارت افغان گٹھ جوڑ کے بارے میں لکھا: پاکستان کے علاقے سے دہشتگرد گروہ افغان اور بھارتی مفادات کے خلاف کام جاری رکھے ہوئے ہیں جو افغان مفاد کے سراسر خلاف ہے اور وہ علاقائی امن کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان دہشتگردوں گروپوں کو پاکستان بالواسطہ استعمال کرتا ہے تاکہ افغانستان میں بھارت کے اثر و رسوخ کو ختم کیا جاسکے۔ رپورٹ میں آگے چل کر یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس قسم کے معاملات پر پاکستان کی طرف سے کئے گئے اقدامات افغانستان میں امن عمل کی حمائت کے اعادے کے خلاف ہیں۔ یہ دہشتگرد گروپ بنیادی طور پر افغانستان اور پاکستان کے دو طرفہ تعلقات میں رخنہ ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔

رپورٹ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ افغانستان کے شہر ہرات میں بھارتی قونصل خانے پر مئی میں حملہ کیا گیا، یہ حملہ اس وقت کیا گیا جب بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی حلف برداری کی تقریب میں چند روز باقی تھے چونکہ مودی ایک ہندو شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں اس لئے عین اس موقعے پر یہ حملہ اس بنیاد پر کیا گیا ہو، یعنی اس حملے کی ذمہ داری بھی پاکستان پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پینٹاگون نے سینیٹ کو مزید بتایا بھارت، افغانستان کی اس ضمن میں مدد کر رہا ہے کہ پرامن افغانستان خطے کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگا اور اس سے براہِ راست وسطی ایشیا میں تجارت کا بڑا راستہ کھلے گا۔

۲۰۱۱ء میں بھارت اور افغانستان نے ایک معاہدے پر دستخط کئے جس کے تحت دونوں ممالک ایک دوسرے کو اچھی حکمرانی، معیشت، تجارت، تعلیم، انتظام و انصرام اور سیکورٹی کے شعبوں میں مدد فراہم کر رہے ہیں۔ اس قسم کے تعاون سے دونوں ممالک کے تعلقات فروغ پا رہے ہیں، اس کے علاوہ بھارت، افغانستان میں بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر رہا ہے جس میں بڑی شاہراہیں، بجلی پیدا کرنے اور کانکنی جیسے منصوبے شامل ہیں۔ اگرچہ بھارت نے افغانستان میں سیکورٹی کے شعبے میں مدد فراہم کرنے کا عندیہ دیا ہے لیکن اس شعبے میں بھارت کا کردار بہت

مختصر ہے۔ ابھی تک یہ تعاون صرف تربیت تک محدود ہے لیکن مستقبل میں اس تعاون کو مزید بڑھانے کا بھی عندیہ دیا ہے۔

امریکی محکمہ دفاع کی اس رپورٹ کے منظر عام آنے کے بعد پاکستان کے سفارتی، سیاسی اور عوامی حلقوں میں بجا طور پر تشویش پیدا ہوئی اور حکومت نے بروقت اس رپورٹ کو بے بنیاد الزامات، غیر حقیقی اور سازش قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔ خاص طور پر پاکستان کی طرف سے دہشتگردوں کے خلاف ایک جامع آپریشن کے موقع پر امریکا کی طرف سے یہ اشتعال انگیزی بے حد تشویشناک ہے۔ اگر اس رپورٹ کا جائزہ لیا جائے تو اس کا تعلق امریکی افواج کے انخلاء سے جاملتا ہے۔ امریکی اور اتحادی افواج اس سال کے آخر میں افغانستان میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد ناکام و نامراد رخصت ہو رہی ہیں، صرف گنتی کی تعداد میں امریکی فوج افغانستان میں قیام کرے گی۔ اس طویل عرصے میں امریکی اور اتحادی افواج کو افغان قوم کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا رہا ہے جس سے ان کو بھاری نقصانات بھی اٹھانے پڑے ہیں۔ ان کی موجودگی جہاں افغان قوم کے غیض و غضب کا نشانہ بنتی رہی ہیں وہاں ان کی موجودگی کو انتہائی ناپسندیدگی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ کسی بھی فردِ واحد نے ان کو شرفِ قبولیت نہیں بخشا ماسوائے کرزئی جیسے غدار اور ملت فروشوں کے جنہوں نے براہِ راست بے پناہ مالی فائدہ اٹھایا لیکن بالآخر

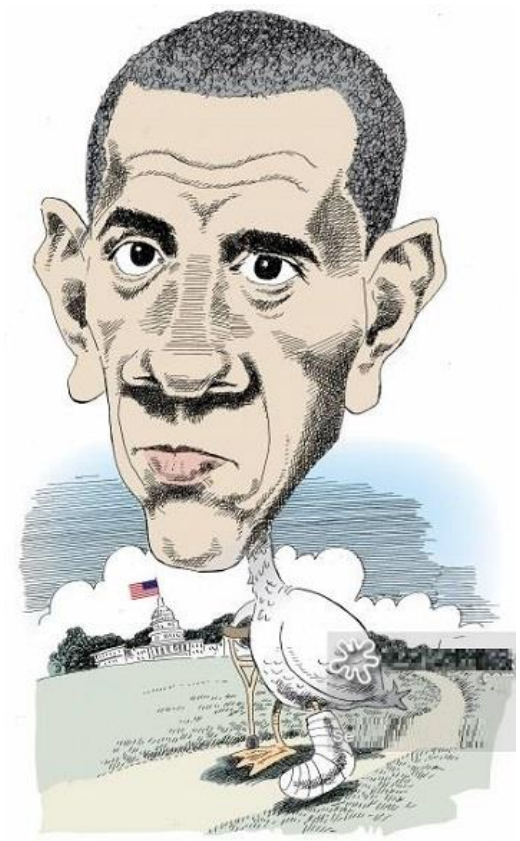

امریکا کرزئی سے بھی اسٹریٹیجک معاہدے پر دستخط لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا البتہ نئے منتخب صدر کو میدان میں اسی لئے اتارا گیا تھا جس نے حلف اٹھانے کے اگلے دن ہی غلامی کی دستاویز پر دستخط ثبت کر دیئے لیکن افغان قوم کی پہلے دن سے لیکر آج تک یہی خواہش ہے کہ ان کے ملک سے ہر قسم کی غیر ملکی مداخلت کا قلع قمع ہونا چاہئے اور ان کی مکمل خود مختاری کی بحالی کا احترام ہونا چاہئے۔

امریکی اور اس کی اتحادی افواج کے قیام کے دوران نہ تو افغانستان میں امن قائم ہو سکا اور نہ ہی معاشی اصلاحات کے ایجنڈے پر عملدرآمد ہو سکا جس کا ڈھنڈورا سالہا سال سے پیٹا جا رہا ہے، اب امریکا کو خطرہ ہے کہ ان کی مسلح افواج کی روانگی کے بعد حالاے ایک بار پھر منفی کروٹ لے سکتے ہیں اس لئے اس کی ذمہ داری پہلے سے پاکستان پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مذکورہ رپورٹ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امریکا افغانستان میں بھارت کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی کوشش میں ہے۔ بھارت بھی عرصہ دراز سے وسطی ایشیائی ممالک سے تجارت کے بڑے بڑے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھارت خطے میں اپنا تسلط بڑھانے کی جستجو بھی کر رہا ہے۔ امریکا اس ضمن میں بھارت کو افغانستان میں استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بھارت کو شائد یہ معلوم نہیں ہے کہ چار قونصل خانے قائم کرنے سے یا پاکستان کے خلاف اس کی سرزمین بلوچستان کے لوگوں کو استعمال کر کے وہ اس خطے میں اپنا تسلط نہیں بڑھا سکتا۔ بھارت نے افغانستان میں جن بڑے بڑے منصوبوں کا ڈھونگ رچا رکھا ہے ان میں کہنے کو تو دو ارب ڈالر کے منصوبے ہیں لیکن عملی طور پر ان میں رتی بھر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی البتہ پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال ضرور بچھا لیا ہے۔

اس وقت ہماری قیادت کو بہت سوجھ بوجھ سے کام لینے اور ایسی حکمت عملی بنانے کی ضرورت ہے جس سے امریکا یہود و ہنود کی سازشوں کا ناکام بنایا جائے اور خود کو بھی مامون و محفوظ رکھا جا سکے۔ جہاں دہشتگردی کے خاتمے کیلئے سیاسی و عسکری قیادت کا ہم خیال ہونا خوش آئند ہے وہاں افغان صدر کے بھاری بھرکم وفود کے ساتھ پاکستان کا دورہ بھی پہلی افغان قیادت کی پالیسیوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس مرتبہ افغان صدر نے چین کو بھی

براہِ راست ایک تعمیری کردار ادا کرنے کی درخواست کی ہے جو چین نے منظور بھی کر لی ہے اس لئے پاکستان کو اس بدلتی ہوئی صورتحال میں ٹرائیکا کی چالوں سے ازحد ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے خاص طور پر دہشتگردوں کے اندرونی و بیرونی مددگاروں کے خلاف کاروائی کا عزم امید افزا ہے کیونکہ جب تک مار آستیں کا خاتمہ نہیں ہوتا اس وقت تک مکمل کامیابی نہیں ہو گی۔ علاوہ ازیں مسئلہ صرف وطن عزیز میں جاری دہشتگردی ہی کا نہیں بلکہ استعماری و سامراجی قوتیں جس انداز میں عالمِ اسلام کو تباہ کرنے کیلئے ہر روز نت نئی چالیں چل رہی ہیں، ان کا مقابلہ بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

ادھر امریکا کی شہ پر داعش کے فتنے نے سر اٹھایا ہے جو اس وقت شام و عراق میں مصروفِ عمل ہے۔ امریکا کی چال ملاحظہ کیجئے کہ بظاہر داعش کے خلاف حملے بھی کر رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی داعش عراق کی تیل ریفائنریز سے عالمی برادری کو نقد ادائیگی پر یومیہ ڈیڑھ ملین ڈالر کا تیل بھی فروخت کر رہا ہے۔ اگر حقیقی معنوں میں داعش کے خلاف ہے تو وہ عالمی سطح پر تیل کی فروخت کیسے کر رہے ہیں؟ اور اب تو داعش نے پاکستان میں بھی قدم جمانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ بعض شہروں میں داعش کیلئے استقبالی نعرے ایک نئے سنگین خطرے کی نشاندہی کر رہے ہیں اور یقیناً افغانستان کی بدلتی ہوئی صورتحال پر داعش کا پاکستان میں قدم رکھنا ٹرائیکا کا ایک واضح اعلان بھی ہو سکتا ہے۔ اس ضمن میں ہماری تمام ایجنسیوں کو ایک مشترکہ مؤثر، فعال اور منضبط ہو کر ابھی سے ایک آپریشن شروع کرنا چاہئے کہ پاکستان میں ایسی کون سی ایسی تنظیمیں ہیں جو داعش کی طرف میلان رکھتی ہیں۔

اس امر میں شک نہیں کہ ہماری کوئی بھی سرحد دہشت گردوں سے محفوظ نہیں۔ سٹریٹیجک اعتبار سے آج پاکستان کی تمام سرحدیں گرم ہو چکی ہیں۔ صرف پاک چین سرحد محفوظ ہے جو انتہائی بلند مقامات پر واقع ہے جبکہ پاک ایران سرحد امریکا نے جنداللہ اور بلیک واٹر کے ذریعے انتہائی حساس بنا دی ہے جس کی بناء پر ایران کی فوج بلوچستان کے علاقے میں کئی میل تک اندر آ کر کاروائیاں کر جاتی ہے۔ پاک فوج اس اندیشے کے پیش نظر انہیں واپس جانے دیتی ہے کہ اس کی کسی کارروائی کے نتیجے میں ایران کو نیا بہانہ نہ مل جائے۔ سردست پاک فوج انتہائی محتاط رویہ اختیار کیے ہوئے ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بھارت نے افغانستان کے ساتھ مل کر طالبان کی شکل میں گوریلوں اور دہشت گردوں کی جو نئی کھیپ پاکستان میں داخل کی ہے وہ پورے ملک میں بکھر گئی ہے۔ چند روز قبل کور کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل خالد ربانی نے بلوچستان آپریشن پر بریفنگ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں ایجنسیوں کی اطلاعات پر مبنی آپریشن پورے ملک میں کرنا پڑیں گے۔ خصوصاً جنوبی پنجاب اور سندھ میں کیونکہ ان دونوں صوبوں کی سرحدیں بھارت سے ملتی ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ دہشت گردوں کے ساتھ جنگ سرحدوں کے اندر نہیں رہتی۔ اس وقت ہم چاروں جانب دشمنوں کے حصار میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ آپس کی لڑائیاں پس پشت ڈال کر پوری قوم اپنے قومی ادارے کی پشت پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کا عملی مظہر بن جائے۔

بروز سوموار ۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۷ نومبر ۲۰۱۴ء

افغان یوٹرن

امریکی محکمہ دفاع نے ایک نئی رپورٹ میں پاکستان پر الزام لگایا ہے کہ وہ اب بھی بھارت اور افغانستان کے خلاف شدت پسند تنظیموں کو استعمال کر رہا ہے اور یہ بات پورے خطے کے استحکام کیلئے خطرناک ہے۔ پاکستانی وزارت خارجہ نے امریکی سفیر کو وزارتِ خارجہ میں طلب کر کے اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتے ہوئے اسے اس رپورٹ کو نہ صرف مسترد بلکہ پاک امریکا تعلقات خراب کرنے کی ایک سازش بھی قرار دیا ہے۔ مشہور امریکی سفارتکار رابن رافیل جو کچھ عرصہ پہلے پاکستان اور افغانستان کیلئے امریکی نمائندے کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے چکی ہیں اور اب بھی پاکستان اور افغانستان امور کے متعلق امریکی محکمہ خارجہ میں اہم ذمہ داری پر مامور تھی، اچانک ان کے دفتر پر چھاپہ مار کر نہ صرف ان کے دفتر کو سیل کر دیا گیا بلکہ ان کو بعض ممالک کیلئے جاسوسی کے شبہ میں موجودہ ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ رابن رافیل کا شمار پاکستان کے دوستوں میں کیا جاتا ہے اور ان کے شوہر بھی جنرل ضیاء الحق کے طیارے میں ہلاک ہو گئے تھے۔

دراصل ان دونوں واقعات کا گہرا تعلق افغانستان کی نئی حکومت کے سربراہ ڈاکٹر اشرف غنی کے چین کے پہلے سرکاری دورے میں افغان پالیسی میں ایک مکمل یوٹرن سے ہے۔ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء میں جزوی امریکی انخلاء کی تکمیل کے بعد افغان صدر نے چین سے طالبان اور حزبِ اسلامی کے ساتھ مذاکرات کرنے کیلئے مدد طلب کرتے ہوئے طالبان اور حزب، اسلامی کو ایک بار پھر مذاکرات کی دعوت دی ہے جبکہ چین نے مذاکرات کی میزبانی پر رضامندی بھی ظاہر کر دی ہے۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے افغان آپریشن ختم کرنے کے باوجود طالبان اور حزبِ اسلامی کا امریکا کے احکامات تسلیم نہ کرنے اور افغانستان کی موجودہ حکومت سے مذاکرات سے انکار کے بعد افغانستان کے نومنتخب صدر اشرف غنی اپنے پہلے سرکاری دورے پر چین گئے تھے جہاں انہیں بھرپور استقبالیہ دیا گیا۔ انہوں نے چینی صدر اور دیگر اعلیٰ چینی حکام سے درخواست کی کہ وہ طالبان اور حزبِ اسلامی سے امن مذاکرات کیلئے پاکستان کو اپنا کردار ادا کرنے کیلئے راضی کریں اور اس حوالے سے چین بھی اپنا کردار ادا کرے کیونکہ چین کی ضمانت دینے سے اس خطے کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ افغان صدر نے چینی حکام کو یقین دہانی کروائی کہ وہ ۲۰۱۴ء کے بعد چین کو افغانستان میں ایک بہت بڑا رول دینے کو تیار ہیں اور چینی سرمایہ کاروں کی لیز بھی جاری رہے گی اور ان کے مقابلے میں بھارت کے ساتھ معاہدے نہیں کئے جائیں گے تاہم اس سرمایہ کاری کو آگے لے جانے کیلئے طالبان اور حزب اسلامی کی تائید از حد ضروری ہے لہذا چین امن مذاکرات میں افغانستان کی مدد کرے۔

چینی حکام نے اپنی پالیسی واضح کرتے ہوئے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی ہے کہ اگر طالبان اور حزبِ اسلامی چین میں مذاکرات کرنے کیلئے تیار ہیں تو چینی حکومت پاکستان، ایران اور ترکی سے مل امن مذاکرات کیلئے تمام سہولتیں فراہم کرنے کو تیار ہے۔ کچھ اہم ذرائع کے مطابق چینی حکام چاہتے ہیں کہ امریکی انخلاء کے وقت پاکستان کو ایک اہم اور بڑا رول دیا جائے اور چین کے ساتھ بھی افغانستان کے تعلقات اچھے ہوں تاکہ اس خطے میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات میں امریکا کی بجائے چین کا کردار ہو۔ افغان صدر کی جانب سے بیجنگ سے طالبان اور حزبِ اسلامی کے ساتھ مذاکرات کی دعوت پر امریکانہ صرف آگ بگولہ ہے بلکہ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ چین کو بڑا رول دینے سے ان کے مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔

تاہم افغان حکام کے مطابق طالبان اور حزبِ اسلامی کے ساتھ مذاکرات کیلئے ترکی اور چین کے علاوہ کوئی ایسا ملک نہیں جہاں پر یہ مذاکرات کامیاب

ہو سکیں اس لئے چین پاکستان کو اس جنگ سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس کا جائز مقام دینے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ چین کا خیال ہے کہ دہشتگردی کی جنگ سے پاکستان جتنا متاثر ہوا ہے بین الاقوامی برادری نے پاکستان کی متوقع مدد نہیں کی، اس لئے وسطی ایشیا، پاکستان اور افغانستان میں مستقل اور محفوظ سرمایہ کاری پاکستان اور افغانستان کے امن سے مشروط ہے۔ افغان صدر نے چینی حکام کی اس بات پر بھی توجہ دینے پر رضامندی ظاہر کی ہے کہ افغانستان میں بھارت کا رول ان کے ہمسایہ ممالک سے بڑا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب تک پاکستان کو اس کا جائز مقام نہیں ملتا، معاملات حل نہیں ہو سکتے جبکہ امریکا بھارت کو یہ کردار دینا چاہتا ہے جس سے افغانستان کے معاملات مزید خراب ہوں گے اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کو اس کا اہم کردار دے کر افغانستان کا مسئلہ باہم بات چیت کے ذریعے حل کیا جائے۔

چین کو کردار دینے پر امریکا اور بھارت سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے ہیں کیونکہ چین میں مذاکرات سے چینی مسلمانوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور مستقبل میں چین کو درپیش خطرات میں بھی خاطر خواہ کمی آجائے گی جبکہ چین پاکستان کے کردار کو بھی بڑھانا چاہتا ہے اور چین چاہتا ہے کہ مذاکرات کی کامیابی کے بعد افغانستان کو شنگھائی تنظیم کا بھی ممبر بنایا جائے تاکہ ان علاقوں اور خاص کر وسطی ایشیاء میں توانائی اور دیگر وسائل تک چین کو محفوظ رسائی حاصل ہو۔ ادھر طالبان ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ فی الحال ذرائع ابلاغ سے ان کو یہ اطلاع موصول ہوئی ہے تاہم چین کی طرف سے ان سے کوئی رابطہ نہیں کیا گیا البتہ چین بعض معاملات کی ضمانت دے تو مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس میں ضروری ہے کہ امریکا پر چین اپنا دباؤ ڈالے اور اس کا مکمل انخلاء شروع ہو، چین بلاشبہ یہ کردار ادا کر سکتا ہے۔

اسی طرح حزبِ اسلامی کے ترجمان نے بتایا کہ وہ مذاکرات کے حامی ہیں لیکن امریکیوں کی موجودگی میں یہ مذاکرات نہیں ہو سکتے۔ چین یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ افغانستان سے امریکی فوج کا مکمل انخلاء ہو گا اور افغانوں کو ان کے مسئلے کا حل خود تلاش کرنے کا موقع دیا جائے گا تو مذاکرات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس سے اس خطے میں امن واپس آجائے گا جبکہ پاکستان بھی چین میں ہونے والے ممکنہ مذاکرات میں اپنا بڑا کردار ادا کر سکتا ہے لیکن امریکا اور بھارت اس طرح کے مذاکرات کو ہر صورت میں ناکام بنانے کی سازشیں ضرور کریں گے تاہم اگر چین میں مذاکرات کا انعقاد ہوتا ہے تو اس میں کامیابی کا زیادہ امکان ہے کیونکہ چین اس جنگ میں بظاہر فریق نہیں ہے اور وہ پاکستان کے مسائل بھی سمجھتا ہے۔ ذرائع کے مطابق افغان صدر کی جانب سے چین سے اپیل کے بعد بھارتی حکام بھی سخت تشویش میں مبتلا ہیں کیونکہ چین مذاکرات کو کامیاب بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے جس سے مستقبل میں امریکا اور بھارت کا سنکیانگ میں جہاد کے نام پر خانہ جنگی کا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ حال ہی میں چین کے خلاف مبینہ طور پر مدد نہ دینے پر انصار الامہ کے سربراہ فضل الرحمان خلیل اور ٹی ٹی پی محسود کے سربراہ خالد سجنا کو دہشتگرد قرار دیا گیا ہے چونکہ چین کو ادراک ہے کہ اگر وہ طالبان، حزبِ اسلامی اور افغان حکومت کی ثالثی میں کامیاب ہو گیا تو اس عمل سے ایران اور پاکستان سے بھی انہیں مدد مل جائے گی اور ترکی بھی اس کو مکمل سپورٹ کرے گا جس سے سنکیانگ کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا اور امریکا اور بھارت کے مستقبل کے مکارانہ خواب بھی ادھورے رہ جائیں گے۔

ادھر جنرل راحیل شریف کا دورہ افغانستان ایسے وقت میں ہوا ہے جب امریکی محکمہ دفاع نے ایک نئی رپورٹ میں پاکستان پر الزام لگایا ہے۔ جنرل راحیل شریف نے ایک روزہ سرکاری دورے میں افغانستان کے صدر اشرف غنی، چیف ایگزیکٹیو عبداللہ عبداللہ، افغان وزیر دفاع اور چیف آف جنرل سٹاف سے سرحدی امور، انٹیلی جنس رابطے اور باہمی تعاون پر بات ہوئی اور افغان سکیورٹی فورس کو پاکستان میں تربیت دینے کی پیشکش بھی کی گئی۔ آرمی چیف کا کہنا تھا کہ پائیدار علاقائی سلامتی ہی دہشت گردی سے نمٹنے کا واحد راستہ ہے اور پرامن اور مستحکم افغانستان پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔ افغانستان میں نئی حکومت کے قیام کے بعد پاکستان کے کسی بھی اعلیٰ عہدیدار کا یہ پہلا افغانستان کا دورہ تھا۔

چین کی وزارت خارجہ کا کہنا ہے کہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اپنے دورۂ چین میں یقین دہانی کرائی کہ پاکستان میں کام کرنے والے چینی شہریوں اور کمپنیوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا جبکہ ضرب عضب آپریشن میں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں پناہ لیے ہوئے سنکیانگ کے شدت پسندوں کا بھی صفایا کر دیا گیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن کے آئندہ عزائم کا مقابلہ کرنے کیلئے اندرون ملک معاملات پر بھی بھرپور توجہ دی جائے۔

بروز جمعرات ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۰ نومبر ۲۰۱۴ء

ہاتھ سجھائی نہیں دیتا

ان دنوں مغربی اخبارات کی شہ سرخیوں سے سراسیمگی پیدا کردی ہے کہ افغانستان میں پچھلے ایک سال میں ۵۰۰ ملین ڈالر سے زائد کا اسلحہ غائب ہو گیا ہے اور یہ اسلحہ خرد برد کرنے کا مقصد دنیا کے امن کو مزید تباہی کی طرف لیجانے کی وجہ بھی بن سکتا ہے۔اس کے بارے میں امریکی حکام نے بڑے پیمانے پر کاروائی تو شروع کردی ہے لیکن ابھی تک خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔پینٹا گون کی جانب سے افغانستان میں امریکی حکام کو بھیجے جانے والی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ ایک سال میں ۵۰ ملین ڈالر سے زائد کا اسلحہ غائب ہوا جس میں اب تک ۲۳ ملین ڈالر کا اسلحہ برآمد کیا جا سکا ہے جبکہ باقی اسلحے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔یہ اسلحہ مزار شریف، کنڑ، قندھار، ہرات، ہلمند اور دیگر علاقوں میں قائم ان فوجی کیمپوں سے غائب ہوا ہے جہاں امریکیوں فوجوں نے قیام کیا ہے۔اب چونکہ امریکی فوجیوں نے ان کیمپوں کو مسمار کردیا ہے اور وہاں سے بگرام میں رپورٹ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہلکے ہتھیار جن میں ایم ۱۶، لیزر گن اور فوجی پسٹل بمع سائلینسر شامل ہیں، زیادہ تعداد میں غائب ہیں۔

بعض ذرائع کے مطابق یہ خطرناک اسلحہ منتقل کرتے ہوئے افغان ڈرائیوروں نے فروخت کردیا ہے جبکہ ذرائع کے مطابق اس فروخت میں امریکی فوجی بھی مبینہ طور پر ملوث ہیں جبکہ افغانستان کے وہ فوجی جو اس اسلحہ لانے والے روٹس پر تعینات تھے، وہ بھی اس میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ذرائع کے مطابق اسلحہ اونے پونے داموں مزاحمت کاروں کو فروخت کردیا گیا ہے جبکہ بعض اسلحہ قبائلی مارکیٹوں اور وسطی ایشیاء کے علاقوں میں بھی فروخت ہو رہا ہے۔اس میں امریکی شارٹ گنز کے علاوہ دیگر خطرناک اسلحہ بھی شامل ہے۔امریکی فوج کے انخلاء کے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر اسلحہ خرد برد ہوا ہے جبکہ کمپیوٹر اور دیگر سامان پہلے ہی مختلف مارکیٹوں میں فروخت کیا جا رہا ہے۔امریکی فوج کیلئے آنے والا فرنیچر بھی افغانستان اور پشاور کی مارکیٹوں میں پہنچنا شروع ہو گیا ہے۔

دوسری جانب ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ اسلحہ ۵۰۰ ملین ڈالر سے کہیں زیادہ کا ہے کیونکہ امریکیوں نے جو اسلحہ فروخت کیا ہے اس کیلئے انہوں نے پہلے یہ مؤقف اختیار کیا کہ یہ جنگ کے دوران بم دھماکوں میں تباہ ہو گیا ہے تاہم انخلاء کے اعلان کے ساتھ ہی امریکی فوج نے آپریشن میں حصہ لینے سے نہ صرف انکار کردیا بلکہ وہ اب جلد سے جلد یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔اسلحے کے اس قدر بڑے سکینڈل کو چھپانے کیلئے امریکی فوجیوں کی جانب سے دو متضاد رپورٹیں پینٹا گون کو ارسال کی گئی ہیں۔پہلی رپورٹ میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ طالبان سے لڑائی کے دوران یہ اسلحہ تباہ ہو گیا ہے اور دوسری رپورٹ میں یہ کہا گیا کہ اس اسلحے کو خود اپنے ہاتھوں سے اس لئے تباہ کیا گیا کہ مبادا یہ طالبان کے ہاتھ نہ آسکے۔پینٹا گون ان دو متضاد رپورٹس کی بناء پر اعلیٰ پیمانے پر تحقیقات کر رہا ہے تاکہ کانگرس کے سامنے اس رپورٹ کو کس طرح پیش کیا جا سکے۔

افغان حکومت کو ملنے والی ایک رپورٹ کے مطابق امریکا نے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۳ء تک افغانستان کے سب سے بڑے فوجی اڈے بگرام میں بنائی گئی دو ہزار عمارات میں سے ۱۸۰۰ سو عمارتوں کو منہدم کردیا ہے اور اس کا فرنیچر بگرامی بازار میں کوڑیوں کے بھاؤ امریکی فوج نے فروخت کردیا جبکہ امریکی ذرائع نے خود تصدیق کی ہے کہ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء تک مزید باقی ۲۰۰ عمارتیں بھی منہدم کردی جائیں گی اور اس پر کام تیزی سے جاری ہے ۔ ۱۵۰ عمارتیں یکم دسمبر تک ہر حال میں منہدم کرکے وہاں زمین کو ہموار کردیا جائے گا۔ذرائع نے بتایا کہ ان دو ہزار عمارتوں میں چھوٹے بڑے بنگلے، سیف ہاؤسز اور زیر زمین تہہ خانے بھی شامل تھے جہاں پر ہزاروں مشتبہ مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیکر حراست میں رکھا گیا چونکہ افغانستان سے اسٹریٹیجک معاہدے پر دستخط کے بعد وہاں ۸۹۰۰/امریکی فوجی رہ جائیں گے اور یہ فوجی پانچ اڈوں یعنی بگرام، قندھار، ہرات، جلال آباد اور

مزار شریف میں امریکی اور اتحادی فوج کے طیاروں، ٹینکوں، فوجی گاڑیوں کے پانچ سو ارب ڈالر سے زائد کے اسکریپ اور سلحہ کی حفاظت کریں گے۔ تاہم امریکا نے وہاں پر قائم بڑے ہالز اور پرانی عمارتوں کو مرمت کے بعد چھوڑ دیا ہے جبکہ ۲۰۰۱ء کے بعد اپنی فوج کی عیاشیوں اور مسلمانوں کو قید کے دوران اذیتوں کیلئے تعمیر کئے گئے قید خانے اور بنگلے مسمار کر دیئے ہیں تاکہ ممکنہ طور پر طالبان کی جانب سے قبضے میں کئے جانے کے بعد دنیا کی رسائی ان مقامات تک نہ ہو۔

ادھر اسلحے کے بڑے بڑے ڈیلروں نے افغانستان میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور انہوں نے افغان فوج اور پولیس کے ذریعے امریکی اسلحہ خریدنا شروع کر دیا ہے۔ مبینہ طور پر امریکی فوج نے دس طیاروں پر مشتمل قندھار سے خطرناک اسلحے کی بڑی مقدار لوڈ کر کے شام میں پیش مرگہ کرد جنگجوؤں کیلئے جہاز سے اتارا تھا جو کہ داعش کے مفتوحہ علاقوں میں گر گیا۔ یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ امریکا جو بظاہر فضائی ٹیکنالوجی کی معراج پر ہے لیکن اس کے پائلٹ داعش اور کرد جنگجوؤں کے علاقوں میں کوئی تمیز نہ کر سکے۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ امریکا نے عربوں کو مزید ڈرانے کیلئے داعش کا جوہوّا کھڑا کیا ہے، یہ اسی پلان کے مطابق ہے۔ بہر حال پچاس ارب ڈالر کا ایسا اسلحہ جس میں ہلکے مگر خطرناک ہتھیار شامل ہیں امریکی فوج اس کیلئے خریدار چاہتی ہے کیونکہ اسلحے کی واپسی پر (۱۰۰) سو ارب ڈالر کا خرچ اٹھے گا جس سے امریکا کو دوگنا نقصان ہوگا۔

روس اور چین نے اس اسکریپ کو خریدنے کا اشارہ کیا تھا لیکن امریکا اور اس کے اتحادیوں نے انکار کر دیا۔ علاوہ ازیں دنیا کا کوئی اور ملک اس اسلحے کو خریدنے کیلئے تیار نہیں ہے کیونکہ یہ اسلحہ استعمال شدہ ہے جبکہ خلیجی ممالک نے داعش کے خلاف جنگ کرنے والوں کو بھی اس اسلحے کو خریدنے سے منع کر دیا ہے جس کے بعد یہ اسلحہ افغانستان میں رہ جائے گا جبکہ امریکی فوج افغان فوج کو یہ اسلحہ دینے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہے کیونکہ افغان فوج سے یہ اسلحہ شدت پسندوں، طالبان اور پاکستان کی مارکیٹ تک پہنچ سکتا ہے اور امریکی اتحادی بھارت کو ڈر ہے کہ یہ اسلحہ کشمیری مجاہدین کے ہاتھ بھی لگ سکتا ہے اس لئے یہ اسلحہ امریکا اور بھارت کیلئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ پاکستان کو یہ اسلحہ بطور امداد دینے کی کوشش کی گئی لیکن پاکستان نے بھی یہ اسلحہ لینے سے انکار کر دیا ہے تاہم ذرائع کا کہنا ہے وسط ایشائی ممالک کی خفیہ مارکیٹ کے توسط سے یہ اسلحہ پاکستان میں فروخت ہو رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے اندر تشدد جو پہلے سے عروج پر ہے، اس میں اضافے کا خدشہ ہے، اس اسلحے کو روکنے کیلئے اب تک حکومت کی طرف سے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اس حوالے سے کوئی قانون سازی کی جا رہی ہے جبکہ اسلحے کے بڑے بڑے ڈیلر بھی اس انتظار میں ہیں کہ وہ کس طرح اس اسلحے کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ امریکی پسٹل بمعہ سائلنسر کی قیمت اس وقت پاکستان میں پانچ سے سات لاکھ کے قریب ہے لیکن بلیک مارکیٹ میں ڈیڑھ سے دو لاکھ میں دستیاب ہے اور آئندہ دنوں میں اس کی قیمت میں مزید کمی کا امکان ہے۔ قوی امکان ہے کہ جنرل راحیل کے امریکی دورے میں اس خطرناک اسلحے کے بارے میں بات کی جائے لیکن سابقہ آرمی چیف کے دور میں بھی اس اسلحے اور اسکریپ کے بارے میں جنرل کیانی نے اس میں عدم دلچسپی کا اظہار کر دیا تھا۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ بھارت کو تو اس اسلحے اور اسکریپ کیلئے پاکستان سے راہداری نہیں مل سکتی گویا اس وقت امریکا کا یہ حال ہے کہ

آنکھیں بھی ہیں، راستہ بھی، چراغوں کی ضیاء بھی

سب کچھ ہے مگر ہاتھ سجھائی نہیں دیتا

بروز جمعۃ المبارک ۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۱ نومبر ۲۱۰۴ء

ہر گلی ماتم ہے یاں

جب چاروں جانب وحشتیں رقص کر رہی ہوں، خوبصورت الفاظ منہ چڑا رہے ہوں، دانشور اپنی دانش کی دیگ چڑھائے خود ہی اس سے مستفید ہو رہے ہوں، اہل جبّہ و دستار اہل ثروت کے خوشہ چیں بن جائیں، اہل قلم اپنے قلم سے ارباب اختیار کے قصیدہ خواں ہو جائیں، ادیبوں کو اپنی محفلوں سے فرصت نہ ہو، شاعری حسن و عشق سے... وہ بھی مصنوعی... فرصت نہ پائے، ارباب اختیار محلات میں بیٹھ کر منصوبے بنائیں جن سے ٹھیکیدار فیض پائیں، پانی کے بلبلے جیسے دعوے روزمرہ کا معمول بن جائیں، ہم کالم نگار اہل حکم کے درباری بن جائیں، پبلک ریلیشننگ کی دکان سجالیں تو پھر یہی ہوتا ہے۔ خلق خدا کی آواز کوئی نہیں سنتا۔

میں آپ سے مخاطب ہوں، اس لئے کہ آپ داتا ہیں، رب ہیں۔ میں آپ سے بھیک نہیں مانگ رہا، نہ ہی یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ آگے بڑھیں۔ میں خود بھی ایسے موضوع پر قلم نہیں اٹھایا کرتا۔ مجھے آئے دن ایسے خطوط کا سامنا رہتا ہے اور میں اپنے پرلے درجے کے دنیادار دوستوں کو ان کاموں پر مجبور کر دیتا ہوں۔ کیا ایسی باتوں کو عوام میں اٹھانا چاہئے۔ ہم سب کیا اندھے ہیں کہ اپنے آس پاس نہیں دیکھ سکتے۔

کیا یہ ضروری ہے کہ ایک تھیلی آٹا دے کر تصویریں بنائی جائیں اور پھر اخبارات میں انہیں چھپوا کر دوسروں کو دکھایا جائے۔ ایسی مریض ذہنیت پر میں ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔ اب یہ خط آ ہی گیا ہے۔ ذرا اسے دیکھئے۔ آپ کے سینے میں پتھر ہے کیا؟ میں نے اپنی ساری زندگی آوارہ گردی کی نذر کر دی ہے، پتھروں کا سینہ بھی چھوٹی چھوٹی بوندیں چھید ڈالتی ہیں۔ میں نے خود ایسے پتھر گھٹنوں بیٹھ کر دیکھے ہیں۔ ہم پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ پھر آپ کوئی ٹھیکیدار ہیں کہ ہر ایک کی مدد کے لئے دوڑیں۔ خود کو دیکھئے، اپنے بچوں کو دیکھئے، حج اور عمرے پر عمرہ کیجئے، کڑاہی کھائیے، بروسٹ اڑائیے، جسم و جاں کو پروان چڑھائیے، غرق کیجئے سماج کو۔

لیکن یہ جو حکمران اور سیاسی رہنماء ایوان اقتدار کے محلات اور دھرنوں، جلسوں میں مشغول ہیں، یخ بستہ ہال میں بیٹھ کر جوس پینے یا پھر اقتدار کے حصول کیلئے دن رات کوشاں، کبھی دھرنے یا کروڑوں اربوں کے اخراجات صرف کر کے بڑے بڑے جلسوں کے انعقاد میں عوام سے بلند و بانگ دعوؤں کے بعد اپنی اپنی مقبولیت کے نعرے بلند کرنا، آخر کیں ہانکنے سے کب فارغ ہوں گے، یہ کس عذاب میں ہم مبتلا ہیں؟؟ مجھے یاد ہے بچپن کا وہ بوڑھا انسان جو بسوں میں ٹافیاں بیچا کرتا تھا اور کہتا تھا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی، نہ مانے تو کر کے دیکھ

جنت میں ہے دوزخ بھی، نہ مانے تو مر کے دیکھ

تاجر... کیسا سماج ہر چیز میں تجارت، سود و زیاں... رشتوں میں تجارت، محبت میں تجارت، تعلقات میں تجارت... ہر طرف تاجر ہی تاجر... سود خور ہے۔ یہ مذہب میں بھی تجارت ... ہر طرف لفظوں کی بازی گری، اعداد کا مکروہ کھیل۔ لیجئے یہ خط پڑھ لیجئے۔

''میں پشاور کے ایک اسکول میں استاد ہوں۔ ہمارے اسکول میں ایک بچہ ہے جس کا نام اقبال ہے اور وہ پانچویں جماعت میں پڑھتا ہے۔ کچھ دن پہلے کلاس روم میں اس کو اچانک کچھ ہو گیا، رنگت کالی پڑ گئی اور یوں لگا کہ اس معصوم کی آخری سانسیں چل رہی ہیں۔ میں جلدی سے اس کو نزدیک ہی ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے سکون کا انجکشن لگایا اور کچھ دوائیں دے دیں جس کا خرچہ میں نے اپنی جیب سے برداشت کیا۔ جب ڈاکٹر سے فارغ ہو کر میں نے معصوم اقبال کو اس کے گھر پہنچایا تو اس کی والدہ نے اسے دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا اور پاگلوں کی طرح رونے لگیں۔ جب میں نے

ان سے اقبال کی بیماری کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اقبال کو تقریباً تین سال سے دل کی تکلیف کی شکایت ہے۔

پہلے تو ہمیں بھی اس بیماری کے بارے میں معلومات نہیں تھیں اور ہم اس کو صرف جسمانی کمزوری سمجھتے تھے لیکن جب گاؤں کے ڈاکٹر نے کہا کہ اس کا علاج میرے بس کی بات نہیں ہے، اسے دل کے کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھایئے۔ ہم نے ایک سرکاری ہسپتال سے علاج معالجہ شروع کروایا۔ ہسپتال میں دل کے بڑے ڈاکٹر صاحب سے ان کے ذاتی کلینک میں چیک اپ کروایا تو انہوں نے کچھ مہنگے ٹیسٹ بھی تجویز کیے جو کہ آٹھ ہزار روپے سے کم نہیں تھے ۔گھر میں جو کچھ تھا، فروخت کر دیا پھر بھی اتنی رقم ہاتھ نہیں آئی بالآخر ادھار لیکر یہ بل ادا کیا۔ ٹیسٹ رپورٹس دیکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دوائیاں لکھ دیں اور اقبال کی بیماری سے آگاہ کیا اور کہا کہ اقبال کے ہارٹ والوز ناکارہ ہو چکے ہیں لہٰذا انہیں تبدیل کرنا پڑے گا۔ گارنٹی والے ہارٹ والوز پر تقریباً پانچ لاکھ روپے اور بغیر گارنٹی والے ہارٹ والوز پر تقریباً دو لاکھ روپے خرچہ آئے گا۔

اقبال کے والد جن کا نام سید انور شاہ ہے، ایک معمولی فوٹو گرافر ہیں، ایک کیبن میں بیٹھ کر دن بھر میں تین سو روپے مشکل سے کماتے ہیں۔ اکثر دکان پر کام نہیں ہوتا تو یہ بے چارے پارکوں میں گھوم پھر کر روزی کماتے ہیں۔ اقبال کے علاوہ ان کی چھ بیٹیاں اور بھی ہیں اور اتنی کمائی میں گھر کے اخراجات، دکان و مکان کا کرایہ اور بجلی کا بل مشکل سے ادا کر پاتے ہیں۔ اقبال کی بیماری پر جتنی رقم صرف ہو گی وہ تو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی، اس لئے انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی بیماری کو اپنا مقدر سمجھ کر خاموشی اختیار کر لی اور اپنی معصوم بیٹے کے علاج کی بجائے آنسو بہاتے ہیں۔ میرا اس گھرانے سے کوئی رشتہ نہیں، اگر رشتہ ہے تو انسانیت کا اور اقبال سے ایک استاد کا لیکن استاد کا درجہ بھی والدین سے مرتبے میں اونچا ہے "۔

میرا تعلق بھی اسی معاشرے سے ہے جہاں غریب ماں باپ اپنے بچوں کے نام اپنے ملک کے مشاہیر کے ناموں پر اس امید پر رکھتے ہیں کہ شائد ان کی بھی قسمت ایسی ہی ہو گی اور اکثر والدین تو بچپن سے ہی اپنے بچوں کو "جج وغیرہ" کہہ کر ساری عمر خوش گمانی میں مبتلا رہتے ہوئے اس دنیا سے خود بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ اقبال، بلاول، حمزہ اور مریم نام رکھنے سے تو قسمت تبدیل نہیں ہو جاتی۔ جس نظام میں ہم زندہ ہیں، یہاں تو ہر گلی میں کسی نہ کسی گھر ایسا ماتم ہر دن دیکھنے کو مل رہا ہے۔ خاطر جمع رکھئے، میں آپ سے کچھ نہیں مانگ رہا، میں تو اس ظالمانہ نظام کو دفن کرنا چاہتا ہوں جہاں ہر گلی محلے میں ایسی دردناک کہانیاں جنم لے رہی ہیں۔ بس کبھی سوچئے، اگر اقبال آپ کا اکلوتا بیٹا ہوتا تب آپ کیا کرتے۔ اس نظام کو تبدیل کرنے کیلئے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے میدان میں کب اتریں گے ؟

میرا زندہ اور باقی رہنے والا رب نگہبان ہے، بے کسوں کا، وہی ہے بس، وہی۔ آپ کیوں نظریں چرا رہے ہیں، کچھ بھی تو نہیں رہے گا، ہاں کچھ بھی تو نہیں۔ بس نام رہے گا اللہ کا۔

بے حسی شہر کی جب ایک حقیقت ٹھہری　　بے سبب قصۂ پندار لئے پھرتا ہوں
جب کسی خواب کی ممکن نہیں تعبیر تو پھر　　کس لئے دیدۂ بیدار لئے پھرتا ہوں

بروز سوموار ۲ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۴ نومبر ۲۰۱۴ء

باغی نہ بنے بیٹی کوئی

تہذیب کی چادر میں کرو قید آزادی

لندن کے ہیتھرو ائیر پورٹ پر مختلف ٹی وی چینل کے درجنوں کیمرے کسی کا انتظار کر رہے تھے مجھے یوں ہی گمان گزرا کہ کوئی بڑی اہم شخصیت آ رہی ہے۔اچانک ایک کھلبلی سی مچ گئی اور سب ہی کیمروں نے ایک پتلی دھان پان کی کسی ایشیائی لڑکی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔وہ پولیس کی محفوظ تحویل اور اس الیکٹرانک میڈیا کے نرغے میں ان کے سوالات کا بڑے پر جوش طریقے سے جواب دے رہی تھی۔میں دور کھڑا تمام معاملے کو جاننے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔میں نے اپنے آپ کو اس معاملے سے الگ کرنے کے لئے دوسری طرف جانے کا ابھی سوچا ہی تھا کہ سامنے سے عدنان چلا آیا اور میں اس کی گرمجوش مسکراہٹ میں وقتی طور پر کھو گیا۔ "یار بڑی دیر لگادی نکلنے میں"۔"فلائٹ تو وقت پر پہنچی لیکن سامان ہی بہت دیر سے ملا،انتظار کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔کیا بہت انتظار کرنا پڑا؟"ایک ہی وقت میں کئی سوالات داغ دینا اس کی پرانی عادت ہے۔"چل گھامڑ جلدی کر اس ہجوم میں کچھ سنائی نہیں دیتا"میں نے جان چھڑانے کی خاطر لفٹ کی جانب باہر کار پارک کی طرف چلنا شروع کر دیا۔وہ پھر اسی ہجوم کے پاس کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے فوری اس کو سختی سے چلنے کو کہا۔

اللہ اللہ کر کے جب کار میں بیٹھے تو اس نے پھر اسی لڑکی کا ذکر چھیڑ دیا کہ ہم دونوں ایک ہی فلائٹ میں ایک ہی رو میں ساتھ ساتھ نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے موضوع بدلنے کو کہا،پاکستان کے سیاسی حالات اور یاران وطن کے بارے پوچھنا شروع کر دیا لیکن مجھے اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر میں اس لڑکی کے بارے کیوں کچھ سننا اور جاننا نہیں چاہتا۔گھر پہنچے۔سامان اتار کر اس کو کمرہ دکھا دیا کہ آئندہ کے چند روز اسی کمرہ میں گزارنا ہوں گے۔آئندہ اےّام کے تمام پروگرام راستہ میں طے کر لئے تھے۔تازہ نیوز سننے کے لئے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبایا ہی تھا کہ وہی سین ہیتھرو ائیر پورٹ پر جو تھوڑا سا دیکھنے کو ملا تھا اسکی بابت تمام تفصیلات بتائی جا رہی تھیں۔

وہی درجنوں کیمرے اس پر مرکوز تھے جیسے اس نے تاریخ انسانی کا بڑا معرکہ سر کیا ہو۔وہ پولیس کی تحویل میں اپنے لہجے میں کمال کا عزم لئے جوش و خروش کی تصویر بنی باغیانہ تمکنت کے ساتھ اپنا نقطہ نظر بیان کر رہی تھی۔گردش دوراں اس کے سامنے تھم سی گئی تھی اور زمانہ اس کے قدموں سے لپٹا جا رہا تھا۔وہ "محبت" کا معرکہ لڑ رہی تھی۔ایسا معرکہ کہ لڑنے والوں کا جنوں جب خود سری کی معراج کو پہنچتا ہے تو انہیں اپنا گردو پیش بڑا ہی حقیر دکھائی دینے لگتا ہے اور مقدس ترین رشتے بھی ان کیلئے کانچ کے کھلونے بن کر رہ جاتے ہیں۔آج ہر ٹی وی چینل پر یہی لیڈ سٹوری چل رہی ہے کہ برطانوی مسلمان (..... نژاد) کے ماں باپ لڑکی کی جبری شادی اپنے ملک میں اس کی مرضی کے خلاف کر رہے تھے جبکہ یہ لڑکی یہاں کسی اور لڑکے کی محبت میں گرفتار ہے۔اس نے احتجاجاً فوری طور پر مقامی برطانوی سفارت خانہ کو اس امر کی شکائت کی اور ساتھ ہی اپنے علاقے کے ممبر پارلیمنٹ کو مدد کیلئے پکارا۔اتفاق سے ممبر پارلیمنٹ بھی (..... نژاد) ہیں۔وہ بھی بڑے فاتحانہ انداز میں لڑکی کے ساتھ کھڑے اپنی روشن خیالی اور سیکولر خیالات کا اظہار فرما رہے تھے کہ کس طرح وہ اس بچّی کی اپیل پر فوراً..... پہنچے اور وہاں کی سرکار کے بھرپور تعاون کا شکریہ بھی ادا کر رہے تھے۔یہ بچی اپنے والدین پر متعدد الزامات بھی عائد کر رہی تھی اور ساتھ ہی اپنی حکومت کے بروقت اقدام کا شکریہ بھی ادا کر رہی تھی کہ اس نے دو دلوں کو ملانے اور ایک دوسرے کا جیون ساتھی بننے میں ان کی بھرپور مدد کی۔وہ اپنے ہونے والے جیون ساتھی کا بازو تھامے،بے خودی میں مسلسل اپنے ماں باپ کی معاشرتی تنگ نظری جیسے ظلم کا برملا اظہار کر رہی تھی۔

مجھے کہانی کی جزئیات اور تفصیلات سے زیادہ دلچسپی نہیں، میرے لئے یہ سوال بھی بے محل ہے کہ رانیہ اور اس کے والدین میں سے کس کا موقف درست ہے۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ حالات وواقعات کی کون سی کروٹ نے اس نحوست بھری ساعت کو جنم دیا جب ایک بیٹی بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔ جب برسوں اپنی اکلوتی اولاد کو ناز و نعم سے پالنے، اسے تعلیم دلوانے اور اس کے حسیں مستقبل کے خواب دیکھنے والے والدین ایک مقدّمے کے مدعی بن کر اپنے ہی جگر گوشے کے سامنے کھڑے ہونگے۔ میں اس "سرشاری" کے تصوّر کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جس نے ایک بیٹی کی رگ وپے میں ایسا بارود بھر دیا۔ میں اس کرب کی شدت جاننے کی سعی کر رہا ہوں جس سے رانیہ کے ماں باپ گزر رہے ہوں گے۔ رانیہ مسلمان قوم کی بیٹی ہے اور بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں وہ میری بیٹی بھی ہے۔ اسے اسلام نے یہ حق دیا ہے کہ اس کا شریک سفر اس کی پسند کے مطابق ہو۔ اگر وہ اپنے ماں باپ کو قائل نہیں کر سکی یا اس کے انتخاب میں کوئی کجی تھی یا وہ معقول طریقہ کار اختیار نہیں کر سکی تو یہ اس کی بد نصیبی تھی۔ اسلام جبر کے خلاف ہے اور بیٹیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح کسی کو تھما دینے کو سخت خلاف ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام اپنی پسند کو سلیقے اور قرینے کی نفیس حدوں کے اندر رکھنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص کسی کو اتنی محبت اور خیر خواہی نہیں دے سکتا جتنی محبت اور خیر خواہی والدین کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ اگر ماں باپ اولاد کے کسی جذبۂ بے اختیار شوق کے سامنے حکمت کا کوئی بند نہ باندھ سکیں اور معاملے کو دانشمندی سے سلجھانے کی بجائے پیکار پر تل جائیں تو اسے بھی کم نصیبی ہی کہنا چاہئے۔ ساری مخلوق پر انسان کی فضیلت و برتری کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ اپنی منہ زور خواہشات کو نکیل ڈالنے اور اپنے اندر کے جذباتی ہیجان کو معاشرتی اقدار، تہذیبی روایات اور اخلاقی قرینوں کے اندر رکھنے کا سلیقہ جانتا ہے۔

اسلام اسی نفس کشی کی تربیت دیتا ہے۔ اقدار و روایات کا مقام بلند حاصل کرنے والے معاشرتی رویے اپنے دامن میں مصلحت، حکمت اور دانش کا بیش بہا خزانہ رکھتے ہیں۔ بہت سی قدغنیں اور پابندیاں، جو بظاہر ناگوار لگتی ہیں دراصل ہمارے تحفظ کا حصار ہوتی ہیں جسے توڑ ڈالنے سے ہم خود اپنے آپ کو نامہرباں موسموں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ مغرب میں چیچک اور طاعون کی طرح پھوٹ پڑنے والی معاشرتی برائیوں کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بے جا آزادی، خود مختاری اور ذاتی مرضی و منشا، والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی تلقین، نصیحت اور رہنمائی پر حاوی ہو گئی ہیں۔ جوانیاں منہ زور ہو چلی ہیں اور "طفلان خود معاملہ" نے شیرازیہ معاشرت درہم برہم کر دیا ہے۔ صرف برطانیہ میں طلاق کا تناسب دنیا میں امریکہ کا بعد دوسرا، بغیر شادی کے ازدواجی زندگی گزارنے کا تناسب خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اب اس کو کوئی برائی نہیں سمجھا جاتا۔ گھریلو ناچاقیاں عروج پر ہیں، عائلی زندگی زبردست انتشار کا شکار ہے اور عورت اپنی تکریم سے محروم ہو کر اخلاق باختہ موسموں کا چارہ بن کر رہ گئی ہے۔ خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ نے دنیا کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذّب کہلوانے والے معاشرے کو ایک خود رو جنگل میں بدل دیا ہے جو نفسانی خواہشات کی برسات سے گھنا ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو یہاں کے دانشور بھی چیخ اٹھے ہیں اور اس بڑھتی ہوئی معاشرتی بے راہ روی کے سامنے بند باندھنے کی دہائی دے رہے ہیں۔ میری اکثر یہاں کے سیاسی زعماء سے ملاقات رہتی ہے۔ پچھلے دنوں برسوں کے بعد ایک انگریز دوست کی شادی میں شرکت کا موقع ملا (ایسے تہوار بمشکل آتا ہے)۔ ٹاؤن ہال میں رجسٹرار نے بھرے ہال میں مسکراتے ہوئے یوں ہی پوچھ لیا کہ یہاں جو طلاق

یافتہ ہیں وہ ذرا ہاتھ تو کھڑا کریں جواب میں لوگوں کے ہاتھ دیکھ کر جہاں وہ جھینپ گیا وہاں اسے اپنے سوال پر معذرت کرنا پڑی۔

آج سے ۳۶ سال قبل میری ایک کلاس فیلو نے والدین سے بغاوت کر کے محبت کی شادی کا راستہ اختیار کیا۔ پچھلے دنوں اس سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ اس کے دو جوان بیٹے اور ایک جوان بیٹی اس کے ساتھ تھے۔ حال احوال پوچھنے پر پھٹ پڑی اور روتے ہوئے بولی "میں تو کہوں گی ماں باپ کسی جانور کے کھونٹے سے بھی باندھ دیں تو بغاوت نہیں کرنی چاہئے وہ تو پہلے پانچ سالوں میں میری گود میں تین بچوں کا بوجھ ڈال کر مجھ سے الگ ہو گیا تھا۔ "تجربے کی بھٹی سے گذرنے کے بعد دل و دماغ میں جاگ اٹھنے والی صداقتیں بڑی ٹھوس ہوتی ہیں لیکن میری کلاس فیلو کا ردعمل اتنا ہی غیر حقیقی اور جذباتی تھا جتنا برسوں پہلے اس کا "عمل"۔ اسلام توازن و اعتدال کا دین ہے۔ وہ کسی طور بھی والدین کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ اپنی پسند اپنی اولاد پر ٹھونسیں اور اولاد کو بھی اپنی پسند ناپسند کا اختیار دینے کے باوجود یہی تلقین کی گئی ہے وہ اسے بزور اپنے والدین پر نہ ٹھونسیں اور خودسری کا راستہ اختیار نہ کریں۔

کسی حادثے سے لذّتیں سمیٹنے اور اقدار شکنی سے روشن خیالی کا عرق کشید کر کے معرکہ "حق و باطل" کا رنگ پیش نہ کریں۔ خود ہی سوچیں کیا ہم اپنی بیٹیوں کو رانیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ ہم چاہتے ہیں کہ قوم کی ہر بیٹی گھر کی فصیل توڑ کر والدین کے خلاف علم بغاوت لہراتے ہوئے اپنی من پسند راہوں پر چل نکلے؟ ذرائع ابلاغ کا کام اجلے راستے تراشنا اور ان قرینوں کا تحفظ کرنا ہے جو ہماری تہذیب کا حسن اور ہماری معاشرت کا اعزار ہیں اگر رانیہ کے والدین کا رویہ مثالی نہیں تو تمام تر ہمدردیوں کے باوجود رانیہ کا کردار بھی کوئی مثالی نمونہ تقلید نہیں ہے۔ محبت کی منہ زوری میں معرکہ آرائی کا تفاخر اور باغیانہ آسودگی کا سرور ہوتا ہے لیکن ایک "محبت" کیلئے ازلی و ابدی محبتوں کے سدا بہار گلستاں اور زمزمے اجاڑ پھینکنے کے اثرات کچھ عرصے بعد سامنے آتے ہیں۔ جب آتش فشاں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو دور دیس سے آنے والی ہواؤں کی آرزو بڑا بے کل رکھتی ہے۔ آنکھیں روٹھی بستی کے مسافروں کی راہ دیکھنے کیلئے دہلیز پر جمی رہتی ہیں۔ کان مانوس آوازوں کو ترس جاتے ہیں، دن بڑے کڑے اور راتیں بہت لمبی ہو جاتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر سے سہیلیوں کے جھرمٹ میں رخصت ہونے والی بیٹیاں بڑی خوش قسمت اور خوش بخت ہوتی ہیں۔ وہ صرف جہیز لے کر ہی نہیں جاتیں، ان کے ساتھ لافانی شفقتوں، محبتوں، عنائتوں، نوازشوں اور دعاؤں کی سوغات بھی ساتھ ہوتی ہے۔ کڑی دھوپ میں دعاؤں کی ٹھنڈی چھاؤں کی طرح تنی رہنے والی چھتریوں سے محرومی کوئی معمولی زیاں نہیں لیکن اس کا اندازہ تب ہوتا ہے جب آشفتہ سری کا خمار اتر جاتا ہے اور آنکھیں گرد و پیش کا منظر دیکھنے لگتی ہیں۔ ایسا وقت آنے میں کچھ دیر بھی نہیں لگتی لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

رانیہ مسلمان بیٹی ہے وہ میری بیٹی بھی ہے۔ اللہ کرے اسے اپنے شوہر کی محبت کے ساتھ ساتھ والدین کی محبت کی گم گشتہ بھی واپس مل جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جب اس کی گود میں ننھی سی "رانیہ" کھیلنے لگے گی تو وہ اور اس کا شوہر دونوں اللہ کے حضور التجا کریں گے کہ ان کی بیٹی ان کی کہانی نہ دہرائے لیکن اس کیلئے رانیہ کو دوبارہ اپنے والدین کی اشد ضرورت پڑے گی! کیا یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہو سکے گا؟ میری دعا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بیٹی رانیہ کے اس راستے کا انتخاب نہ کرے! ثم آمین

نامکمل ہی پہن لو کپڑے کچھ نہیں تو ثقافت ہی سہی

بروز جمعرات ۵ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۷ نومبر ۲۰۱۴ء

خوف

خوف ایک ایسا لفظ ہے جو دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی کسی قسم کے مافیا وجود رکھتے ہیں یہ ان کے ساتھ منسلک سمجھا جاتا ہے۔ یہ مافیا اپنے ماحول کو اس شہر کو بستی یا محلے کو ایک مستقل خوف کا شکار رکھتا ہے۔ ذرا سا خوف کم ہونے کا تاثر نظر آئے تو اچانک کوئی ایسا حادثہ یا سانحہ رونما کر دیا جاتا ہے کہ پوری کی پوری بستی خوف سے کانپنے لگتی ہے۔ لوگ سر شام گھروں میں بند ہو جاتے ہیں اور ڈر کی وجہ سے اگر اپنے سامنے کوئی جرم ہوتا دیکھ بھی لیں تو زبان نہیں کھولتے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا مافیا خود بھی خوف کا شکار رہتا ہے۔ اسے ڈر ہوتا ہے کہ ایک دن علاقے کے لوگ اذیتوں، پریشانیوں اور اموات سے اتنے تنگ آ سکتے ہیں کہ انہیں اپنی زندگی کی پرواہ نہ رہے اور اس مافیا کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اسی لئے مافیا کبھی بھی لوگوں کو منظم نہیں ہونے دیتا۔ کسی تحریک یا کسی چھوٹے سے احتجاج کو بھی خوف اور ممکن ہو تو خوفناک تشدد سے خود ہی آغاز میں کچل دیتا ہے۔

دنیا کے ہر بڑے شہر میں ایسے مافیا وجود رکھتے اور رکھتے رہے ہیں۔ برازیل کے ساؤ پولو سے لے کر اٹلی کے روم تک اور بنکاک سے لے کر بھارت کے کشمیر سے کیرالہ تک ہر جگہ ایسے مافیا مدتوں تک لوگوں کا خون خشک کرتے رہتے ہیں۔ ان میں کچھ مافیا ایسے ہوتے ہیں جو پس پردہ رہ کر اپنے جائز و ناجائز دھندوں کا بازار گرم رکھتے ہیں، سیاست دانوں، انتظامیہ اور پولیس میں لوگوں کو نوازتے ہوئے اپنا مطیع بنا لیتے ہیں لیکن چند مافیا ایسے بھی ہوتے ہیں بلکہ دنیا بھر میں ہیں جو ایک سیاسی پارٹی کے طور پر ایک خاص نظریہ لے کر کام کرتے ہیں۔ الیکشن جیتتے ہیں، اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں، گورنریوں اور وزارتوں کے قلمدان سنبھال لیتے ہیں لیکن ان کے مطیع وہ جرائم پیشہ لوگ ہوتے ہیں جو ان کے اشارۂ ابرو پر جب چاہیں، جس وقت چاہیں پورے شہر یا علاقے کو خوف میں مبتلا کر دیں۔

دنیا بھر کے شہروں میں جہاں جہاں مافیا وجود میں آئے ان کی چند مخصوص علامتیں اور چند مخصوص طریقے ہوتے ہیں جن کی صرف ہیئت تھوڑی بدلتی ہے لیکن مقصد ایک ہی رہتا ہے۔ ان مافیاز کا پہلا کام اپنے علاقے کے بااثر لوگوں، تاجروں، سرمایہ داروں اور صاحبان حیثیت کو خوف کا شکار کرنا اور ان سے اپنی کارروائیوں کے لئے رقم وصول کرنا ہوتا ہے۔ یہ رقم براہ راست بھی لی جا سکتی ہے اور کسی رفاہی کام، تقریب یا مہم کے سلسلے میں چندے کے طور پر بھی لیکن یہ وصولی اتنی آسان نہیں ہوتی۔ کوئی شریفانہ گفتگو سے قائل ہو کر اپنی جیب سے پیسے نہیں نکالتا۔ مافیا کو اس سلسلے میں پہلے بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ ذرا سے انکار پر گولی سے اڑا دو، اغوا کر کے بدترین تشدد کرو اور اس کی لاش کسی ویرانے میں پھینک دو۔ ہر ملک اور ہر شہر کا اپنا فیشن ہوتا ہے۔ کہیں پلاسٹک کے تھیلے میں لاش ملتی ہے تو کہیں ایلومینیم کے ٹرنک میں یا پھر بوری بند۔ لاش پر شدید اذیت کے نشان ثبت کئے جاتے ہیں تاکہ خوف کی لہر دوڑ جائے۔ مزید خوفزدہ کرنے کے لئے جسموں پر لوہے کی گرم گرم مہروں ، تیز دھار چاقو یا پھر ڈرل کے ذریعے پیغامات یا نعرے یا پھر چند مخصوص نشان داغ دیئے جاتے ہیں تاکہ رقم دینے سے انکار کرنے والے کو وہ اذیت اور تکلیف زندگی بھر یاد آتی رہے جو اس نے ان کے اذیت خانے میں برداشت کی ہے۔

مافیا دوسرا کام ان اداروں کو خوفزدہ کرنے کا کرتا ہے جو امن و امان سے منسلک ہوں جن کی ذمے داری ہو کہ ایسے لوگوں سے عوام کو نجات دلائی جائے جو پولیس والا ، تفتیشی ایجنسی والا یا کوئی آزاد تحقیقاتی ادارے کا رکن انہیں سر اٹھاتے نظر آئے اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اس کی لاش کو نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ مافیا کا اگلا شکار وہ لکھنے والے ہوتے ہیں جو ان کی دہشت اور غنڈہ گردی کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا بھر کی صحافتی تنظیموں نے وہ ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے کہ کتنے ایسے صحافی تھے، لکھنے والے تھے، دانشور تھے جو ان مافیاز کے ہاتھوں قتل ہوئے،

کتنے اخبارات کے دفتر جلائے گئے، کتنے کیمرے توڑے گئے، کتنے صحافیوں کو اغوا کیا گیا۔ کتنے لکھنے والوں کے بیوی بچوں کو ہراساں کیا گیا، اس لئے کہ لکھنے والے، صحافی اور میڈیا کے لوگ مافیا کا خوف لوگوں کے دلوں سے اتارتے ہیں اور اگر لوگوں کا خوف اتر گیا تو مافیا کے رکن خوف میں یوں بھاگنے لگتے ہیں، جیسے برسات میں پتنگے۔ دنیا کے ہر مافیا کا انچارج میکسیکو میں ٹوکیو کے مافیا کا انچارج ہانگ کانگ اور گرنیڈا کے مافیا کا انچارج امریکا، لندن یا کسی مغربی ملک میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کا خوف اس کے اپنے ملک پر مسلط تھا۔

لیکن ان تمام مافیاز کی ایک پہچان بہت خاص ہے، انہیں دل سے جس نظام سے نفرت ہوتی، وہ جسے خوفزدہ کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں وہ آزاد اور خود مختار عدلیہ ہے۔ دنیا میں قتل ہونے والے ججوں اور وکیلوں کی تعداد اٹھالیں تو ان میں کثیر تعداد بلکہ حیرت انگیز اکثریت ان کی ہے جو مافیاز کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اٹلی، برازیل، میکسیکو، تھائی لینڈ، بیٹی، ٹوکیو، بھارت، کراچی، پشاور غرض دنیا کے کسی بھی ملک میں آزاد عدلیہ کے خلاف اگر کسی کو ہتھیار اٹھا کر سرگرم عمل دیکھیں گے تو یہی مافیا ہوتا ہے، انہیں ایسے ججوں کے نام سے نفرت ہوتی ہے جو لوگوں کو انصاف دیتے ہوئے مافیا کا خوف ان کے دل سے نکال دیں کیونکہ اگر یہ خوف دل سے نکل گیا تو پھر ان کا بستر گول ہو جاتا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں ایسی صورتحال آئی انہوں نے اپنی پوری سفاکی دکھائی، ان کی وحشت و بربریت عروج پر جا پہنچی۔ یہ درندے بن گئے ۔ انہوں نے لوگوں کے گھروں کو آگ لگائی، بچوں کو قتل کیا، لوگوں کو اذیتیں دے کر مارا، زندہ جلایا کہ کہیں ان کا خوف ختم نہ ہو جائے۔

ایسی مثالیں دنیا کے ہر اس ملک میں بکھری ہوئی ہیں جہاں ایسے مافیاز وجود میں رہے یا ہیں لیکن وقت کے اوراق یہ کہانی بھی سناتے ہیں کہ جوں جوں ان کی درندگی اور سفاکی عروج پر آتی ہے اسی تیز رفتاری سے لوگوں کا خوف بھی دلوں سے نکلنے لگتا ہے لیکن موت کا خوف اس مافیا کو ایک درندے میں تبدیل کر دیتا ہے جسے بس اپنے بچاؤ کے لئے آخری وار کرنا پڑتا ہے کسی کو زندہ جلا کر یا اذیت ناک موت دے کر کیونکہ اس کے بعد لوگوں کی نفرت کا سیلاب اس مافیا کی جانب بڑھتا ہے کہ پوری بستی میں جائے اماں تک نہیں ملتی۔ کیا ہم اب خوف کا لبادہ اتار پھینکنے کی پوری جستجو کر رہے ہیں؟

بروز سوموار ۹ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ یکم دسمبر ۲۰۱۴ء

مغرب کا لرزتا قصر

حق چراغاں ہی رہا ہے آندھیوں کے درمیان

حدیث قدسی کے ایک قریب ترین مفہوم کے مطابق ہر خیر میں شر اور ہر شر میں ایک خیر کا پہلو ضرور چھپا ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے مغرب کا بغض وعناد کوئی نئی بات نہیں، حالانکہ خود ان کے بہت سے باشندے اور خاص طور پر خواتین اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو رہی ہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جس دین کے ماننے والوں کو مغرب میں دہشت گرد کہا اور سمجھا جاتا ہے، اس دین کی حقانیت اور اس کی جدت پسندانہ آفاقی تعلیمات نے ان کے لئے اپنے معاشرے میں بھونچال پیدا کر رکھا ہے اور آج مغربی ممالک ہیں کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی اکثریت سے پریشان ہو کر ہر برائی اور بدی کا ہر الزام مسلمانوں کے سر تھوپ کر اسی سچائی کو مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جس کو ان کے اپنے دل بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنی زبان سے اس کا اقرار نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب کا سارا زور اس بات پر مرکوز ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو دنیا بھر میں ناعاقبت اندیش، رجعت پسند، انتہا پسند اور دہشت گرد بنا کر پیش کیا جائے تاکہ وہ سلیم الفطرت غیر مسلم جن میں اسلام قبول کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے، ان کو مسلمانوں سے متنفر کر کے دائرہ اسلام کی وسعتوں کو کو محدود کیا جا سکے:

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مسلم دنیا کو اس وقت کئی چیلنجز کا سامنا ہے جن میں سے ایک اہم چیلنج انسانی وقار اور عظمت کا احترام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے انسانی عظمت اور وقار کیلئے جو جدوجہد کی ہے اس کا ایک عالم ہی اعتراف نہیں کرتا بلکہ تاریخ کا ایک ایک ورق اس کی گواہی بھی دیتا ہے۔ امت مسلمہ کا تصور نہائت قابل احترام ہے اور اس کے ساتھ مختلف معاشروں میں پائے جانے والے ثقافتی تنوع کا احترام اور شناخت بھی ضروری ہے۔ مغربی معاشرہ اس اہم ترین مسئلے پر روایتی گروہوں پر مشتمل ہے۔ بایں ہمہ اگر عالمی امن اور گلوبل ولیج کے تصور کو اجاگر کرنے کی اقوام عالم کو واقعی ضرورت درپیش ہے تو اسلام کے تصور انسانی عظمت و وقار پر عمل درآمد وقت کا اہم ترین تقاضا ہے تاکہ بین الاقوامی سطح پر امن و مفاہمت کا قیام اور فروغ یقینی بنایا جا سکے۔ اسلام کسی خاص گروہ یا نسل کیلئے نہیں ہے، کسی ایک ظرف زماں اور ظرف مکان کے لئے نہیں بلکہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جو ہر انسان کی نجی آزادیوں، عظمت اور وقار کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ لہٰذا مغربی معاشروں کو مسلمانوں سے تعصب برتنے کے بجائے مسلمانوں کی عزت اور وقار کا احترام کرنا چاہئے تاکہ ان سے زمین پر سلیقہ مند طریقے پر جینے کا درس پا سکیں۔ گو کہ پورا مغربی معاشرہ مسلمانوں کے ساتھ تعصب نہیں برتتا اور نہ ہی سارے مغرب میں مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے لیکن مغربی معاشروں میں اچھے اور برے مسلمانوں کا تصور موجود ہے اور ایسا تو دنیا کے ہر مذہب کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اچھے اور برے لوگ تو ہر مذہب اور قوم اور سماج میں پائے جاتے ہیں لیکن کسی بھی قوم کے چند برے لوگوں کی وجہ سے پوری قوم کو دہشت گرد اور انسانیت کا مخالف قرار دینا کہاں کا حق و انصاف ہے؟ افسوس کہ اکثر مغربی ممالک میں یہ ناانصافی ہو رہی ہے جس کے خلاف مسلمان اور مسلمانوں کو اچھا سمجھنے والے دیگر قومیتیں دنیا بھر میں احتجاج کر رہی ہیں۔ اس کا اظہار برطانوی مسلمان بھی اکثر و بیشتر یہاں لندن میں بھی انصاف پسند عناصر کرتے نظر آتے ہیں۔

مغربی دنیا میں مسلمانوں کے حوالے سے دوہرا معیار اور رویہ بھی پایا جاتا ہے۔ مغربی معاشرے میں اچھے اور برے مسلمانوں کا تصور کچھ یوں پایا جاتا ہے کہ ایران کے شیعہ مسلمان علامہ آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں انقلاب ایران کے بعد برے مسلمان ہو گئے جب کہ عراق کے سنی مسلمان

ایران اور عراق جنگ کے دوران اچھے مسلمان تھے لیکن عراق اور امریکا کے درمیان لڑی جانے والی جنگ میں وہ بھی برے مسلمان ہو گئے۔ افغانستان کے مسلمان جب تک روس کے خلاف جہاد میں مصروف تھے تو بہت اچھے مسلمان تھے لیکن بعد میں یہی لوگ برے مسلمان اور رجعت پسند طالبان ہو گئے۔ یوں مسلمانوں میں مسلکی تفرقات کو ہوا دینے کے علاوہ ان میں شکوک و شبہات اور منافرتوں کا جہنم زار بھی سلگایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کا غیر انسانی رویہ اپنا کر مغربی ممالک اپنی جانبداری، مفاد پرستی، مسلم دشمنی اور بدترین تعصب کا جو مظاہرہ کر رہے ہیں، اس کی وجہ سے مسلم دنیا میں بڑا غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ اس کا اظہار مسلم ممالک کے عوام کی جانب اکثر ہوتا رہتا ہے لیکن مغربی دنیا کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ خاص طور پر نائن الیون کا تحقیق طلب ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا دہشت گردانہ سانحہ پیش آیا، مسلمانوں کے ساتھ مغربی دنیا کا برتاو انتہائی متعصبانہ ہو گیا اور اس کی نظر میں ہر دوسرا مسلمان دہشت گرد ہے۔ اب تو مغربی دانشوروں کی طرف سے بھی اس بات کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ مغرب کو مسلمانوں کے بارے میں اپنا یک طرفہ اور جانبدارانہ رویہ بدلنا ہو گا ورنہ مسلمانوں کے دلوں میں مغرب کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت کسی بڑے اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی ہے جو دیار مغرب کو بہالے جائے۔

برطانیہ بھی ایک ایسا ملک ہے جس میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد آباد ہے اور تمام تر ناموافق حالات کے باوجود وہاں کے مسلمان اپنے دین اسلام پر نہ صرف قائم ہیں بلکہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں بھی مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے دیگر ممالک کی طرح برطانیہ میں بھی اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے جس سے باطل طاقتیں اور آزادی عقائد و مذاہب کے مخالف بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر کسی بھی منفی واقعے کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دینے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے۔ انہیں ہر داڑھی رکھنے والا شخص دہشت گرد دکھائی دیتا ہے اور ہر حجاب کرنے والی خاتون دقیانوسی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب برطانیہ کے بعض تعلیمی اداروں میں بھی مذہبی تعصب کی بنیاد پر حجاب پہننے پر پابندی عائد کی جانے لگی ہے جس کے خلاف آج کل مسلمان گھرانوں کی خواتین اور طالبات اکثر و بیشتر لندن کی سڑکوں پر احتجاج کرتی نظر آتی ہیں۔ ادھر برطانیہ میں ملازمت کے حصول میں بھی مسلمان ہونا ایک مانع بنتا جا رہا ہے، خاص طور پر شرعی داڑھی رکھنے والوں مردوں اور برقعہ پہننے یا حجاب کرنے والی عورتوں کیلئے ملازمت حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ برطانیہ جیسے سیکولر کہلائے جانے والے ملک میں مسلمانوں کے ساتھ جو شرمناک اور قابل صد افسوس تعصب برتا جا رہا ہے، وہ ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ امریکا ہو یا برطانیہ وہ اپنے ان غلط رویوں پر شرمندہ ہونے کی بجائے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں چھپی نفرتوں کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور مسلمانوں کے خلاف دشنام طرازی اور ہرزہ سرائی میں مصروف نظر آتے ہیں اور ان ہی ممالک میں مسلمانوں کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں خاکم بدہن کبھی کسی اخبار میں خاکے بنا کر شائع کر دیے جاتے ہیں کبھی کسی جوتے یا کپڑے کا قابل اعتراض ڈیزائن بنا دیا جاتا ہے جس سے نعوذ باللہ شعائر اسلامی کا تمسخر اڑایا جاتا ہے یا پھر قرآن کریم کے ساتھ اشتعال انگیز چھیڑ خوانی کی جاتی ہے۔ واضح طور پر دیکھا جاتا رہا ہے کہ کبھی مغرب میں کوئی ایسی بے ہودہ فلم بنا دی جاتی ہے جو مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح اور مشتعل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، خاص طور پر توہین رسالتمآب کے نت نئے طریقے مغربی ممالک ان ہی کے ذریعے کر جاتے ہیں اور جب مسلمان اپنے خلاف ہونے والے اس متعصبانہ و غیر مہذبانہ رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو انہیں جاہل، دقیانوس اور دہشت گرد قرار دے کر ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے اور ایسا کرتے وقت انہیں یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ان کے ملک میں بسنے والے مسلمان ان کی معیشت کو مضبوط کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ برسلز بلجیم کی پولیس نے ایک پاکستانی سفارتکار کے نوجوان بیٹے کی تصویر اپنی ویب سائٹ پر بطور ایک دہشتگرد لگا کر

اس کی خوب تشہیر کی۔اس کا قصور یہ تھا کہ وہ اپنا کرکٹ بیٹ کو بارش سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔بعدازاں تحقیق کے بعد پولیس کو اپنی فاش غلطی کا احساس تو ہوا لیکن اتنی سنگین غلطی پر ندامت کا ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا گیا۔ایک عام مسلمان بھی اس رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اہل مغرب سے یہی پوچھنا چاہتا ہے کہ آخر مغرب چاہتا کیا ہے؟ کیا مغرب کی نظر میں سب مسلمان دہشت گرد ہیں اور قابل گردن زنی ہیں؟ کیا برے لوگ مغربی معاشرے میں نہیں پائے جاتے؟ کیا انہیں صیہونیوں کا قتل عام نظر نہیں آتا؟ کیا ان کی نظر عیسائی گھرانوں میں پیدا ہونے والے اور عیسائی مت ماننے والے ہٹلر، مسولینی، سٹالین، پنوشئے کی تاریخ فراموش ہو چکی ہے؟ کیا یہی ظلم و تعدی جمہوریت ہے؟ کیا یہی سیکولرازم جس کا ڈھنڈورہ مغربی دنیا دن رات پیٹتی رہتی ہے؟ اگر یہی جمہوریت اور یہی سیکولرازم اور آزاد خیالی ہے تو اس سے تو ہزار درجہ بہتر وہ لوگ ہیں جنہیں دقیانوسی ہونے اور دہشت گرد ہونے کے طعنے شب و روز دیئے جاتے ہیں، جو کم سے کم انسانیت کا احترام کرنا تو جانتے ہیں اور تمام مسلمان ممالک میں رہنے والے تمام غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کرتے ہیں۔ایسے سیکولر اور جمہوری نظام کا کیا کرنا جس میں انسانیت کا احترام ہی نہ کیا جائے؟؟؟ اور شاباش ہے ان لوگوں پر جو دین اسلام پر کاربند رہنے کی پاداش میں تعصب کا شکار ہو کر دقیانوسی اور دہشت گردی کا ٹائیٹل سجا کر بھی غیر مسلموں سے اپنے ممالک میں حسن سلوک کرتے ہیں اور اسلام کی انسان دوست تعلیمات پر عمل درآمد کرنے میں کوئی بخل نہیں کرتے۔یہی وہ مثبت اور مابہ الامتیاز فرق ہے جو دین اسلام کے پیروں کاروں اور مغرب کے انتہا پسندانہ اور فاسدانہ رویوں میں پایا جاتا ہے۔

مغربی دنیا کی جانب سے اسلامی دنیا پر لگائے گئے الزامات کا اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک قلیل التعداد (میکار سکوپک مینارٹی) یا چند گمراہ گروہ ایسے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے برعکس اہل مغرب کے خلاف متعصبانہ اور دہشت گردانہ کاروائیاں کرنے میں ملوث ہیں۔ان چند لوگوں یا گروہوں کے فعل کو دلیل بنا کر پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کو دقیانوسی اور دہشتگرد قرار نہیں دیا جاسکتا۔پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مسلمان ہونے کے باوجود اگر چند افراد یا گروہوں نے مغربی ممالک کے خلاف جارحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے منفی راستے کو چنا ہے اور ہتھیار اٹھا کر علم بغاوت کیا ہے تو اس کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟ ہر ایکشن کا ری ایکشن ہوتا ہے۔جب کسی قوم سے مسلسل تعصب برتا جائے، اس پر ظلم و جبر کا تیشہ چلایا جائے یا معاشرے میں اس کے کردار کی منفی تشہیر کی جائے، اس کے حقِ حیات پر ڈاکہ ڈال جائے، طاقت کے بل پر اس کے حقوق سلب کیا جائے تو پھر اس کے غصے یا جذبات سے مغلوب ہو کر منفی راستے پر چلنا کوئی ناممکن بات نہیں۔لہٰذا مغرب کو اسلامی دنیا پر دہشت گردی کے الزامات عائد کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر ان رویوں پر غور کرنا چاہئے، جن کی وجہ سے اسلامی دنیا اہل مغرب سے متنفر ہو رہی ہے اور پتہ لگانا چاہیے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جن کی وجہ سے مغربی دنیا میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔اگر برطانیہ اور اس جیسے دیگر مغربی ممالک مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ بند کر کے ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش کریں جن کی وجہ سے مسلمان ان سے متنفر ہو رہے ہیں اور انگریز اپنا مذہب تبدیل کر کے شد و مد سے مسلمان ہو کر دامنِ عافیت، دنیائے انسانیت اور جہانِ صداقت میں وارد ہو رہے ہیں تو شاید آنے والا کل امن اطمینان کا ضامن ثابت ہو وگرنہ تو نفرت ہمیشہ ردعمل میں جوابی نفرت اور انتقام کو جنم دیتی ہے جس سے سوائے تباہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

میں امریکا کے ٹوئن ٹاور پر دہشت گردانہ حملے تک برطانیہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی سالانہ تعداد ساٹھ ہزار سے زائد نہیں تھی لیکن اس واقعے کے بعد ان کی تعداد اب تک تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہو چکی ہے اور ابھی اس تعداد میں مزید اضافے کی بھی توقع ہے اور اس کی بڑی وجہ مغربی میڈیا کی اسلام دشمن مہم کے خلاف رد عمل بھی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو بنیاد پرستی، دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف اور اندیشوں کی عینک لگا کر دیکھ رہا ہے۔ انگلستان، ویلز اور سکاٹ لینڈ کی مساجد سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار اور مذہب اسلام قبول کرنے والی عورتوں اور مردوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ مغربی میڈیا کے زہریلے تشہیری حملے کی زد میں آنے والے مذہب اسلام کو مغرب میں بہت تیزی کے ساتھ توجہ اور احترام حاصل ہو رہا ہے۔ چونکہ ہر عمل کا رد عمل ہوتا ہے اس لئے مغربی میڈیا نے اسلام کو بدنام کرنے کیلئے جو پروپیگنڈہ مہم شروع کی اس کا ایک مثبت فائدہ بھی ہوا کہ انگلستان کے عوام کو اسلام کے اندر جھانکنے اور اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کی بے جا زہریلی مہم کی وجہ جاننے پر اکسایا جس کی وجہ سے غیر مسلموں میں اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور جب ان کو اسلام کی اصل تعلیمات کا حقیقی علم ہوا تو انہوں نے دین حق کو اختیار کرنا شروع کر دیا اور یوں مغربی میڈیا کی منفی مہم ہی ان ممالک میں اسلام پھیلنے کا بہت بڑا سبب بن گئی اور چونکہ برطانیہ کے شہروں میں جہاں ٹی وی نیٹ ورکس، ریڈیو ٹی وی چینلز اور اخبارات کی بھرمار ہے اس لئے وہاں اسلام کو بطور مذہب اختیار کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور عام لوگوں کے ساتھ بہت سے نامور لوگ اور مشاہیر زمانہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں جس کی ایک بڑی مثال پیٹر سیلرز بھی ہیں جو برطانیہ کے ایک بہت بڑے اور معتبر فوٹو گرافر ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر انہوں نے کئی سال قبل اسلام قبول کیا۔ پیٹر سیلرز کا کہنا ہے کہ: برطانیہ کے لوگوں کو مشرقی مذاہب اور مشرقی معاشروں میں ان روحانی قدروں کی تلاش ہے جو مغربی معاشروں اور مغربی مذاہب میں مفقود ہو چکی ہیں۔ مغربی معاشروں میں بیماری کی حد تک بڑھی ہوئی ہوسِ زر نے لوگوں کے ناموس کو اس حد تک غارت کر دیا ہے کہ انہیں ناموس جیسی شے کی عدم موجودگی کا احساس بھی نہیں رہا اور ناموس کی غارت گری، انتہا پسندی، بنیاد پرستی بلکہ دہشت گردی کی بدنامی سے بھی واضح اور دکھائی دینے والی ہے۔ برطانیہ کے ایک نامور شہری کے ان خیالات کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مغربی دنیا میں اسلام قبول والوں کی تعداد میں مسلسل اضافے کا اصل سبب کیا ہے۔

یہ چمن مامور ہو گا جلوہ خورشید سے

بروز بدھ ۱۱ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۳ دسمبر ۲۰۱۴ء

عجیب ہیں ناں ہم سب !

میں بہت بولتا ہوں۔ سب لوگ میرا منہ تکتے رہتے ہیں۔ میں کسی کو موقع ہی نہیں دیتا کہ وہ بھی کوئی بات کرے۔ لوگوں کو گرفت میں لینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں یہ بھی نہیں دیکھتا کہ میرا مخالف کون ہے۔ بڑا ہے، چھوٹا ہے، مرد ہے، عورت ہے، بچے ہیں۔ بس بلا تکان بولتا رہتا ہوں۔ ہاں میں نے بہت مرتبہ پڑھا ہے "جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا " لیکن میں نے اس پر کبھی عمل نہیں کیا۔ شاید کر ہی نہیں سکتا۔ خود پسندی اور اپنی فوں فاں میں مگن، اپنے خیالات کا اسیر اور اپنی چرب زبانی پر نازاں۔

ایک دن میرے ایک بہت ہی پیارے بابے نے مجھ سے ایک عجیب سی بات کی "دیکھ پگلے تو بہت بولتا ہے۔ محفل کو دیکھ کر بات کیا کر۔ جس نے دیکھا نہیں اُسے کیا دکھانا۔ ہنسا کر، ہنسایا کر۔ لیکن ہر بات ہر ایک سے نہیں کرنی۔ دیکھ تو آنکھیں، کان کھلے اور اپنی زبان بند رکھ۔ تنہائی سے بات کر، محفل میں خاموش رہ، اکیلے میں محفل سجا اور محفل میں تنہا ہو جا۔"

واہ، واہ کیا بیکار سی بات کی آپ نے، اچھا، کوئی کام کی بات بتایا کریں۔ خوامخواہ کی بات" میں نے انہیں خاموش کر دیا۔"

"او ٹھیک ہے، ٹھیک ہے پگلے، تیرا اچھا بھی راہ پر آئے گا۔"

کتنی بد نصیبی ہے، میں اب تک گمراہ ہوں۔ کتنی عجیب سی بات ہے، میں کچھ نہیں جانتا اور جاننے کا دعوے دار ہوں۔ میں اپنے جہل کو علم کہتا ہوں، چرب زبانی کو ذہانت، مکاری کو اخلاص، ہوس کو محبت، چالاکی کو ہنر، دھوکے کو کمال، کراہت کو جمال، اداکاری کو ہتھیار سمجھتا ہوں۔ میں ڈرا ہوا ہوں، سہما ہوا ہوں، خوفزدہ ہوں لیکن خود کو بہت بہادر سمجھتا ہوں۔ میری نیت کچھ اور ہے اور عمل کچھ اور۔ میں صرف اپنی محبت میں گرفتار ہوں اور خود کو آزاد سمجھتا ہوں۔ میں اپنے نفس کی پیروی کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میں رب کا بندہ ہوں۔

میں رب سے محبت کا دعویٰ کرتا اور مخلوق کے لئے آزار بنا رہتا ہوں۔ میرا رونا مکر کا رونا ہے۔ میرے آنسو فریب ہیں۔ میری ہمدردی دکھاوا ہے۔ میرا ایثار تجارتی ہے۔ میرا خلوص بازاری ہے۔ میں مجسم فنکار ہوں۔ تاجر اور نرا تاجر، جو جمع تفریق کرتا رہتا ہے، مکر و فریب کی دنیا کا باسی، ہوس نفس کا پجاری۔ میں کسی کے کام نہیں آتا اور توقع رکھتا ہوں کہ لوگ میرے حضور دست بستہ کھڑے رہیں۔ میں سب کے حقوق غضب کر کے بھی اپنے حقوق کا طلبگار ہوں۔ میں دوسروں کو ان کے فرائض یاد دلاتا رہتا ہوں اور اپنے فرائض کو بھول گیا ہوں۔

میں نے نصیحت کرنے کا آسان کام اپنے لئے منتخب کر لیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا مشکل کام مخلوق کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ میں کالم اس لئے نہیں لکھتا کہ اس سے خلق خدا روشنی پائے۔ میں یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ مجھے اس سے شہرت مل جائے، اور ناموری کا مجھے چسکا لگ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میری بات سنیں چاہے میں ان کی کوئی بات بھی نہ سنوں۔ میں اوروں کو آئینہ دکھاتا رہتا ہوں اور کوئی مجھے آئینہ دکھائے تو منہ سے جھاگ اڑانے لگتا ہوں۔ اب تو الیکٹرانک میڈیا میں بھی میری شکار گاہ قائم ہو چکی ہے جہاں میری بے مہار گفتار کی بندوق بلا تامل مخالفین کے سروں کا نشانہ لیکر چیتھڑے اڑانے میں ایک لذت محسوس کرتی ہے۔ اس کے باوجود میں اس عوام سے توقع رکھتا ہوں کہ مجھے راست گو دانشور سمجھتے ہوئے مجھے اپنی محفلوں میں مہمان خصوصی کے طور مدعو کریں جہاں میں لوگوں کو یہ درس دیتا ہوں کہ تم کو اس ملک نے کیا دیا جبکہ میں نے تو اپنا حق اس ملک اور معاشرے سے بزور طاقت چھینا ہے۔ ہے ناں عجیب سی بات !

میں خود کو بہت باعلم اور لوگوں کو مجسم جہل سمجھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں کسی تقریب میں جاؤں تو سب لوگ میرے احترام میں کھڑے

ہو جائیں اور اگر کوئی میرے پاس اپنا دکھ بیان کرنے آئے تو میں مصروفیت کو خود پر اوڑھ کر اسے چلتا کر دوں۔ معصوم و مظلوم انسانوں کے چہروں پر اداسی ناچ رہی ہو، بھوک نے انہیں بنجر بنا دیا ہو، وہ در بدر خاک بسر ہوں مگر میں اپنی دانش وری کا کمال دکھا رہا ہوں اور پھر بھی انسانیت کے دکھوں کا پرچارک بنا ہوا ہوں۔ وہ رت جگے کر رہے ہوں اور میں چین سے سوتا رہوں۔ وہ اپنے جائز کاموں کے لئے خوار ہو رہے ہوں اور میرے ایک فون پر سارے کام ہو جائیں۔ وہ دھوپ میں لائن لگا کر کھڑے ہوں اور میں اندر جا کر افسر سے چائے پی کر اپنا کام کروالوں۔ عجیب سی بات ہے ناں۔

میں سیمینار پر سیمینار سجائے چلا جا رہا ہوں۔ منرل واٹر پیتا ہوں۔ یخ بستہ پنج و ہفت ستارہ ہوٹلوں میں بعام و قیام کرتا ہوں۔ لگژری گاڑی میں سفر کرتا ہوں اور رونا روتا ہوں مفلوک الحالوں کا۔ میں نے آج تک فاقہ نہیں کیا اور فاقہ زدوں کا دکھ لکھتا ہوں۔ میں نے غربت دیکھی تک نہیں اور غریبوں کا ہمدرد بنا پھرتا ہوں۔ جمہوریت کے نام پر پریس کی آزادی کا خوب فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے بخئے ادھیڑ کر اس معصوم عوام کے دلوں میں ہمدردی کی جوت جگاتا ہوں لیکن در پردہ اپنی جبینِ نیاز انہی کے حضور جھکا کر اپنے سارے کام کرواتا ہوں۔ حکومت وقت کے خلاف میرے الفاظ نرے لفظ ہیں، بے روح لفظ۔ میں لایعنی تحقیق میں لگا رہتا ہوں۔ میں زندہ مسائل کو نظر انداز کر کے اپنے قاری کو فضول مباحث میں الجھائے رکھتا ہوں ۔اس لئے کہ کہیں اصل مسائل کی طرف اس کی توجہ نہ چلی جائے اور وہ اس انسان کش نظام کے خلاف اٹھ کھڑا نہ ہو۔ عجیب ہوں ناں میں۔

میں خود دوغلا ہوں اور، اوروں کو منافق کہتا ہوں۔ میں نے اپنے ضمیر کا سودا کر لیا ہے، میرے اندر سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہیں اور میں اوپر سے خوشبو لگائے پھرتا ہوں ۔ میں اپنے اندر کے انسان کو سولی دے چکا ہوں۔ میں خوبصورت لباس میں درندہ ہوں۔ میں صرف خود جینا چاہتا ہوں۔ مجھے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے اپنا پیٹ بھرنا ہے، مجھے بھوکوں، ننگوں، ناداروں، مفلسوں سے کیا لینا دینا۔

میں زرداروں کے آگے بچھا جاتا ہوں اور کوئی نادار سلام کرے تو مجھے ناگوار گزرتا ہے۔ میں سماجی بہبود کے کام اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے یہی کرنا چاہئے بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ میری واہ واہ ہو۔ میں اپنی تعریف سن کر نہال ہوتا رہتا ہوں۔ میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ جس ملک نے مجھے یہ ساری راحتیں اور نعمتیں عطا کی ہیں، اب ایک قدم اور آگے بڑھ کر میں بھی ان انقلابیوں کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہو کر رونمائی کا شرف حاصل کروں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی زبان و قلم کے توسط سے ان کے گلے کا ہار بنوں جو اس عوام کو آزادی کے نام پر انقلاب کی نوید سنا رہے ہیں۔

لیکن میں یہ بھول گیا ہوں کہ اصل کو بقا ہے۔ جعل سازی کبھی پنپ نہیں سکتی۔ بار آور نہیں ہو سکتی۔ کوئی انقلاب نہیں لا سکتی۔ سفر کیلئے جیٹ طیارہ ، سینکڑوں کنال کا گھر ،لاکھوں روپے کے یومیہ اخراجات، گھر کے دالان میں کروڑوں روپے کی گاڑیوں کا ایک اسکواڈ ہر وقت تیار، درجنوں اسلحہ بردار محافظوں کی قطار، ان حالات میں گلے سڑے نظام کی پیوند کاری کب تک کی جا سکتی ہے؟ آخر اس انسان کش نظام کو فنا ہو جانا ہے، مجھے بھی اور ان انقلاب کے داعیوں نے بھی۔ سب اپنی اپنی قبر کا پیٹ بھریں گے۔ موت ہمارے تعاقب میں ہے اور ہم جینے کے لئے منصوبے بنا رہے ہیں۔ میں

بندۂ رب نہیں بندۂ نفس ہوں۔

عجیب ہیں ناں ہم سب!

کچھ بھی تو نہیں رہے گا یارو۔ بس نام رہے گا اللہ کا۔

اجل سے خوفزدہ، زیست سے ڈرے ہوئے لوگ
کہ جی رہے ہیں میرے شہر میں مرے ہوئے لوگ
یہ عجزِ خلق ہے یا قاتلوں کی دہشت ہے
رواں دواں ہیں ہتھیلی پہ سر دھرے ہوئے لوگ

بروز جمعۃ المبارک ۱۳ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۵ دسمبر ۲۰۱۴ء

"کن فیکون"

فون کی گھنٹی مسلسل شور مچا رہی تھی، ہاتھ بڑھایا تو دوسری طرف سے سرور بھائی کی آبدیدہ آواز سن کر دل کی رفتار بے ترتیب ہونے لگی۔ "الٰہی خیر، کیا ہوا؟" سرور بھائی رندھی آواز میں بمشکل یہ کہہ پائے کہ ذرا فوراً ٹی وی آن کریں اور لاہور کی شاہراہ کا منظر ملاحظہ کر لیں کہ کس طرح اندھے قانون کی آڑ میں خادم اعلیٰ کی جانباز پولیس بصارت سے محروم افراد پر طاقت آزمائی کر رہی ہے۔ بھائی! کیا ان کے سینوں میں دل نام کی کوئی چیز بھی موجود ہے، کیا یہ سب اندھے ہو گئے ہیں، میرے دل سے یہ.... ...؟؟؟

آہستہ بولیں، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، کہیں موت کا فرشتہ نہ سن لے۔ مظلوم کی شب بیداری، آہیں، سسکیاں اور بد دعائیں بجا سہی لیکن الجبار والقہار کی رسی کی ڈھیل کو "کن فیکون" کی جنبش کا انتظار ہے۔ رسی کی ڈھیل آخر کب تک؟

برامکہ خاندان جو نہایت خطرناک مشہور تھا، بغداد میں ہارون الرشید کی وزارت کی کرسیاں انہی کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ لوگ عوام کے خزانہ پر عیش و عشرت کرتے رہے ۔ عوام پر مظالم ڈھاتے رہے۔ سرکشی اور بغاوت کو جنم دیا۔ خوف خدا سے غافل تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا نظام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سچ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر جب اسے پکڑ لیتا ہے تو اسے قابل عبرت بنا دیتا ہے۔" اللہ تعالیٰ سورۃ ہود میں فرماتے ہیں کہ "**وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ**" تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جبکہ وہ بستیوں میں رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ تکلیف دینے والی نہایت سخت ہے۔" خلیفہ کو گمراہ خاندان کی عیاشیوں اور مظالم کی خبر ہوئی تو اس نے ان لوگوں کی پیٹھ پر کوڑے برسائے۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ انہیں قتل کروا دیا۔ اسی خاندان کا ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس پر کوڑوں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ مسلسل رو رہا تھا۔ اس سے ایک غلام نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیسی مصیبت تم لوگوں پر آپڑی ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا "کسی مظلوم کی بد دعا راتوں رات ہمیں لگ گئی ہے، ہم غفلت میں پڑے سو رہے تھے لیکن اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں تھا۔ اللہ نے برحق فرمایا "تم محو خواب ہو جاتے ہو جبکہ مظلوم کو نیند نہیں آتی۔ وہ تمہارے لئے بد دعا کرتا ہے۔ جان رکھو! اللہ کی آنکھ نہیں سوتی۔" رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "مظلوم کی دعا اور بد دعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے، اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میری عزت کی قسم! میں تیری ضرور اور بالضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت بعد ہی سہی"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اس کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے"۔

بلائیں اور آفتیں جب نازل ہوتی ہیں تو وقت سے پہلے لوگوں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ دروازوں کے کواڑ ذرا سے ہلیں تو کسی غیر مرئی چیز کی آمد کا احساس ہوتا ہے۔ ذرا سی تیز ہوا ہو تو خوفناک آندھی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اچانک کوئی غیر معمولی واقعہ بار بار ہونے لگے تو بدشگونیاں نکالی جاتی ہیں۔ انسان مدتوں سے بلکہ جب سے اس نے اس کائنات میں ہوش سنبھالا ہے، آفتوں اور بلاؤں کے خوف سے آزاد نہیں ہو سکا۔ نصیب اور بد نصیبی ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جسے انسان ازل سے آج تک حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہر دفعہ بد نصیبی کی کوئی نہ کوئی تعبیر ضرور ہوتی ہے۔ کوئی اسے کسی ظلم، بربریت اور درندگی کا شاخسانہ سمجھتا ہے تو کہیں اسے ظلم پر طویل خاموشی اور چپ کی وجہ سے ایک سزا تصور کیا جاتا ہے۔ مدتوں لال آندھی کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ کہیں قتل ناحق ہو گیا ہے۔

اب تو ہماری گلیوں، بازاروں اور چوراہوں پر اتنے ناحق لوگ قتل کئے جانے لگے ہیں کہ لال آندھی نے بھی شرمسار ہو کر نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ مدتوں

بڑے بوڑھے کسی شخص یا خاندان کے اجڑنے کی کہانی سناتے تو بتاتے کہ اس خاندان کے فلاں شخص نے کسی پر ظلم کیا۔ کسی کا حق مارا، کسی یتیم کا مال کھایا یا کسی مظلوم اور بے آسرا شخص کا خون کیا۔ ایک ایسے ڈاکو اور قاتل کی کہانی میرے اپنے بچپن میں میرے شہر میں زبان زد عام ہوئی جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ اس کی لاش گھر پہنچی تو اس کے خاندان کے لوگوں نے حیرت میں ڈال دینے والی داستان بیان کی۔ اس کے والد نے پلو سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا کہ جب اسے پھانسی کی سزا ہوئی تو میں اس کے پاس گیا۔ میں نے اسے کہا کہ تم قرآن پر قسم کھا کر کہو کہ یہ قتل تم نے کیا ہے یا نہیں ۔اس لئے کہ اگر تم نے قتل نہیں کیا تو میں اللہ کے کسی نیک بندے کے پاس جا کر عرض کروں کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے تاکہ تم بے گناہی کے جرم اور سزا سے بچ جاؤ۔ اس نے قرآن پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ میں نے بہت قتل کئے، چوریاں کیں، مال لوٹا لیکن جس قتل میں مجھے سزا ہو رہی ہے وہ میں نے نہیں کیا۔

باپ نے کہا کہ میں وہیں سے اٹھا اور ایک صاحب بصیرت اللہ کے نیک بندے کے پاس چلا گیا۔ اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے چاہے تو پھر جھٹک کہنے لگے یہ تم اپنے بیٹے سے دیئے اور کہا وہ گائے کی بچی بہت تنگ کر رہی ہے۔ وہ بہت بلبلا رہی ہے۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پوچھ لو۔ وہاں جا کر پوچھا تو اسے یاد آیا کہ ایک دفعہ وہ کسی گاؤں سے ایک گائے چوری کر کے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اس گائے کے پیچھے پیچھے ایک اس کی دودھ پیتی گائے کی بچی بھی آ رہی تھی۔ گائے اسے مڑ مڑ کر دیکھتی اور اپنے پاؤں زمین میں گاڑ دیتی۔ جس سے ہمیں اسے کھینچنا مشکل ہو رہا تھا اور پکڑے جانے کا خوف دامن گیر ہو گیا۔ میں نے بندوق نکالی اور اس گائے کی بچی کو فائر کر کے مار دیا۔ تھوڑی دیر تڑپ کر بچی مر گئی۔ گائے خاموش سی رہی لیکن ایک دفعہ کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھا اور ہمارے ساتھ چل پڑی ۔ باپ نے کہا بس میں اٹھ کر آ گیا کیونکہ فیصلہ اس مالک کائنات کی طرف سے ہو چکا تھا جو دکھی دلوں کی فریاد سنتا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اب اسے کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔

گزشتہ چند دنوں سے جو خوف سراسیمگی میں اپنے ارد گرد دیکھ رہا ہوں، لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے پھرتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ ہر کوئی آنے والے دنوں سے پریشان ہے جس صاحب نظر سے ملو وہ کہتا ہے بلائیں نازل ہونے والی ہیں، آفتیں گھیر چکی ہیں۔ کوئی کہتا ہے صفائی کا وقت ہے تو کسی کی زبان پر یہ لفظ ہیں کہ دو بہت بڑے سانحے ہمارے انتظار میں ہیں۔ اس ساری بے یقینی اور سارے خوف کے عالم میں یوں لگتا ہے کہ میری حالت بھی اس باپ کی طرح ہے جو پوچھتا پھر رہا ہو کہ کوئی تو قسم اٹھا کر کہہ دے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کسی ظلم پر بے حسی اور خاموشی اختیار نہیں کی لیکن ہمارے صاحبان اقتدار اور طاقت کے نشے میں بدمست حکمرانوں کے نامۂ اعمال پر تو نجانے کون سے نامعلوم اور بے گناہ انسانوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ظلم و ستم کے ایسے دھبے ہیں کہ ڈرتا ہوں کہ آفتیں اور بلائیں یہاں گھر نہ کر لیں۔

یوں لگ رہا ہے جیسے موجودہ حکومت کی ہتھیلی کی لکیروں میں عبرت کی سلوٹیں روز بروز سکڑ رہی ہیں۔ حتّٰی کہ اسے اپنی ہی مٹھی چیخ دینے کو ہے۔

کیا پچھلے تین ماہ سے زائد ان دھرنوں اور جلسوں کا بدلہ لینے کیلئے ان مجبور و مقہور افراد کا ساتھ یہ سلوک کیا گیا یا پھر دھرنے دینے والوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے۔ اسی لاہور کے ماڈل ٹاؤن میں جیالی پولیس کے کارنامے کی لعن طعن کے بادل ابھی سر پر موجود ہیں کہ اب یہ نئی لعن طعن جو یقیناً انتقام کا روپ اختیار کر گئی ہے، اس کا مداوا کیسے کر سکیں گے؟ خود اپنے ہی ہاتھوں ایک ایک کر کے تمام راستے بند کر رہے ہیں تو پھر یقیناً آپ کو کسی دشمن کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے "عبرت" کی ٹک ٹک سے مظلوموں کو "کن فیکون" کا گمان ہونا شروع ہو گیا ہے۔ ان کی بد نصیبی اور بے بسی کا یہ حال ہے کہ اپنے ان کے خلاف ہو رہے ہیں۔ ان کے اعمال پر دکھی اور شرمندہ ہو رہے ہیں۔ انہیں نشان عبرت بنتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

کھلے کانوں سے ان صداؤں کو بھی سن لیں "تمام راستے بند کر دو، ایک ایک خون کا گن گن کر حساب لو اور اب اٹھارہ کروڑ کی گونج للکار میں بدلتی جا رہی ہے۔ دھواں اب آتش فشاں بن چکا ہے۔ مظلوم رات بھر نہیں سوتا۔ بد دعاؤں اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ بھی حائل نہیں۔ دشمن بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر جب اسے پکڑ لیتا ہے تو اسے قابل عبرت بنا دیتا ہے۔" پھر دیر کہاں ہے؟ دیر ہے لیکن اندھیر نہیں۔ آخر کب تک وفا شعار اپنی گردنیں کٹاتے رہیں گے اور غدار وطن ان پر محل تعمیر کرتے رہیں گے، پاکستان کی تقدیر سے کھیلنے والوں کے لئے بڑا سوالیہ نشان ہے؟؟

پتہ نہیں کس کے آنسو اور کس کی بے کسی اس رب کائنات کے غضب کا باعث بنی ہے کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے سوال کرتا پھر رہا ہے، کیا ہونے والا ہے، آفت کے آثار کیوں ہیں، بلاؤں کا خوف کیوں ہے؟ ہواؤں کے فیصلے کو ٹالنے کا ایک ہی راستہ میرے اللہ نے بتایا ہے، گڑگڑا کر، آنسو بہا کر، عجز و انکسار کے ساتھ پوری قوم معافی کی طلبگار ہو تو غضب رحمت میں بدل جاتا ہے لیکن قوم کو یہ درس کون دے جو درس دے سکتا ہے وہ تو حالات کو خود بدلنے کے دعوے کر رہے ہیں۔

محشر بدایونی کا شعر یاد آ رہا ہے

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا

بروز سوموار ۱۶ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۸ دسمبر ۲۰۱۴ء

افغانستان کی بدلتی صورت حال اور امریکی دردِ سر

امریکی صدر اوباما نے جونہی افغانستان میں جنگی مشن کو ایک سال کی توسیع دینے کا اعلان کیا اس کے رد عمل میں افغان طالبان اور حزب اسلامی نے موجودہ افغان حکومت کے ساتھ خفیہ مذاکرات معطل کر دیئے ہیں اور طالبان، حزب اسلامی اور دیگر مزاحمتی گروپوں نے ایک مخصوص جنگی حکمت عملی کے تحت فیصلہ کن لڑائی کا فیصلہ کرتے ہوئے امریکا کو سبق سکھانے کی تیاری شروع کر دی ہے۔اس کے ساتھ ہی امن کونسل کے سربراہ صلاح الدین ربانی نے بھی استعفیٰ دے دیا ہے۔صلاح الدین ربانی کے قریبی ذرائع نے بتایا ہے کہ گزشتہ دو سال میں کوشش کر کے جن لوگوں کو مذاکرات پر آمادہ کیا گیا تھا امریکا کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد ان طالبان رہنماؤں نے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے مذاکرات ختم کر دیئے ہیں بلکہ وہ دوبارہ طالبان کی صفوں میں شامل ہونے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ مزید امن کونسل کی سربراہی نہیں کر سکتے۔ حکومت ان کا استعفیٰ قبول نہیں کرتی تو اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اصل میں اب جب مذاکرات معطل ہو گئے ہیں اور امریکی فوج کو ایک بار پھر گھروں پر چھاپے مارنے اور آپریشن کرنے کا حق دے دیا گیا ہے تو انہیں افغان آئین سے استثنیٰ دینے سے معاہدے کے بعد مذاکرات کوئی معنی نہیں رکھتے۔

دوسری جانب طالبان کے فدائی محاذ کا کہنا ہے کہ وہ پہلے ہی مذاکرات کے مخالف تھے اور اب بھی مذاکرات کے مخالف ہیں کیونکہ امریکا مذاکرات کے ذریعے اپنی شکست فتح میں تبدیل کرنا چاہتا ہے لیکن ہزاروں لوگوں کی قربانیاں دینے کے بعد عوام امریکا کو افغانستان سے ایسے نہیں جانے دیں گے بلکہ انہیں شکست دے کر ہی یہاں سے نکالیں گے۔ان کا مزید کہنا ہے کہ انہوں نے گزشتہ تیرہ سال سے مسلسل امریکا کے خلاف جہاد کیا ہے اور اب ایک سال کی توسیع سے ان کی جہادی جذبے میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ ہماری منزل سامنے ہے جبکہ امریکی جو جانا چاہتے ہیں وہ مزید ایک سال ذہنی دباؤ کا شکار رہیں گے لہٰذا افغان طالبان اب کابل پر اپنا دباؤ بڑھا دیں گے اور موسم سرما ختم ہوتے ہی امریکا کو اس کا جواب مل جائے گا کہ افغان قوم غیر ملکیوں کو اپنی سرزمین پر کسی بھی صورت، کسی معاہدے یا کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔موسم سرما ختم ہونے کے بعد فیصلہ کن جنگ شروع ہونے کا قوی امکان ہے کیونکہ طالبان نے تمام افغان مزاحمت کار گروپوں حزب اسلامی، حزب اسلامی خالص، دعوت والارشاد افغانستان کے ساتھ اپنے رابطے بڑھا دیئے ہیں اور جنوب مشرقی افغانستان اور مشرقی افغانستان کی جانب سے کابل کی طرف پیش قدمی پر اتفاق کر لیا ہے جبکہ امریکا کو نکالنے کے بعد خانہ جنگی روکنے کیلئے بعض نکات پر آپس میں صلاح و مشورے جاری ہیں۔

طالبان نے مشرقی افغانستان میں حزب اسلامی کو اسپیس دینے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے جبکہ حزب اسلامی نے جنوب اور جنوب مشرقی افغانستان میں طالبان کی مکمل حمائت کرنے جبکہ شمال میں مشترکہ طور پر حکمت عملی اپنانے پر اتفاق کر لیا ہے۔ذرائع کے مطابق یہ فیصلہ امریکا کی جانب سے اپنے آپریشن میں ایک سال کی توسیع کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ تمام مزاحمت کار گروپوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امریکا کی جانب سے ایک سالہ آپریشن کی توسیع سے نہ صرف افغانستان میں چادر اور چار دیواری کی بے حرمتی شروع ہو جائے گی بلکہ افغانوں کے قتل عام کا لائسنس ایک بار پھر امریکا کو دے دیا گیا ہے جس کی وجہ سے افغانستان کے اندر تشویش پائی جاتی ہے۔اس سے قبل سابق افغان صدر حامد کرزئی امریکی فوجیوں کی جانب سے افغان عوام کی بے حرمتی پر کئی بار احتجاج کر چکے ہیں تاہم امریکا اس احتجاج کو نظر انداز کر کے معاہدہ کرنا چاہتا تھا جو کرزئی آخری وقت تک نہ کر سکے تاہم افغانستان کے نئے صدر نے امریکی افواج کو افغان قانون سے استثنیٰ دینے کے معاہدے پر حلف اٹھانے کے اگلے دن ہی اس پر دستخط کر دیئے تھے جس کے بعد افغانستان میں کسی بھی جرم پر امریکی فوجیوں کے خلاف مقدمہ نہیں چل سکے گا اور اس کے بعد امریکی فوج کی جانب سے

ملک کے اندر بے حرمتی کا خدشہ ہے جبکہ افغانستان سے جانے والے امریکی فوجی خوش جبکہ رہ جانے والے امریکی فوجی شدید ذہنی دباؤ اور تناؤ کا شکار ہو گئے ہیں جبکہ امریکی حکام کا کہنا ہے کہ آپریشن کی توسیع کا مقصد افغانستان کے اندر امریکی فوجیوں پر حملوں کے دوران کارروائیوں کا اختیار دینا ہے تاہم ذرائع کے مطابق آئندہ ایک سال میں امریکی اپنے مخالفین کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں اور خدشہ ہے کہ اتفاق نہ کرنے والے امریکی مخالفین کو قتل کر دیا جائے جس کا امکان زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے طالبان کے وہ رہنما جو کابل میں رہ رہے ہیں اب خلیجی ممالک میں منتقل ہونا شروع ہو گئے ہیں کیونکہ انہیں خدشہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا جبکہ اس آپریشن کی توسیع کے بعد ایک سال پاکستان سے متصل قبائلیوں کو عدم استحکام کا سامنا ہو سکتا ہے۔

ادھر لندن میں منعقدہ افغانستان کانفرنس جنگ سے تباہ حال اس ملک کی امن کی جانب پیش رفت میں ایک اہم موقع پر منعقد ہوئی ہے۔ صدر ڈاکٹر اشرف غنی کی سربراہی میں نئی افغان حکومت اور عالمی برادری کے لیے افغانستان کی اگلی دہائی میں سمت کے تعین کے لیے یہ ایک ری سیٹ بٹن دبانے کے موقع کے طور پر دیکھی جا رہی ہے۔ میزبان ملک برطانیہ کی سرکاری ویب سائٹ پر اس کانفرنس کو نئی افغان حکومت کی اصلاحات کے لیے عزم دہرانے کا موقع قرار دیا ہے۔ دوسری جانب سے اس اجلاس کو بین الاقوامی برادری کی جانب سے افغانستان میں طویل مدتی امداد مہیا کرنے کے عزم کے اعادے کے طور پر بھی دیکھا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے ناقدین اسے ۲۰۰۱ء کے بعد سے جاری معمول کی کانفرنسوں کا تسلسل قرار دے رہے ہیں۔ ایسی کانفرنسیں ہر دو سال میں ایک بار منعقد ہوں گی تاکہ افغان حکومت اور امداد دینے والوں کے درمیان ترقی کی راہ میں حاصل پیش رفت کا جائزہ لیا جا سکے۔ افغانستان سے تقریباً ۱۵۰/افراد پر مشتمل وفد اس کانفرنس میں شرکت کر رہا ہے اور اس میں بڑی تعداد افغان سول سوسائٹی کی بتائی جاتی ہے۔

یہ وہی این جی اوز ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں ان کا جنم ہوا۔ امداد دینے والوں پر الزام ہے کہ ان تنظیموں کی صلاحیت کو نظر انداز کرتے ہوئے لاکھوں ملین ڈالر اس امید میں ان کے حوالے کیے گئے کہ وہ زبردست ترقی جیسی رپورٹیں تیار کر کے دیں گے۔ کانفرنس کا ایک ایسے وقت اہتمام کیا گیا ہے جب ایساف اور اس میں شامل امریکی فوجی اپنا مشن اس ماہ کے آخر میں ختم کر کے روانہ ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد امریکی اور ان کے چند اڈے تو رہیں گے لیکن سکیورٹی کی تمام تر ذمہ داری افغان سکیورٹی فورسز پر ہو گی اور اس اضافی بوجھ کے لیے بھی اضافی رقم زیر غور ہو گی۔ حکومت مخالف افغان طالبان اس کانفرنس سے چند روز پہلے ہی اپنی کارروائیوں میں شدت لائے ہیں جو اس بات کا صاف اظہار ہے کہ اگرچہ ان کی قوت میں قدرے کمی آ رہی ہے لیکن وہ اب بھی افغان حکومت کے لیے دردِ سر ہیں جو اتنی آسانی سے نہیں جائے گا۔

پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف کی اس کانفرنس میں شرکت خاصی اہمیت کی حامل رہی۔ دونوں ممالک کی سیاسی و فوجی قیادتوں کے درمیان حالیہ رابطے امید کی کرن اور تبدیلی کے اشارے ہیں لیکن اس طرح کے اشارے قیادتوں کی تبدیلی پر ماضی میں بھی دیے گئے جو زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئے۔ اس کانفرنس میں کسی نئی امداد کا اعلان تو نہیں ہوا لیکن زیادہ توجہ اب تک کی پیش رفت کے جائزے پر رہی۔ ایک اندازے کے مطابق اس

وقت لاکھ افغانوں کا انحصار بین الاقوامی امداد پر ہے۔ کئی ادارے اور افراد کی روزی روٹی اسی براہ راست امداد سے وابستہ ہے۔ مقامی معیشت ابھی اتنی توانا نہیں ہوئی کہ لاکھوں لوگوں کے لیے روزگار کا سبب بن سکے۔ امداد دینے والوں کو اس بارے میں بہت تشویش پائی جاتی ہے۔ بدعنوانی دوسرا بڑا مسئلہ ہے جو ترقی کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ خود امریکی افغانستان کی تعمیر نو کے خصوصی انسپکٹر جنرل کی جائزہ رپورٹیں براہ راست دی جانے والی امداد کے زیاں اور غلط استعمال سے بھری دلخراش داستانوں سے پر ہیں۔ سابق افغان صدر حامد کرزئی کی ایک بڑی ناکامی اس کرپشن کے خاتمے کے لیے مناسب اقدامات اٹھانا رہی ہے۔ اب تمام نظریں نئی افغان قیادت پر ہیں کہ وہ کیسے ان مسائل پر قابو پاتی ہے۔ ڈاکٹر اشرف غنی کا تجربہ اور پس منظر ان مسائل سے نمٹنے کے لیے ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا انتخاب بھی اپنے معاشی ایجنڈے کی وجہ سے ہوا تھا لہذا ان کا اس ایجنڈے کو عملی شکل دینے کا وقت یہی ہے۔ ان کا آغاز اگرچہ کوئی زیادہ اثرانداز نہیں رہا ہے۔ وہ دو ماہ سے اپنی کابینہ کی تشکیل میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں تو اس سے زیادہ سنگین اور وسیع پیمانے پر مسائل سے کیسے نمٹ سکیں گے۔ یہ کوئی اچھا شگون نہیں ہے اور یہ ان کا اور ان کے اتحادیوں کا بڑا امتحان ہے۔

ادھر افغانستان کے سابق وزیر داخلہ عمر داؤدزئی جو سابق صدر حامد کرزئی کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں اور پاکستان میں افغانستان کے سفیر بھی رہ چکے ہیں، نے وزرات سے سبکدوش ہونے کے بعد کابل میں الوداعی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے منتخب صدر ڈاکٹر اشرف غنی کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان پر تکیہ کرنے کے بجائے حصول امن کے لیے دیگر راستے تلاش کریں کیونکہ پاکستان طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس مسئلے سے نمٹنے کا واحد حل افغان سکیورٹی فورسز کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہے۔ خیال رہے کہ یہ عمر داؤدزئی کا اب تک بظاہر پاکستان کے خلاف سب سے زیادہ سخت بیان سمجھا جا رہا ہے۔

بروز منگل ۱۷ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۹ دسمبر ۲۰۱۴ء

"عجیب شخص"

کھلا میدان تھا اور دو کمرے، وہ بھی نیم پختہ۔ بارش ہوتی تو جگہ جگہ برتن رکھنے پڑتے۔ میں نے اپنی بہت سی راتیں وہاں گزاری ہیں، بہت سے دن بتائے ہیں۔ چاروں طرف کھیت تھے۔ تین اینٹیں رکھ کر چولہا بنایا ہوا تھا۔ جب ہوا تیز ہوتی تو ہم وہ اینٹیں کہیں اور رکھ دیتے۔ چلتا پھرتا چولہا تھا وہ۔ لیکن وہاں کا مکیں بڑا باکمال تھا۔ بہت سادہ، کوئی فوں فاں نہیں، مسکراتا ہوا، ہر ایک کیلئے دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے۔ جس کی باتوں سے خوشبو آتی تھی۔ وہ مجسم اپنا پن تھا۔ کوئی رعب داب نہیں ۔ سراپا دعا تھا وہ۔ مجھے جب بھی وقت ملتا وہاں پہنچ جاتا اور پھر زندگی کا رس خوب جی بھر کر پیتا تھا۔ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا بھی ملتا اور ان کے پند و نصائح سے روح بھی خوب سیراب ہوتی۔ عجیب شخص تھا وہ، میرے بے ہودہ لایعنی سوالات کو اتنے غور سے سنتا کہ مجھے خود حیرت ہوتی۔ پھر ہر سوال آسودہ جواب ہوتا۔ اس کا رہن سہن، بول چال، رنگ ڈھنگ، سب ہی تو میرے سامنے تھا۔

صرف زاہدِ خشک اور عابدِ شب گزار ہی نہیں تھا وہ، زندگی کا ہر رنگ لئے ہوا تھا۔ میں اسے مختلف شعراء کا کلام سناتا اور وہ مجھے ترنم کے ساتھ بہت خوبصورت شاعری سے محظوظ کرتا۔ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کے تنازعات، ان کی شادی بیاہ کے بکھیڑے، زمین جائداد کا جھگڑا، جڑی بوٹیوں سے علاج اور پیار سے رب کی طرف بلانا اس کے کام تھے۔ کسی بیمار سے کبھی کوئی پیسہ یا کوئی تحفہ تک نہیں لیتا تھا۔ دو تین ملازم رکھے ہوئے تھے جو حکمت کی جڑی بوٹیوں کو ان کی سخت نگرانی میں آنے والے مریضوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک دن میرے سامنے ایک بزرگ مریض کو دوائی کے ساتھ نرم غذا کھانے کا جونہی مشورہ دیا تو وہ مریض دوائی لینے کی بجائے بڑے غصے سے اٹھ کھڑا ہوا کہ میرے پاس زہر کھانے کیلئے پیسے نہیں اور مجھے تم نرم غذا کھانے کا مشورہ دے رہے ہو؟ فوراً معافی پر اتر آیا اور اپنی قمیض کی بغلی جیب میں ہاتھ ڈال کر جو کچھ بھی تھا اس کے حوالے کر دیا اور دروازے تک خود اس مریض کو چھوڑنے گیا۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

اسی کچے گھر کے صحن میں ہر شام بچوں کو نہ صرف قرآن کریم پڑھانے کا بندوبست تھا بلکہ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ہر ماہ کسی نہ کسی تعلیمی مقابلہ کی بنیاد پر بچوں میں انعامات کی تقسیم بھی جاری رہتی تھی اور انعام میں ان بچوں کو پہلے سے منتخب کر لیا جاتا تھا کہ جن کے تن کے لباس بوسیدہ یا پھٹے ہوتے تھے۔ ان کی خودداری کا کس خوبصورتی سے خیال رکھا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ گھر کے باہر میدان میں خود کھیلتے تھے۔ ہفتے میں دو دن ان تمام بچوں کو مفت پینے کیلئے دودھ بھی اپنی بھینسوں کا پلاتے تھے۔ اس میدان کے کونے پر باقاعدہ ایک جگہ مسجد کیلئے مخصوص تھی جہاں انہی بچوں میں سے کوئی اذان دیتا تھا اور پھر انہی بچوں میں کسی کو امامت کیلئے آگے کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ ان تمام کاموں کیلئے کسی صلہ کی کبھی امید نہیں رکھی اور تمام اخراجات اپنی گرہ سے خرچ کر کے یک گونہ تسکین محسوس کرتا تھا وہ۔

ہر سو پیار و محبت کی خوشبو بکھیرے ہوئے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھا، طبیب تھا، معلم تھا، منصف تھا، چارہ گر تھا، ایک گھنا چھتنار درخت..... پھلوں سے لدا ہوا، جھکا ہوا۔ ایک درخت لگانے کیلئے آپ کیا کرتے ہیں؟ پھل دار درخت..... یہی ناں! کہ بیج لیتے ہیں۔ اصل تو بیج ہی ہوتا ہے ناں۔ زمین کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر بیج کو اس میں دفن کر دیتے ہیں جی، اس گڑھے کی مٹی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پھر کبھی کبھی اس کو پانی بھی دیتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔ آپ بیج کے سر پر سوار نہیں ہوتے، اس کے اندر سے کھینچ کر کونپل نہیں نکالتے۔ پھر اللہ جی کونپل نکالتا ہے اور وہ ننھا سا بیج زمین کا سینہ چیرتا ہوا باہر جھانکنے لگتا ہے ۔ پھر سرد و گرم کا مقابلہ کرتا ہے، ہواؤں کا، طوفانوں کا، باد و باراں کا، اپنے گرد و پیش کے کیڑے مکوڑوں کا..... اور ایک دن تن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں پھل لگ جاتے ہیں اور تنا ہوا درخت جھکنے لگتا ہے.....

درخت جھکتا اس لئے ہے کہ لوگ اس کا پھل کھا سکیں، اس سے فیض پا سکیں۔

آپ نے کسی درخت کو دیکھا ہے جو اپنا پھل خود کھا رہا ہو، یہ کہتے ہوئے کہ جاؤ میں اتنی راتیں کھڑے ہو کر گزار دیں، سرد راتوں کی کپکپی میرے اندر سے گزرتی رہی، اتنے دن جھلسا دینے والی دھوپ میں جلتا رہا ہوں، اب ان پھلوں پر میرا حق ہے۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ لوگ کھاتے ہیں پھل اس کا، اس کی چھاؤں میں بیٹھتے ہیں۔ اس نے کبھی بھی اپنی چھاؤں سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں کیا جو گاہے بگاہے اس کو کاٹنے کیلئے اپنے کلہاڑوں کو تیز کرتے رہے، اگر اس کا کوئی بازو کٹ بھی گیا تو وہ کسی کے ہاتھ کی چھڑی بن کر اس کے چلنے میں اس کا مددگار بن گیا، اس کی میت کو اپنے اندر سمو کر اسی دھرتی میں تابوت کی شکل میں دفن ہو گیا ۔ کبھی اس کو شرمندہ کرنے کیلئے اس کے مظالم اور کہنہ مکرنیاں کو یاد نہیں دلایا۔ بس وہ ایک پھل دار درخت تھا۔ آپ اگر شور زدہ زمین میں بیج ڈال دیں تو درخت نہیں لگتا۔ بیج مر جاتا ہے، کبھی نہیں پنپتا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے کمروں کی عمارت تھی اور اس کا چراغ وہ خود تھا۔ روشن چراغ، مینارۂ نور، چشمۂ فیض جس سے سب سیراب ہوتے۔

ہمارے ہاں ادارے بنانے پر بہت زور دیا جاتا ہے، ہر کام کیلئے ادارہ بناؤ۔ آپ کی بات سو فیصد صحیح ہے، بنائیں ضرور بنائیں۔ ہم مٹی گارے، لوہے سیمنٹ کی عمارت کو ادارہ کہتے ہیں، ایسا ہی ہے ناں! بس ایک خوبصورت عمارت، بہترین رنگ و روغن، پھولوں کے گملے، الماریاں، کمپیوٹر، میز کرسیاں اور سجاوٹ..... بس یہی کرتے ہیں ہم، اور اسے کہتے ہیں ہم ادارہ۔ اس عمارت کی پیشانی پر اس کا نام بھی لکھ دیتے ہیں اور خوش ہوتے رہتے ہیں کہ واہ جی زبردست، ہم نے ادارہ بنا لیا جس کے سنگِ بنیاد کی تختی ہمیشہ ہمارے نام کو زندہ رکھے گی۔ ایسی ہی ایک مزارِ قائداعظم کی عمارت کے سنگِ بنیاد کی تختی جنرل یحییٰ خان کے ہاتھوں آج تک نصب ہے۔

میں اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کہنا چاہتا اور نہ ہی زیادہ جانتا ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ کہ ادارے کی عمارت اہم نہیں ہوتی بلکہ افراد اہم ہوتے ہیں۔ در و دیوار اہم نہیں ہوتے مگر افراد اہم ہوتے ہیں۔ ادارے افراد سے بنتے ہیں، ایسے افراد سے جو جھکے ہوئے ہوں، پھل دار ہوں، بے غرض ہوں، بے لوث ہوں، دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے، مینارہ نور ہوں، جو مجسم اپنا پن ہوں، جن پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جا سکے۔ زبانی کلامی نہیں، ان کا عمل ان کی شخصیت کا پرتو ہو۔ وہ تبلیغ نہیں بلکہ مجسم دعوت و فکر ہوں۔ ان کی گفتگو نہیں ان کی شخصیت سحر انگیز ہو۔ وہ اندر باہر سے ایک ہوں۔ جو کہتے ہوں وہی کرتے بھی ہوں۔ نری تبلیغ نہیں، با عمل بھی ہوں۔ ان پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے، اتنے اجلے ہونے چاہئیں وہ۔ اس لئے کہ وہ ادارے کی روح ہوتے ہیں۔ عمارت اچھی ہو اور بے روح ہو تو پھر کھنڈر اور خوبصورت عمارت میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ ہم صرف ادارے بنانے کیلئے ہلکان ہیں حالانکہ ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جن پر آنکھیں بند کر کے یقین کیا جا سکے۔ وہ زبانی کلامی ہمدرد نہ ہوں، عملاً ہمدردی کا پیکر ہوں۔

جب تک ایسے افراد نہ ہوں، ادارے بنانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اینٹ گارے سے عمارت، یا سیمنٹ سریے کا خوبصورت رنگ و روغن کا شاہکار تو بن سکتا ہے، ادارہ نہیں۔ کسی بھی ادارے کو افراد بناتے ہیں اور انہیں تباہ بھی وہی کرتے ہیں۔ میں نے بہت بڑے بڑے درخت دیکھے ہیں، اوپر سے بالکل صحیح و سالم اور اندر سے دیمک زدہ۔ ایسے درخت کسی بھی وقت زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اس پر کھلے دل و ذہن سے سوچنا چاہئے، صرف سوچنا ہی نہیں بلکہ عمل پیرا بھی ہونا چاہئے۔ اداروں کی قطار نہیں، بے لوث افراد بنانے پر توجہ دیجئے۔

مجھ سے رہا نہ گیا اور اس معاملہ کی تہہ کو تلاش کرنے کی ٹھانی۔ "آپ ان کاموں پر تمام اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں یا کوئی آپ کی اس میں مدد کرتا ہے؟" میرے اس سوال پر وہی ہلکی سے مسکراہٹ مگر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور کہا میں بھلا کسی کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ ماں باپ ورثے میں زمین چھوڑ گئے 'شہری جائداد بھی کافی ہے لیکن وہاں رہنے کو جی نہیں چاہتا، کرایہ پر اٹھا رکھی ہیں۔ انہی غریب بچوں کے والدین

زمین کاشت کرتے ہیں، کبھی ان سے شکائت نہیں ہوئی۔ آج تک اس زمین میں کسی فصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ زرعی یونیورسٹی کافی رقبہ تجرباتی تحقیق کیلئے استعمال کر رہی ہے۔ جانتے ہو ان باغات کے پھل فروٹ پاکستانی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں اور بیرونِ ممالک کے سربراہوں کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ ایک عام شہری تو ان باغات کے قریب بھی نہیں جا سکتے لیکن یہ تمام بچے انہی باغات کے ہر موسم کے پھل کھاتے ہیں۔ میں نے شروع دن سے ان باغات میں کچھ درخت ان بچوں کیلئے مخصوص کر دیئے تھے۔

تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔ تمہارے پڑوس میں ایک بہت بڑا ادارہ ہے لیکن تم نے کبھی اس ادارہ سے فائدہ ہی نہیں اٹھایا۔ "میں آپ کی بات سمجھا نہیں ؟" میں کل تمہارے پاس آرہا ہوں اس ادارہ سے دونوں مل کر فیض یاب ہونگے۔ حسبِ وعدہ اگلے دن وہی مسکراتا ہوا چہرہ موجود تھا۔ اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک کے کنارے ایک ریڑھی کے پاس بیٹھ گئے۔ میں برسہا برس سے اس ریڑھی سے واقف تھا کیونکہ اس کے اوپر ایک نامکمل انسانی لاشہ لیٹا رہتا تھا اور اس ریڑھی کی خاص نشانی یہ تھی کہ ہر وقت اس ریڑھی پر سبز ہلالی پرچم لہراتا رہتا تھا اور ان کے پہلو میں ایک چھوٹا ریڈیو جو ہر وقت بجتا رہتا تھا۔ مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ کچھ افراد محض ثواب کی خاطر اس لاشہ کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اس لاشہ کے دونوں ہاتھ اور ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ سلامت ٹانگ بھی اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ کھڑے ہونے میں کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔ کوئی ان کو کھانا کھلا دیتا اور کوئی ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھتا تھا۔ وہی ریڑھی ان کے شب و روز کا ٹھکانہ تھا۔ گرم سرد موسم بھی اسی ریڑھی پر گزرتے تھے۔ گرمیوں میں ایک چادر اوپر تنی دیکھی جاتی تھی اور سرد موسم میں ایک موٹا سا کپڑا ان کو ڈھانپے رکھتا تھا۔

وہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ گیا اور تعظیماً ان کے سر پر بوسہ دیکر حال احوال پوچھنے لگا۔ میرا تعارف کروایا۔ مجھے اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب انہوں نے مجھے میرے نام سے پکارا۔ مجھے یہ تو پتہ ہے کہ میں ان کے پاس سے کئی مرتبہ گزرا ضرور ہوں اور ان کو ہمیشہ سلام بھی کرتا تھا کیونکہ ان کی ریڑھی میرے راستے میں تھی۔ ان کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ ہر سال چودہ اگست سے کچھ دن پہلے ہی ان کی ریڑھی کے چاروں کونوں پر نئے پاکستانی پرچم نصب ہو جاتے تھے اس لئے ان کی ریڑھی سب سے نمایاں نظر آتی تھی۔ اس سے مزید مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ بڑی نستعلیق اردو زبان میں ان کی گفتگو، علامہ اقبال کے اشعار اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی انگریزی زبان کی تقاریر انہی کے رعب داب کے لہجے میں جب سننے کو ملی تو چند لمحوں کیلئے پاؤں تلے زمین کھسکتی نظر آئی۔ پتہ چلا کہ موصوف علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ انگریزی ادب میں ماسٹر کی ڈگری رکھتے ہیں۔ تقسیمِ پاکستان میں اپنے خاندان کے تمام افراد کو اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے ہوئے دیکھا اور اپنے جسم کے یہ تمام اعضاء بھی اسی ملک کیلئے نچھاور کر کے پاکستان پہنچے ہیں۔ اس بات پر بڑا ناز اور فخر کر رہے تھے کہ ان شہید ہاتھوں کو کئی مرتبہ قائدِ اعظم سے ہاتھ ملانے کی سعادت نصیب ہوئی اور شائد ان ہاتھوں کو میرے رب نے اس لئے واپس لے لیا کہ اس کے بعد یہ کسی غدار کے ہاتھوں کو نہ چھوئیں نجانے اور کیا کیا کہتے رہے اور میری حالت تو یہ تھی کہ ندامت کے مارے ان سے آنکھیں چرا رہا تھا کہ ایسی عظیم شخصیت اس قدر گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں ۔

دسمبر ۱۹۷۱ء سقوط مشرقی پاکستان کی دلدوز خبر سن کر جی بہت گھبرا رہا تھا، میں نے سوچا کہ پاکستان کے اس عظیم مجاہد کے پاس جا کر اپنا غم ہلکا کرتا

ہوں۔ میں نے دور سے دیکھا کہ ان کی ریڑھی کے پاس لوگوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔ دل زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ میری طرح یہ سب لوگ بھی اپنا غم ہلکا کرنے کیلئے اس عظیم شخص کے پاس آئے ہیں۔ لیکن میرے اندر کا خوف میری اس سوچ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ جب قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ عظیم شخص اس بری خبر کو سن کر اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنے رب کے ہاں انہی کٹے ہوئے نامکمل لاشے کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ اب ان کی تدفین کا مسئلہ تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر یہ ذمہ داری جب قبول کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ اس کا بندوبست بھی اسی شخص نے پہلے سے کر دیا ہے جس نے کچھ دن پہلے میری ان سے ملاقات کروائی تھی۔ اسی پاکستانی پرچم کا کفن ان کو پہنایا گیا کہ یہ ان کی شدید خواہش تھی۔ نجانے سارا شہر ان کے جنازے میں کیسے امڈ آیا۔ لوگوں کا ایک طوفان تھا جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ بیشمار ایسے ناآشنا چہرے اس جنازے میں اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، نجانے یہ سقوطِ مشرقی پاکستان کا غم تھا یا پھر اس مردِ عظیم کا!

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات ہے دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

بروز بدھ ۱۸ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۹ دسمبر ۲۰۱۴ء

اب یہ مکاری نہیں چلے گی

پچھلے ۶۷ سالوں سے بھارتی نیتاؤں نے مسلسل ایک ظلم و جبر کے نظام کے تحت مسئلہ کشمیر کو دبانے کیلئے جس قدر کوششیں کی ہیں اسی قدر کشمیر کے لوگوں کی لازوال قربانیوں نے اس مسئلہ کو زندہ و تابندہ رکھا ہوا ہے اور اب تو بھارت کے کئی دانشوروں نے اس بات کا اعتراف بھی کرنا شروع کر دیا ہے کہ جب تک بھارت کے گلے میں مسئلہ کشمیر کی ہڈی پھنسی رہے گی تب تک بھارت میں خطِ غربت سے نیچے رہنے والی ۷۰ فیصد آبادی میں نہ صرف مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا بلکہ ایٹمی جنگ کے سائے بھی اس سارے خطے کیلئے سوہانِ روح بنے رہیں گے۔ عام خیال کے مطابق مودی حکومت کے آنے کے بعد اس تنازع کو اب ہندو رنگ میں رنگنے کی ایک مرتبہ پھر کوششیں جاری ہیں جو ماضی کے مقابلے میں اب زیادہ جارحانہ انداز میں جاری و ساری ہیں۔ اس وقت مودی مقبوضہ کشمیر میں آئندہ انتخابات میں متعصب قیادت برسرِ اقتدار لانے کی مختلف النوع سازشیں پروان چڑھانے کیلئے سر توڑ کوششیں کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ تادمِ تحریر یہ پہلا بھارتی وزیر اعظم ہے جو اس قدر مختصر عرصے میں مقبوضہ کشمیر کا چھ مرتبہ انتخابی دورے کر چکا ہے اور اس کی پوری کوشش ہے کہ بالخصوص جموں، لداخ اور کارگل جہاں ہندوؤں اور غیر مسلموں کی تعداد زیادہ ہے وہاں غیر مسلم امیدوار اور بالعموم وادی جہاں مسلم اکثریت ہے، مسلم امیدواروں کو میدان میں لا کر سادہ اکثریت حاصل کر کے مقبوضہ کشمیر کا آئندہ وزیر اعلیٰ ہندو سامنے لا کر بھارتی آئین میں آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت کشمیر کی خصوصی حیثیت کو تبدیل کیا جا سکے۔

مقبوضہ کشمیر، بھارت، پاکستان اور انسانی حقوق کے مختلف فورمز پر مظلوم کشمیریوں کے حق میں زیادہ توانائی کے ساتھ بلند کی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے مجرمانہ حد تک سستی، ست روی یا بعض مواقع پر کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے ماضی قریب میں جو طرز فکر و عمل اپنایا، مودی کی متکبرانہ ڈھٹائی کے باعث اس میں زبردست تبدیلی آئی۔ میاں صاحب نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تنازع کشمیر ایک بار پھر زندہ کر کے اس کی قیام امن کے حوالے سے غیر معمولی اہمیت واضح کر دی جس کو پوری امن پسند دنیا نے خوب سراہا۔ وزیر اعظم نے اس سے قبل آزاد کشمیر کونسل کے پچاسویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ۶۷ برسوں سے مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل کی متعدد قراردادوں کے باوجود حل نہ ہونے اور بھارتی فورسز کے کشمیریوں پر انسانیت سوز مظالم کی وجہ سے یہ مسئلہ نہ صرف پیچیدہ ہو گیا بلکہ انسانی حقوق کی پامالی کی تاریخ میں ایک شرمناک اور بھیانک باب کا اضافہ ہو گیا جس پر اقوام متحدہ کی خاموشی باعث تشویش ہے۔

بھارت پاکستان پر دہشتگردوں کو پناہ دینے کے بے بنیاد الزامات لگا کر اپنے گناہ چھپا رہا ہے۔ کشمیریوں پر بھارتی مظالم انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہیں۔ اس کے ساتھ مذاکرات کی بحالی سے پہلے کشمیری قیادت سے ضرور مشورہ کیا جائے گا۔ پاکستان کشمیری عوام کی اپنے حق خودارادیت کیلئے جدوجہد کی اخلاقی، سفارتی اور سیاسی حمائت جاری رکھے گا۔ جموں کشمیر کے بارے میں پاکستان اپنے اصولی مؤقف پر ثابت قدم ہے۔ ہر سال ۵ فروری اور ۲۷ اکتوبر کو پاکستان اور پاکستانی عوام ملک اور بیرون ملک کشمیری بھائیوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اپنی حمائت کے عہد کی تجدید بھی کرتے ہیں۔ بھارت کو مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کیلئے آمادہ کرنے کی خاطر عالمی برادری کے دباؤ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ کشمیریوں کی حق خودارادیت کی جدوجہد کو عسکریت پسندی کے ساتھ جوڑنا درست نہیں۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۶ فروری ۲۰۱۴ء کو قانون ساز اسمبلی اور قانون ساز کونسل کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف نے بھارت کو پرامن طور پر مذاکرات کے ذریعے دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب تک مسئلہ کشمیر حل نہیں ہوتا علاقے میں کشمکش اور غیر

یقینی فضا برقرار رہے گی۔ بھارت ہماری دعوت کا مثبت جواب دے اور کشمیری عوام کو اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا حق دے۔ کشمیریوں کو ان کا جائز حق دلا کر رہیں گے، کشمیری شہداء کی قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور مؤقف سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان کے حق میں ہر پلیٹ فارم سے آواز بلند کرتے رہیں گے۔

وزیر اعظم نواز شریف کا مؤقف حقیقت پر مبنی اور ہر پاکستانی و کشمیری کی دل کی آواز ہے۔ بھارت کا جارحانہ اور مجرمانہ روّیہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے کہ بھارتی حاکم نے وادیٔ کشمیر کے شہریوں کے بنیادی حقوق نہ صرف غصب کر رکھے ہیں بلکہ ان کی جدوجہد آزادی کو دبانے کیلئے طاقت کا بے رحمانہ استعمال بھی کیا ہے اور اب تک لاکھوں کشمیری آزادی کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں جبکہ بھارت کی درندہ صفت فوج نے ہزاروں کشمیری دوشیزاؤں کی چادر عصمت تار تار کر دی ہے۔ بھارتی حکمرانوں نے وادیٔ کشمیر میں اپنے فوجی درندوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور ان کو کشمیر کے نہتے عوام پر ظلم و جور اور تشدد کے پہاڑ توڑنے کیلئے پوٹا اور ٹاڈا جیسے سیاہ قوانین کی چھتر چھایا فراہم کی ہوئی ہے جس کے تحت بھارتی فوج کسی بھی گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں، کسی بھی شہر کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی فوجی آئے روز کشمیر میں دہشتگردوں کی تلاش کے بہانے چھاپے مارتے رہتے ہیں اور نوجوانوں کو گرفتار کر کے جبکہ دوشیزاؤں کو بغیر وجہ بتائے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔۔ بعد ازاں گرفتار نوجوانوں کا نشان ہی نہیں ملتا اور نہ ہی اغواء کی گئی دوشیزاؤں کا۔ آخر کشمیری عوام کب تک صبر کا مظاہرہ کریں گے۔ عالمی برادری اس ضمن میں سیاسی مفادات کا شکار ہے اور کسی ملک میں یہ جرأت نہیں کہ وہ بھارت سے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کا مطالبہ کرے یا ملنے والی اجتماعی قبروں اور لاپتہ کشمیریوں کے حوالے سے کوئی سوال کرے۔

بھارت کی من مانی اور ظلم و تشدد پر مبنی پالیسیاں کب تک چلیں گی، کشمیری شہدا کی قربانیاں رائیگاں نہیں جا سکتیں۔ آزادی کشمیر کی تحریک کشمیر کے نشیب و فراز سے آگاہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ہر سال پاکستان میں یوم یکجہتی کشمیر مقبوضہ وادی کے حریت پسند کشمیری مجاہدین کے حصول آزادی اور تحفظ آزادی کا جذبہ دوآتشہ کرتا ہے۔ یاد رہے کہ نام نہاد لائن آف کنٹرول کے دونوں جانب یہ دن منانے کا آغاز ۱۹۹۱ء میں کیا گیا جس روز پوری پاکستانی قوم حلف اٹھاتی ہے کہ مقبوضہ وادی سے بھارتی افواج کے انخلاء اور ایک کروڑ ۲۰ لاکھ مسلم عوام کی کامل آزادی تک وہ اپنی جاں نثارانہ اور سرفروشانہ مثالی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی از بس ضروری ہے کہ مقبوضہ وادی کے مسلم عوام کے ساتھ بھارتی افواج نے ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء سے وحشیانہ اور بہیمانہ تشدد کا جو سلسلہ جاری کیا تھا وہ ۱۹۸۸ء میں کشمیر میں ایمرجنسی، ہنگامی حالات اور کالے قوانین کے نفاذ کے بعد انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔ تب وہ کشمیری عوام جو ۱۸۵۰ء سے غلامی کی سیاہ رات کا سامنا کر رہے تھے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق سروں پر کفن باندھ کر میدان عمل میں اتر پڑے۔

انہوں نے مقبوضہ کشمیر میں قائم دہلی کٹھ پتلی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور وادی کے طول و عرض میں ظلم و تشدد کا بازار گرم کرنے والے بھارت کے درندہ صفت فوجوں کی چھاؤنیوں اور کانوائوں پر مسلح حملوں کی تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ مقبوضہ وادی سے بھارتی غاصب افواج کے قدم اکھڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ کشمیری مجاہدین کی تحریک آزادی ۱۹۸۸ء تک بامِ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ ۱۹۹۹ء میں وہ لمحہ آ چکا تھا کہ اگر عالمی دباؤ قبول نہ کیا جاتا تو مجاہدین مقبوضہ کشمیر کو آزادی کی دولت سے ہمکنار کرا چکے ہوتے۔ فروری ۲۰۰۸ء کو جب ڈکٹیٹر پرویز مشرف کی حکومت مسئلہ کشمیر کو حل کیلئے بھارت پر دباؤ ڈالنے کی مسلمہ پالیسی سے انحراف کر چکی تھی تب جدوجہد آزادیٔ کشمیر کے رہنماء سید علی گیلانی ان خیالات کے اظہار پر مجبور ہوئے: "شومئی قسمت سے پاکستان کے حوالے سے کشمیریوں کے اندر مایوسی پیدا ہوئی۔ حکومت پاکستان کا رویہ

معذرت خواہانہ ہے، ہمارے دل پاکستان کیلئے دھڑکتے ہیں، ہماری منزل پاکستان ہے، بین الاقوامی ایجنڈا خواہ کچھ ہو لیکن کشمیر کے اندر جدوجہد جاری تھی اور جاری رہے گی"۔

بحمداللہ آج کشمیریوں کی قربانی کی وجہ سے حالات مختلف ہیں اور پاکستان کے منتخب وزیراعظم واشگاف الفاظ میں کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی حمائت کرتے ہوئے عالمی برادری کو آگاہ کررہے ہیں کہ اس جدوجہد کو عسکریت پسندی سے تعبیر نہ کیا جائے۔ عالمی برادری یہ جان چکی ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی پاکستان اور بھارت کے مابین جامع مذاکرات کی کوششیں بارآور ہو سکتی ہیں جب تک کشمیری عوام کو اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کی منظور شدہ قراردادوں کے مطابق حق خود ارادیت اور حق رائے شماری نہیں دیا جاتا۔

کشمیر کا مسئلہ ایک لاکھ سے زائد شہدا کے علاوہ دیگر بے شمار قربانیوں کی وجہ سے اس وقت زندہ رہے گا جب تک یہ اپنے منطقی انجام یعنی کشمیریوں کی حق خود اردایت کو تسلیم کرکے ان کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار حاصل نہیں ہو جاتا جس کیلئے عالمی برادری کو مزید تاخیر کے بغیر اس کے حل کی ناگزیر ضرورت کا فوری احساس کرکے اس خطے سے ایٹمی جنگ کے خطرات کو ختم کرنا ہوگا۔ اس مسئلے کے زندہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بھارت نے جموں وکشمیر کے چھوٹے سے خطے میں سات لاکھ سے زائد اپنی افواج تعینات کر رکھی ہے حالانکہ جب عراق پر امریکی اور اس کے اتحادی استعمار کی لشکر کشی عروج پر تھی تب بھی وہاں ان کی تعداد ایک لاکھ ۶۶ ہزار سے زائد نہیں تھی۔ مقبوضہ کشمیر میں کون سی جنگ ہو رہی ہے جو وہاں بڑے پیمانے پر فوج تعینات ہے؟ مقبوضہ کشمیر پر کسی بیرونی حملے کا بھی کوئی خطرہ نہیں پھر بھارتی حکومت کو ایسی کیا ضرورت پیش آگئی ہے کہ وہاں سات لاکھ سے زائد فوج کو تعینات رکھا جائے؟

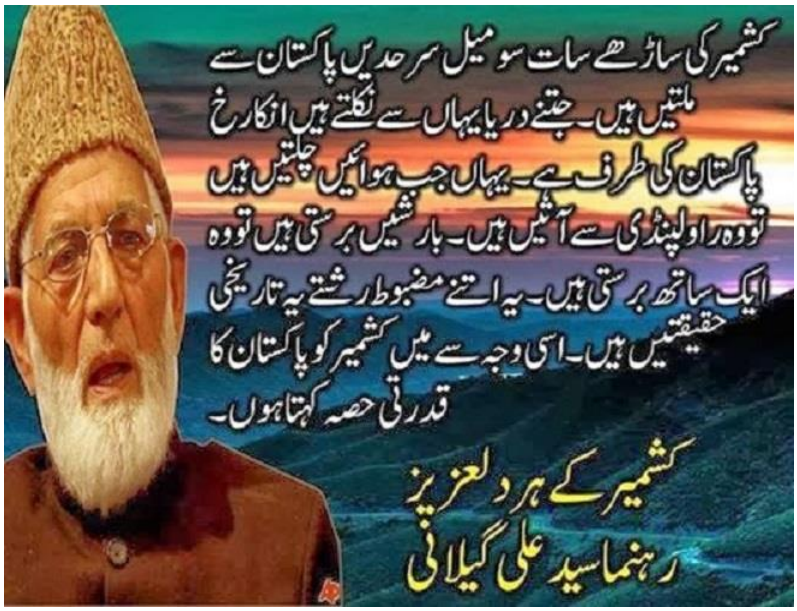

مقبوضہ کشمیر میں اتنی بڑی فوج رکھنے کے جواب میں بھارت کا استدلال یہ ہے کہ یہ اس کا حصہ ہے اور دوسری طرف پاکستان سے دراندازی کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہیں، ان دونوں کے درمیان کبھی بھی کوئی تنازعہ خطرناک شکل اختیار کرسکتا ہے۔ بھارتی قیادت بھی اس سے بخوبی واقف ہے مگر اس کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ پاکستان سے دراندازی کے باعث جموں و کشمیر میں معاملات پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ پاکستان کی طرف سے دراندازی یا حملے کے خطرے کو ہمیشہ بہانہ بنا کر عالمی برادری پر یہ جتانے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں سات لاکھ سے زائد فوجی تعینات رکھنا ضروری ہی نہیں، درست بھی ہے۔ ایسے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بھارت کو یہ شکائت ہے کہ پاکستان کی طرف سے دراندازی ہوتی رہتی ہے تو پھر بھارتی قیادت ایسا کیوں نہیں کرتی کہ بین الاقوامی سرحد اور کنٹرول لائن کی نگرانی اقوام متحدہ کے غیر جانبدار مبصرین کے حوالے کردے۔

بھارت نے پاکستان کی طرف سے دراندازی روکنے کیلئے کئی اقدامات کررکھے ہیں۔ ایک طرف تو طویل ترین باڑ لگا رکھی ہے اور ساتھ ہی موشنز سینسر کے ساتھ ساتھ تھرمل امیجنگ ڈیوائسز کے علاوہ الارمز بھی لگا رکھے ہیں یعنی اگر کنٹرول لائن پر کوئی معمولی سے بھی حرکت ہو تو جدید ترین آلات سے فوری پتہ چل جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان جو زمین ہے اس پر جگہ جگہ بارودی سرنگیں بھی بچھی

ہوئی ہیں۔ بھارت نے اب تک یہ کہتے ہوئے دنیا کو یہ بھرپور دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کی طرف سے لاحق خطرات کے باعث وہ مقبوضہ کشمیر میں بڑے پیمانے پر فوج رکھنے پر مجبور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کیلئے اصل خطرہ پاکستان نہیں بلکہ خود کشمیری عوام ہیں۔ کشمیری عوام کو حق خودارادیت سے محروم رکھنے کے علاوہ ان پر بے پناہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کے بعد بھارت نے خود ان کو اپنا دشمن بنا رکھا ہے۔ بھارت مختلف حیلے بہانوں سے کشمیریوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے حق خودارادیت سے دستبردار ہو کر بھارت کا حصہ بن جائیں لیکن ہر دفعہ اس کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ وہ اپنے حقوق کیلئے ہر دور میں جدوجہد اور قربانیاں دیتے چلے آرہے ہیں لیکن جب پرامن طریقے سے بات نہ سنی گئی تو پھر انہوں نے مسلح جدوجہد شروع کر دی ہے۔ بھارت نے اس کے جواب میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس جدوجہد کو کچلنے کیلئے تمام ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں لیکن کشمیریوں کے عزم میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔

کچھ عرصہ قبل مودی نے کہا تھا: "عالمی امن کیلئے ہمیں آپس کے اختلافات بھلا کر ایک ہو جانا چاہئے، یہ بات بہت اچھی لگتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کون کرے گا؟ خود بھارتی برہمن کی عیاری و مکاری کی وجہ سے مقبوضہ کشمیر پر ناجائز تسلط تادیر قائم نہیں رہ سکتا۔ خود مودی کی جانب سے پاکستانی سفیر کی حریت لیڈروں سے ملاقات کو بہانہ بنا کر دونوں ممالک کے سیکرٹری لیول کے مذاکرات کو منسوخ کر دیا گیا جبکہ ایسی ملاقاتیں تو پہلے بھی ہوتی رہی ہیں اور اس مسئلے کے پائیدار حل کیلئے آئندہ بھی کشمیری لیڈروں کو اعتماد میں لینا انتہائی ضروری ہے۔ نریندر مودی نے اقوام متحدہ میں اپنی تقریر میں دہشتگردی کے خلاف ایک بین الاقوامی منشور تیار کرنے کی بات کی تھی مگر اصل سوال یہ ہے کہ برہمن جنتا نے جو کچھ اب تک کشمیر میں کیا ہے کیا وہ دہشتگردی کی تعریف میں نہیں آتا؟

نریندر مودی نے جس اقوام متحدہ سے منشور تیار کرنے کی درخواست کی ہے، آخر اسی ادارے نے کشمیریوں کی حق خودارادیت کی قراردادیں منظور کی ہیں اور ان قراردادوں پر چار بڑی عالمی طاقتوں کے علاوہ دیگر چھ ممالک نے بطور ضامن دستخط کئے ہیں اور بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت نہرو نے باقاعدہ اس قرارداد پر عملدرآمد کا اقوام عالم سے وعدہ کیا تھا۔ نریندر مودی کشمیر میں انتخابات کی آڑ میں جس مکروہ منصوبہ پر عمل درآمد کے خواہاں ہیں اس سے مودی بھاجپا اور بھارت ایک ایسے ایٹمی بم کو دولتی مارنے جا رہے ہیں جو خود بھارت اور اس خطے کو آنِ واحد میں بھسم کر کے رکھ دے گا! اس لئے مہاشے جی! اب یہ مکاری نہیں چلے گی!

ان سہمے ہوئے شہروں کی فضا کچھ کہتی ہے
کبھی تم بھی سنو یہ دھرتی کیا کچھ کہتی ہے

بروز جمعۃ المبارک ۲۰ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء

حق کے علم بردار اور عزادار

میری انتہائی سادہ دیہاتی، سفید ان پڑھ ماں عجیب سی باتیں کرتی تھی۔ "دل کی آنکھ سے دیکھ، دل کے کان سے سن" میں نے انہی سے سنا تھا۔ بہت جری اور بہادر۔ اب تو نئی نسل کی بچیاں چھپکلی اور معمولی سے کیڑوں کو سامنے دیکھ کر اپنے اوسان خطا کر دیتی ہیں اور اپنی چیخوں سے آسمان سر پر اٹھا لیتی ہیں لیکن کیا مجال کہ رات کا گھپ اندھیرا یا کبھی بادلوں کی کڑکتی گرج چمک سے انہیں کبھی خوف آیا ہو۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ خوف جیسی کوئی شئے بھی ان سے خوفزدہ ہے۔ سفید موتئے کی کلیوں یا گلاب کے پھولوں کو ایک بڑی تھالی میں رکھ کر ان سے باتیں کرنا ان کا ایک معمول تھا۔ میں ان سے کبھی پوچھتا کہ "ماں جی! کیا یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں" تو فوراً مسکرا کر فرماتیں کہ "یہ نہ صرف سنتے ہیں بلکہ سمجھتے بھی ہیں، تجھے جس دن ان سے کلام کرنا آ گیا پھر دیکھنا تجھے کسی کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ خفا بھی ہو جاتے ہیں یہ تو..... یہ پودے، درخت اور پھل پھول بہت لاڈلے ہوتے ہیں، بہت پیار چاہتے ہیں، اسی لئے اکثر مائیں اپنی اولاد کو پھول کہہ کر مخاطب ہوتی ہیں"۔ میں خاموش رہتا، کچھ سمجھ میں نہ آتا لیکن اب اس عمر میں کچھ کچھ سمجھنے لگا ہوں اور شائد یہ انہی کی دعاؤں کا ثمر ہے۔

بھرپور جوانی میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو سب بچوں کی باپ بھی بن گئیں۔ بڑی سی چادر میں لپٹا ہوا رعب دار چہرہ، جس نے گھر کے تمام امور کو خود اعتمادی کے ساتھ سنبھالا دیا۔ کبھی نہیں جھکیں، سماج کو کئی مرتبہ جھکتے دیکھا۔ اپنے شوہر کی طرح مجبوروں کیلئے انکار تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ جہاں سے گزرتیں، لوگ سر جھکا کر سلام کرتے، وہ لمحہ بھر کو رک کر ان کی خیریت دریافت کرتیں، "بالکل شرم نہ کرنا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔" ان کی گفتگو کا یہ آخری جملہ ہوتا اور وہاں سے آگے بڑھ جاتیں۔ سب بچوں کی پڑھائی اور دوسرے معمولات پر مکمل اور گہری نظر، مجال ہے کوئی عمل ان سے پوشیدہ رہ سکے۔ وہ اکثر میرے کپڑے اس انداز اور نزاکت سے دھوتیں کہ ان کو بھی کہیں چوٹ نہ آ جائے۔ میں اکثر ان کے پاس بیٹھ جاتا اور کسی کتاب یا اخبار سے کوئی کہانی قصہ پڑھ کر ان کو سناتا رہتا لیکن اس کہانی یا قصہ پر ان کا تبصرہ سن کر یقین نہیں آتا تھا کہ میری ماں بالکل ان پڑھ ہے۔ ایک دفعہ میں سامنے بیٹھا کچھ سنا رہا تھا کہ اچانک ایک پتھر میری پشت کی طرف دیوار پر دے مارا۔ میں اس اچانک عمل پر خوفزدہ ہو گیا، پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک لمبا سا بچھو تھا جو اس پتھر کی ضرب سے کچلا گیا۔ وہ غضب ناک شیرنی لگ رہی تھیں۔ "ماں جی! اس نے آپ کا کیا نقصان کیا تھا کہ آپ نے اس کا یہ حشر کر دیا"۔ "کچھ نہیں، خاموش رہو" میرے اس سوال پر مجھے سینے سے چمٹا کر بولیں "یہ اگر میرے پھول کو ڈس لیتا تب کیا کرتی؟" "کچھ لوگ بھی بہت معصوم لگتے ہیں لیکن ان میں زہر بھرا ہوتا ہے، ڈس لیتے ہیں پھر بھی نا آسودہ رہتے ہیں" "ہاں! یہ بھی میں نے انہی سے پہلی دفعہ سنا اور سیکھا تھا۔ زندگی بھر یہی ان کا عمل رہا، بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھیں، ہر دم نبرد آزما..... سماج سے، وقت سے، حالات کے جبر سے۔

ہم سب کو رات جلد سونے کا حکم تھا لیکن خود کب سونے کیلئے جاتی تھیں، کسی کو علم نہیں تھا۔ یہ پتہ ہے کہ صبح چار بجے اٹھ کر گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جاتیں تھیں اور سب کو فجر کی نماز پڑھنے اور قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام سختی سے کرواتی تھیں۔ صبح سویرے اٹھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی سارے گھر کی باقاعدگی کے ساتھ نگرانی کر رہا ہے۔ اپنے پالتو کتے کو ہر روز شاباش دیتی کہ ساری رات تم نے کس قدر ذمہ داری سے اپنی ڈیوٹی نبھائی۔ اس سے یوں باتیں کرتیں جیسے وہ اسی ستائش کا منتظر ہے۔ ایک فاصلے پر سر جھکائے کھڑا، کیا مجال کہ اپنی حدود سے تجاوز کرے۔ ایک مرتبہ اس کو سمجھا دیا کہ دہلیز کے اس پار رہنا ہے۔ بس ساری عمر گرمی ہو یا سردی، کوئی بہانہ بنائے بغیر، خاموشی کے ساتھ اپنے فرائض بجالاتا رہا اور

اپنی مالکہ کے احکام کی تعمیل کی! مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ سب کچھ میری ماں نے کہاں سے سیکھا، جس نے آج تک کسی کتاب کو چھوا تک نہیں، کسی مکتب کو دیکھا تک نہیں..... یہ کیا اسرار تھا؟ اب اس کی جتنی گہرائی میں جاتا ہوں عقل و دانش کے نئے نئے پرت کھلتے جاتے ہیں۔ ان کے جملوں کی سادگی میں چھپی حکمت اور حلاوت آج پھر شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ وہی محبت میں گندھی ہوئی ماں ، جب بھی لکھنے کیلئے الفاظ کم پڑتے ہیں، فوراً اپنی کسی یاد کے آنچل سے نمودار ہو کر اسی طرح میرا ہاتھ پکڑ کر لکھنا شروع کر دیتی ہے جس طرح بچپن میں تختی پر لکھوانے کی مشق کرواتی تھیں۔

ان کی اپنی ایک کابینہ تھی۔ اڑوس پڑوس کی کئی عورتیں اپنے دکھوں کا غم ہلکا کرنے کیلئے موجود رہتی تھیں۔ ایک دن میں ان کو یہ کہتے سنا کہ "بہن چھوڑو اس کو، دفع کرو اسے، بے غیرت پچاس بھی ہوں تو کیا کرنا، غیرت مند تو ایک بھی بہت ہے، 'جو اپنے گلے کی حفاظت نہ کر سکے وہ چرواہا کیسا؟ بہن چھوڑو!"

میں پچھلے کئی سالوں سے کبھی غزہ پر بمباری اور کبھی صابرہ اور شتیلہ کے خیموں میں خون سے ڈوبے ہوئے لاشے دیکھ چکا ہوں، مجھے بوسنیا بھی نہیں بھولتا، بھارتی گجرات کا احمد آباد اور کشمیر بھی دل کی دھڑکنوں کو بند کرنے کیلئے کافی ہے، عراق اور افغانستان تو ساری دنیا کے سامنے ہیں۔ کیسی کیسی لہو رنگ تصویریں ہیں اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی زینت..... پھول اور کلیاں خوں میں نہائی ہوئی، وحشیانہ سلوک نے تو معصومیت کو بھی بیدردی سے قتل کرنے میں عار نہیں سمجھی، کڑیل نوجوانوں کو درگور کرنے کا عمل اب بھی جاری و ساری ہے بلکہ ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت نسل کشی کی جا رہی ہے۔ مہلک ترین ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال، منوں ٹنوں بارود کی بارش سے انسانیت کا تورا بورا بنا دیا گیا، آگ و خون کی ہولی کھیلنے کے بعد ایک بھی لفظ ندامت کا سامنے نہیں آیا، ان کو اپنی جمہوریت پر بڑا ناز ہے جبکہ خود ان کے اپنے ہاں اس بربریت کے خلاف ملین مارچ ہوئے، دنیا بھر میں اس ظلم کے خلاف مظاہروں کی بھی ذرہ بھر پرواہ نہیں کی۔ میگنا کارٹر کی جمہوریت کا راگ الاپنے والوں نے ان مظاہروں کے جواب میں بڑے تکبر اور جوش سے یہ نعرہ لگایا کہ "ابھی تو شروعات ہیں' آگے آگے دیکھتے جاؤ" ہاں! قصر سفید اور مغربی آقاؤں کی لونڈی اقوام متحدہ کے سیکرٹری کا کبھی کبھار ہلکی سی مذمت کا سجدہ سہو ضرور سامنے آیا۔ انسانیت کے تمام اصول و ضوابط کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی گئیں لیکن آج امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کی رپورٹ میں سی آئی اے کی جانب سے تفتیش کے دوران القاعدہ اور طالبان قیدیوں پر وحشیانہ تشدد کے لرزہ خیز انکشافات پر ساری دنیا کے انصاف پسند نہ صرف انگشت بدنداں ہیں بلکہ روح تک کانپ کر رہ گئی ہے۔

امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی نے اپنی یہ رپورٹ سی آئی اے کی خفیہ دستاویزات کے ہزاروں صفحات کے تجزیاتی مطالعے کے بعد پانچ سال میں مرتب کی، اس رپورٹ میں سی آئی اے کی عالمی پیمانے پر سیاہ کاریوں اور بربریت کا جو اعتراف کیا ہے اس کو پڑھ کر انسانیت کی شرم سے آنکھیں جھک گئی ہیں، خود امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی نے امریکا کی پریمیئر انٹیلی جنس کی شدید مذمت کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ اس ایجنسی نے امریکی حکام اور عوام کو نہ صرف دونوں کو اندھیرے میں رکھا بلکہ القاعدہ اور طالبان قیدیوں پر بہیمانہ تشدد کر کے جس طرح ان سے اعتراف جرم کروائے ، وہ امریکی انصاف کی تاریخ پر ایک بدنما داغ کی حیثیت سے ہمیشہ موجود رہیں گے۔ سینیٹ انٹیلی جنس کمیٹی کے سربراہ دایان فائن اسٹائن کے مطابق سی آئی اے کا قیدیوں پر انسانی بہیمانہ تشدد میں ان کے ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیوں کو توڑا گیا، ان کو (ریکٹل ری ہائڈریشن) جیسی اذیت ناک کیفیت سے گزارا گیا جس میں قیدیوں کے پچھلے حصے سے پانی پریشر سے ڈالا گیا جس سے خطرناک حد تک جسم پھول کر پھٹنے کے قریب شدید درد سے گزارا گیا جس میں قیدیوں کے پچھلے حصے سے پانی پریشر سے ڈالا گیا جس سے خطرناک حد تک جسم پھول کر پھٹنے کے قریب شدید درد اور اذیت میں مبتلا ہو

جاتا ہے۔

نیویارک ڈیلی نیوز کی رپورٹ کے مطابق سی آئی اے کی تشدد تکنیک جانچنے والے ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ سفاکانہ اور غیر انسانی عمل تھا۔ کمیٹی رپورٹ میں اس سفاکی کا بھی ذکر کیا گیا کہ ۶۵۰ قیدیوں میں شامل ۱۴۲/ایسے قیدیوں کو بھی نشانہ بنایا گیا جو سی آئی اے کے اہلکاروں کی غلطی، نااہلی اور غلط شناخت کی وجہ سے گرفتار کئے گئے تھے اور مطلوب ملزم نہ تھے لیکن سی آئی اے کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ اس کے ایک ڈائریکٹر نے ایک بیان میں قیدیوں پر دوران تفتیش واٹر بورڈنگ یعنی پانی میں ڈوبنے کی کیفیت طاری کرنے جیسے تشدد کے طریقوں کے استعمال اور انسانیت سوز تشدد کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں کو اس لئے اٹھایا گیا کہ ہمیں عام انسانوں کی جانوں کا تحفظ کرنا تھا۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ سابق امریکی صدر بش، ان کی دست راست سابق سیکرٹری آف اسٹیٹ کونڈولیزا رائس کے ادوار میں سی آئی اے کی جانب سے تشدد کا آغاز ہوا جس میں سی آئی اے کے اہلکاروں کو القاعدہ اور اسلامی انتہاء پسندوں کے خلاف کاروائیوں، انہیں اغوا کرنے اور عقوبت خانوں میں رکھ کر سی آئی اے کے افسران کو بہیمانہ، انسانیت سوز تشدد کی کھلی چھٹی دی گئی اور وہ ہر طرح کے ظلم و ستم ڈھانے میں بے لگام ہو گئے۔ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق بیرون ملک (افغانستان، رومانیہ، ازبکستان، عراق، جرمنی سمیت سمندری حدود میں بحری بیڑوں میں بنائے ہوئے خفیہ عقوبت خانوں میں سی آئی اے نے انٹیروگیشن سنٹر قائم کر رکھے تھے جہاں ان "ٹارچر سیلز" بوچڑ خانوں میں مکمل اندھیرا رہتا تھا اور قیدیوں کو خوفناک بھیانک اور ناقابل برداشت شور کی مدد سے اذیت دی جاتی تھی، قیدیوں کو مکمل برہنہ کر دینا، گرمیوں میں سخت ترین دھوپ میں کھڑا رکھنا، سردیوں میں یخ بستہ کمروں میں رکھنا، جسم کے نازک اعضاء کو داغنا اور بجلی کے کرنٹ لگانا، کئی کئی روز تک سونے نہ دینا جیسے ظالمانہ حربے استعمال کئے گئے۔ "واشنگٹن پوسٹ" کا کہنا ہے کہ سی آئی اے کس قدر شدید اور ناقابل بیان تشدد میں ملوث تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سی آئی اے کا ایک اعلیٰ اہلکار تھائی لینڈ میں واقع عقوبت خانے میں ایک مسلمان قیدی پر تشدد دیکھ کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا اور ہذیان بکنے لگا جس پر اس کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

سی آئی اے کی سیاہ کاریوں کے حوالے سے اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ سی آئی اے کے اہلکاروں نے یو ایس ایس کول پر حملے ایک مشتبہ ملزم عبدالرحیم المنشاری کو دھمکی دی کہ اگر اس نے جرم قبول نہ کیا تو اس کی ماں کو اس کے ساتھ قید کر کے اس کے سامنے اس سے زیادتی کی جائے گی، جس کو سن کر وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ اسی طرح کی دھمکیوں کو کئی قیدیوں کے اعصاب توڑنے کیلئے استعمال کیا گیا، کسی قیدی کی بہن کو، کسی قیدی کی بیوی کو اٹھا کر ایسا سلوک کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ القاعدہ کے رہنما خالد شیخ کو بھی یہ دھمکی دی گئی کہ اس کے بچوں کو اس کے سامنے دردناک طریقے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ شائد یہی وجہ تھی کہ خالد شیخ نے امریکی حکومت کی طرف سے کسی بھی وکیل کی سہولت لینے سے انکار کرتے

ہوئے بھری عدالت میں اپنے لئے پھانسی کی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ جلد سے جلد اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے۔اسی طرح سی آئی اے کے ان ظالم درندوں نے کئی قیدیوں کو ایک ہفتے تک جگایا، جب وہ سونے کی کوشش کرتے تو ان پر یخ بستہ ٹھنڈا پانی انڈیل دیا جاتا یا پھر ذہنی اذیت کیلئے تیز شور سے ان کو جگایا جاتا جس سے کئی قیدیوں کی نفسیاتی اور دماغی حالت ابتر ہو گئی جس کے بعد کئی قیدیوں نے خودکشی کی کوششیں بھی کیں۔

اس رپوٹ کے منظر عام آنے کے بعد اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اہلکار اور انسداد دہشتگردی کے خصوصی مندوب بین ایمرسن نے شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ سابق صدر بش کے دورِ حکومت میں تشدد کو حکومتی پالیسی کے طور پر استعمال کیا گیا، جس کی پاداش میں سی آئی اے کے اہلکاروں کے خلاف فوری مقدمات درج کر کے ان کو گرفتار کیا جائے۔

روسی جریدے "ریانووستی" کی رپورٹ کے مطابق امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ سی ئی اے نے مشتبہ دہشت گردوں کو تفتیش کے دوران غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنایا لیکن اپنے طریقہ تفتیش سے حکام کو مطلع نہیں کیا گیا۔ سی آئی اے کے اہلکاروں کے تشدد سے بیشتر قید دوران تفتیش ہلاک بھی ہو گئے لیکن اس حوالے سے حقائق کو چھپایا گیا جو ایک مجرمانہ فعل اور جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی بھی ہے۔

سابق امریکی نائب صدر ڈک چینی نے فاکس نیوز سے بات کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ سی آئی اے کے قیدیوں پر دوران تفتیش تشدد کے طریقوں سے اس وقت کے امریکی صدر بش مکمل طور پر آگاہ تھے۔ڈک چینی نے امریکی سینیٹ کی اس رپورٹ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جس میں کہا گیا ہے کہ سی آئی اے نے دوران تفتیش تشدد کے پروگرام کے بارے میں سیاست دانوں کو گمراہ کیا گویا تمام امریکی سیاستدان بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔اس کے باوجود قدرت کا انتقام دیکھئے کہ جس مخلوق کو کیڑوں مکوڑوں سے حقیر اور کمتر سمجھ کر نیست و نابود کرنے کے دعوے کر رہے تھے، نہ صرف انہی کے ہاتھوں اپنے دامن پر شکست کے بدنما داغ لیکر رخصت ہو رہے ہیں بلکہ افغانستان میں اپنے اڈوں سے رخصتی کیلئے حملہ نہ کرنے کی بھیک مانگتے ہوئے طالبان کو باقاعدہ ایک خطیر رقم بھی ادا کی گئی اور دوسری طرف قصر سفید کا فرعون دن رات اس کوشش میں ہے کہ کسی طریقے سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی کوئی ایسی سبیل نکلے کہ رسوائیوں کی روسیاہی کا بوجھ کم ہو سکے۔

آج میں شدت سے یہ سوچ رہا ہوں کیا دنیا بھر کے اصول و ضابطے صرف امت مسلمہ کیلئے ہیں۔دنیا بھر میں ۵۷ نام نہاد مسلمان ریاستیں ہیں، ایک دو نہیں پورے ستاون ممالک ہیں لیکن..... لیکن کتنے پر سکون ہیں، سو رہے ہیں ان کے حکمران، ان کی افواج، ان کے گولہ بارود کے خزانوں کو زنگ لگ رہا ہے، سب داد عیش دیتے ہوئے اور دنیا بھر کی عیاشی کا ساماں لئے ہوئے..... بے حسی کا شکار اور سفاکی کی تصویر ہمارے مسلم حکمران!

مجھے آج پھر اپنی ماں یاد آتی ہے، چٹی ان پڑھ، جو کہتی تھی کہ "بے غیرت پچاس بھی ہوں تو کیا کرنا، ہاں غیرت مند ایک بھی بہت ہے" مجھے آج پچاس میں سات کا اضافہ کرنا ہے لیکن وہ غیرت مند ہے کہاں.... کیا ایک بھی غیرت مند نہیں رہا؟؟..... سب کے سب.....!!! مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا قارئین! مجھے تو آپ نے پہلے ہی اپنی محبت کی سولی پر لٹکا رکھا ہے۔میں ان سے کیا کہوں! وہ بھی نہیں رہیں گے اور ہم بھی، کوئی بھی تو نہیں رہے گا! بس یہی سوچ کر ندامت سے خاموش ہو جاتا ہوں کہ شائد یہی حق کے علم بردار ہوں جو اپنے ہاتھوں میں اپنے معصوم بچوں کے لاشے بطور علم اٹھائے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، کوئی بھی تو علم سرنگوں کرنے کو تیار نہیں۔اب تو لاکھوں علم راہ گزاروں میں عزادار اٹھائے نکل آئے ہیں!!! یہ منیر نیازی کیوں تڑپ اٹھے!

سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں

ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں
کر یاد ان دنوں کو کہ آباد تھیں یہاں
گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں
صر صر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
کیسی ہوائیں کیسا نگر سرد کر گئیں
کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے
کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں
تنہا اجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو منیر
وہ زر فشانیاں ترے رخ کی کدھر گئیں

بروز منگل ۲۴ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۵ دسمبر ۲۰۱۴ء

اشک ولہو میں نہائے ہوئے بچوں کا سفرِ شہادت

ہر سال دسمبر ہی اپنی دلخراش یادوں سے ہم دل جلوں کو اشکبار کرنے کیلئے کیا کم تھا کہ ایک اور قیامت صغریٰ نے بھی اس میں اپنا ایسا حصہ ڈال دیا ہے کہ زندگی بھر اس درد کی ٹیسیں ہمیں یاد دلائیں گی کہ پھولوں کے شہر پشاور میں ۱۳۲ پھولوں کو مسل کر رکھ دیا گیا، وہ جو اپنے ہاتھوں میں قلم اور کتاب تھامے اپنی نبی ﷺ کے احکام کی تعمیل میں علم حاصل کر رہے تھے، ان کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ اپنی ماں سے یہ کہہ سکیں کہ دیکھ ماں! میرے لباس پر اس سرخ روشنائی ہم سب کی عقبیٰ و آخرت کی نجات کا وسیلہ بن گئی ہے۔ آج پشاور کی سڑکوں پر اچانک چیختی چنگھاڑتی سائرن بجاتی ایمبولنسوں کا اژدہام جہاں قیامت صغریٰ کا سماں پیش کر رہا تھا وہاں پوری قوم غم و اندوہ اور شدید صدمے اور سکتے کی حالت میں گم سم اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر اپنے رب سے رحم و کرم کی فریاد کر رہے تھے۔ یہ دلدوز خبر سنتے ہی ننگے سر اور پاؤں ماں باپ اپنے پیاروں معصوموں کو دیوانوں کی طرح ڈھونڈنے کیلئے سڑکوں پر دوڑ رہے تھے کہ وہ آنے والی قیامت صغریٰ کو اپنے سینے پر روک کر اپنے بچوں کو بچالیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ قوم کے نونہال اس فانی دنیا سے دار بقاء کی طرف تشریف لے گئے ہیں، اس عارضی زندگی کی بہاروں اور گلوں کی خوشبوؤں سے منہ موڑ کر دائمی بہار، سدا خوشبوؤں و مہک کے گلستانوں میں براجمان ہو گئے ہیں اور اپنے ہر تعلق رکھنے والوں کو چھوڑ کر اپنے مولا کے ساتھ مضبوط تعلق کا رشتہ جوڑ چکے ہیں۔ موت تو کوئی نئی چیز نہیں، موت تو ہر ایک کو آنی ہے۔ موت کے قانون سے نہ تو کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی، جو بھی آیا ہے اپنا مقررہ وقت پورا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ موت زندگی کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ ہم سب اس کی امانت ہیں پھر کس کی مجال جو اس میں خیانت کر سکے لیکن اس بھری معصومیت میں اس طرح حالتِ ایمان میں قربان ہو جانا اس کے حق میں بڑی نعمت ہے اور پھر کیوں نہ ہو، ایسی موت تو وصل حبیب اور بقائے حبیب کا خوبصورت سبب اور حسین ذریعہ ہے اور پھر بقائے حبیب سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو گی!

اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے یقیناً ایک دن جانا ہے اور اس دنیا میں آنا ہی درحقیقت جانے کی تمہید ہے مگر بعض جانے والے اپنے ماں باپ، لواحقین اور اہل وطن کیلئے دولت اور فخر و انبساط کی ایسی وراثت چھوڑ جاتے ہیں کہ جس کے آگے خزائن و حشم سے مالا مال شہنشاہ بھی سو فقیروں کے فقیر اور سو کنگالوں کے کنگال لگتے ہیں۔

ان معصوم شہداء نے اپنے خونِ دل اور جان سے پائے رسول ﷺ کے نقوش کو ایسا اجاگر کیا ہے کہ ہر کسی کو اب اپنی منزل آسان دکھائی دے رہی ہے۔ ان نوجوانوں کی للّٰہیت، اخلاص نیت اور بے لوث ادائے فرض نے ایک ہی جست میں تمام فاصلے عبور کر لئے ہیں جس کی تمنا انبیاء، اصحابہ اور صالحین نے ہمیشہ کی۔ ان معصوم عظیم شہداء کا خون پاکستان کی ان بنیادوں میں جا کر اپنے آباؤ اجداد میں جا کر ضم ہو گیا ہے جنہوں نے اس ملک کو کلمہ کی بنیاد پر وجود میں لانے کیلئے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور میرا وجدان، ایقان اور ایمان اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ان کی قربانیاں اب تا قیامت تک کفر کے ان تاریک جزیروں پر ایمانی قوت کے ساتھ کڑکتی اور کوندتی رہے گی جنہوں نے یہ ناپاک منصوبہ تیار کیا۔

ان شہادتوں نے جہاں اور بے شمار باتوں کا سبق یاد دلایا ہے وہاں ایک یہ بات بھی ہمارے ذہن نشین کروائی ہے کہ عالمِ اسباب میں سانس کا ایک تموج اور ذرے کا ایک حقیر وجود بھی تخلیق اسباب اور ترتیب نتائج میں اپنا حصہ رکھتا ہے۔ جس طرح عمل بد کی ایک خراش بھی آئینہ ہستی کو دھندلا جاتی ہے اسی طرح عمل خیر کا ایک لمحہ بھی عالم کے اجتماعی خیر کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ کر دیتا ہے اور لوحِ زمانہ میں ریکارڈ ہو کر کبھی نہ کبھی ضرور گونجتا ہے اور میزان نتائج میں اپنا وزن دکھاتا ہے اور یوں آخرت کو جب گروہ در گروہ اپنے رب کے ہاں حاضر ہونگے تو یہ معصوم بھی

شہداء کے کے گروہ میں شامل اپنے رب کے ہاں اس شان سے حاضر ہوں گے کہ تمام عالم ان پر رشک کرے گا۔

لیکن خدا سے ہم نے بھی ملاقات کرنی ہے، خدا جانے کب.....؟ خدا جانے کہاں.....؟ اور کس حال میں ہونگے؟ کتنی بڑی ملاقات ہو گی جب ایک عبد ذلیل اپنے معبود اکبر سے ملے گا! جب مخلوق دیکھے گی کہ خود اس کا خالقِ اکبر اس کے سامنے ہے، خدا کی قسم.....! کیسے خوش نصیب ہیں یہ نوجوان کہ جلوہ گاہ میں اس شان سے جائیں گے کہ اس ملاقات کے موقع پر خدا کو نذر کرنے کیلئے خدا کا کو کوئی انتہائی محبوب تحفہ ان کے کفن میں موجود ہو گا۔ جی ہاں! ان کفنوں کی جھولیوں میں جن میں بدن اور سچے ایمان و عمل کی لاش ہو گی مگر شہادت کے طمطراق تمغے سے سجی ہو گی۔ ان تمغوں کو خدائے برتر کی رحمت لپک لپک کر بوسے دے گی۔

کاش ہمیں بھی اس ملاقات اور یقینی ملاقات کا کوئی خیال آتا اور تڑپا دیتا، کاش ہم بھی ایسی موت سے ہمکنار ہو جائیں جہاں فانی جسم کے تمام اعضاء جس کے دستِ خاص نے ان کو وجود کے سانچے میں باری باری قربان ہو جائیں، سب خدا کیلئے کٹ جائیں، سب اسی کے پائے ناز پر نثار ہو جائیں ڈھالا ہے۔ یقیناً ان بچوں کے دھڑ شیطانی قوتوں کا شکار ہو گئے ہیں مگر اشک بار آنکھوں سے سو بار چومنے کے لائق ہیں کہ فرشتے ان کو اٹھا کر اللہ کے ہاں حاضر ہو گئے ہیں اور ان کی معصومیت اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ دنیا پر نہیں یہ آخرت پر نثار ہوئی ہیں گویا انہوں نے دنیا کی کسی چیز سے نہیں خود خدا سے عشق کیا، انہوں نے دنیا کی ساری اشیاء اور عیش و عشرت پر نہیں خود رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک پر ایمان کی بنیاد رکھی، اسی لئے انہیں دنیا کی نشیلی چھاؤں میں نہیں بلکہ شہادت کے پر شوق سائے میں پناہ مل گئی، اللہ نے انہیں زندگی کی دلفریب اور ایمان کی شاہکار شاہراہ پر اس طرح گامزن کیا ہے کہ زندگی سے ہٹ کر شہادت اور شہادت کے اس پار تک کچھ سوچنے کا کوئی موقع ہی نہ مل سکا۔ وہ اپنے معصوم بچپن، شباب و حسن سے وجد کرتے ہوئے اللہ کے ہاں اس طرح حاضر ہو گئے ہیں کہ حسن و جوانی بار بار ایسی حسرت کرے!!!

وہ زندگی اور دنیا پر جھومنے کی بجائے سچائی اور آخرت پر مر جانے کی ایسی رسم ادا کر گئے کہ زمین و آسمان ان کی موت پر آنسو بہائیں لیکن خدا اپنے فرشتوں کی محفل میں خوش ہو کہ اس کے محبوب نبی ﷺ کی امت کے یہ بچے اور بڑے اس کی بارگاہ تک آن پہنچے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہادت کے رتبے نے انہیں یہ پیغام دے دیا کہ ان کا گھر اس دنیا میں کہیں نہیں بلکہ اس دنیا میں ہے جو جسم و جاں کا تعلق ٹوٹتے ہی شروع ہوتی ہے۔ ایسی دنیا جہاں خود خدا اپنے بندوں کا منتظر ہے کہ کون ہے جو دنیا کے بدلے آخرت اور آخرت کے بدلے اپنی دنیا فروخت کر کے مجھ سے آن ملے۔ جہاں وہ جنت ہے جس کے گہرے اور ہلکے سبز باغات کی سرسراہٹوں اور شیر و شہد کی اٹھلاتی لہراتی ہوئی ندیوں کے کنارے خوف و غم کی پرچھائیوں سے دور ایک حسین ترین دائمی زندگی، سچے خوابوں کے جال بن رہی ہے۔ جہاں فرشتوں کے قلوب بھی اللہ کے ہاں پکار اٹھیں گے کہ خدایا.....! یہ ہیں وہ شہداء بچے! جن کی ساری دنیا تیرے عشق میں لٹ گئی ہے، یہ سب کچھ لٹا کر تیری دید کو پہنچے ہیں، شائد ان کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ

راہِ حق میں مارا جانا ہی دراصل تجھ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور شہادت کے معنی ہی ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ یہ تو سب کچھ لٹا کر اس یقین تک پہنچے ہیں! اور ہاں! کتنا قابل رشک ہے ان نوجوانوں کا یقیں اور ایمان، جن پر ملائکہ ایسی گواہی دیں گے اور کس قدر رونے کے لائق ہیں ہمارے ایمان جن کیلئے ہمارے دل بھی گواہی دیتے دیتے کسی خوف سے چپ ہو جاتے ہیں۔ کل جب میدان حشر میں اشک و لہو میں نہائے ہوئے یہ بچے خداوندی لطف و اعزاز سے سرفراز کئے جا رہے ہونگے، خدا جانے ہم کہاں اور کس حال میں ہونگے.....! آیئے ہم بھی آج اپنی اولاد کے قلب و ذہن میں عمل خیر کا ایسا بیج بو دیں تاکہ اس بیج پر مشیت کی برسائی ہوئی برسات سے ایسی عمل خیر کی لہلہاتی ہوئی کھیتی اگ جائے کہ جب اس فصل کی تقسیم شروع ہو تو سب کو اپنا دامن تنگ نظر آئے لیکن اسے کیا کہیں کہ دشمن نے اس دردناک سانحے کیلئے بھی اسی تاریخ کا انتخاب کیا جب ۴۳ سال پہلے اس نے ملک کو دولخت کیا تھا۔ آئی ایس پی آر کے ترجمان کے بیان کے مطابق کہ وہ اس سازش کے پیچھے نادیدہ قوتوں کا سراغ لگا چکے ہیں اور وہ جلد اس سے قوم کو مطلع کریں گے۔ کیا اب وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ملک میں ہر شہری کیلئے فوجی تربیت لازمی کر دیں تاکہ ہم اپنی افواج کے دست و بازو بن کر ملک کی طرف دیکھنے والی ہر ناپاک آنکھ کو پھوڑ دیں۔

بروز جمعۃ المبارک ۲۷ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۸ دسمبر ۲۰۱۴ء

دل کی آواز

جس ذات نے انسانی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا، اسی نے انسان کے دیکھنے کے لئے ایک خوبصورت کائنات بنائی۔ رنگا رنگ جلوے پیدا فرمائے اور ان جلوؤں میں اپنی جلوہ گری کے کرشمے دکھائے۔ فنکار، فن کے جلوؤں میں خود جلوہ گر ہے۔ آنکھ نہ ہوتی تو کسی رنگ اور کسی روشنی کی کوئی ضرورت وافادیت نہ تھی۔ مشاہدہ، جہاں مشہود کی جلوہ گری کا کمال ہے، وہاں یہ شاہد کے اندازِ نظر کا حسن بے مثال بھی ہے۔ قدرت نے جس ذوقِ تخلیق کا اظہار بے رنگ زمیں میں رنگ دار گل کاری کر کے کیا ہے، اس کی داد بس چشمِ بینا ہی دے سکتی ہے۔ بس آنکھ والا ہی ترے جوبن کا تماشا دیکھ سکتا ہے۔ دیدۂ کور پھر دیدۂ کور ہی ہے۔

پھر ایک دن ہمارے بابا نے یہ بھی کہا: آنکھوں میں جلوے اور جلوؤں میں آنکھیں..... خوشبو میں رنگ اور رنگ میں خوشبو..... ہر چیز ہر دوسری شے کے خیال میں محو..... محو کرنے والا اور محو ہونے والا... سب ایک ہی محویت کا حصہ ہیں... میں وصول بھی کرتا ہوں اور میں ہی ارسال بھی کرتا ہوں... چہرے بھی میرے ہیں اور آنکھیں بھی میری ہیں... میرے ہی خیال کی زد میں ہیں... سب فاصلے... سب دوریاں پاس ہی رہتی ہیں... بس اک نگاہ کی بات ہے..... اتفاقاً ہی اٹھ گئی تو وقت بدل جائے گا..... انقلاب بپا ہو جائیں گے..... جو نہیں ہے ہو جائے گا..... اور جو ہے وہ نہیں رہے گا ..... حاضر غیب ہو جائے گا اور غیب حاضر..... ناممکنات کو ممکنات بنانے والی آنکھ کسی وقت اٹھ سکتی ہے..... اور پھر حجابات اٹھ جائیں گے... سکوت سے کلام کا پہلو نکل آئے گا۔ صدیاں سمٹنا شروع ہو جائیں گی اور لمحے پھیلنے شروع ہو جائیں گے... بطون سے ظہور کا سفر بس اک نگاہ کا سفر ہے..... ظلمات سے نور کا سفر ایک نگاہ کا سفر ہے..... بیگانے کو اپنا بنانے کے لئے ایک نظر کافی ہے..... جان لینے کے ارادے سے آنے والا جانثار بن جاتا ہے... یہی اعجاز نگاہ ہے..... اپنا مقدر بس وہی نگاہ ہے..... ورنہ دامن عمل تو خالی ہے۔

"ٹوکیو (جاپان) کے نواح میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، اس کے اسٹیشن کے سامنے چوک میں ایک کتا تھا، اس کا معمول تھا کہ وہ اپنے مالک کو ہر صبح ٹوکیو جانے والی ٹرین پر سوار کراتا تھا اور ہر شام مقررہ وقت پر اسے لینے کے لئے وہاں موجود ہوتا تھا۔ ایک دن اس کا مالک ٹوکیو میں حادثے کا شکار ہو کر چل بسا اور اس شام مقررہ ٹرین سے وہ گھر نہ لوٹ سکا۔ وفادار کتا اس شام بھی اسٹیشن پر آیا اور پھر جو اس کے انتظار میں بیٹھا تو مرتے دم تک اس نے وہ جگہ نہیں چھوڑی۔ قصبے کے لوگ کتے سے واقف تھے، اس کے مالک کی موت سے آگاہ تھے، ان کی تمام کوششوں کے باوجود کتا اپنی جگہ سے نہ ہلا، یہاں تک کہ وہیں مر گیا۔ لوگوں نے اس کی یاد میں اس کا مجسمہ چوک میں نصب کر دیا"۔

غور کیجئے تو یہاں اہمیت مجسمے کی نہیں اُس مقصد کی ہے جس کی خاطر کتے نے جان دی، اہمیت اس کے جذبۂ وفاداری کی ہے، اس کی محبت کا محور صرف اس کا مالک تھا، اس کی زندگی صرف اسی کے لئے تھی، وہ مر گیا تو کتے نے بھی زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔

باباجی کہہ رہے تھے کہ میرا اپنا گھوڑا تھا موتی۔ میں نے شہ سواری موتی کی کمر پر بیٹھ کر سیکھی۔ کیا مجال کہ موتی پر کوئی دوسرا سوار ہو جائے۔ پاکستان بنا، موتی کو میں نے اپنے محلے کے ایک شخص کیلاش کے حوالے کر دیا اور پاکستان آ گیا۔ معلوم ہوا کہ موتی اس قدر رویا کہ نابینا ہو گیا اور جان دے دی۔ موتی کی یاد کے لئے اس کی تصویر میرے پاس ہے مگر موتی نے مجھے جو درسِ محبت دیا اور اذیت فراق کا جو مفہوم سمجھایا وہ ناقابلِ فراموش ہے !!!

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ کل صبح ایک پرندہ بڑے درد و سوز سے بول رہا تھا، اس کی آواز سن کر میرے ہوش جاتے رہے۔ صبر، برداشت اور ہوش کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، میری یہ حالت دیکھ کر میرے دوست نے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پرندے کی آواز سن کر تم اپنی

سدھ بدھ کیوں کھو بیٹھے۔"میں نے کہا"مجھے یہ تو بتا کہ یہ کہاں کی آدمیت ہے کہ پرندہ تو مسلسل اللہ کی حمد کرے اور میں انسان ہو کر خاموش رہوں ۔"شیخ سعدی بصارت و بصیرت کی عظمتوں پر فائز تھے۔انسانیت ان کا کردار تھا اور زندگی کا کوئی لمحہ انہوں نے بے فکری سے نہیں گزارا۔انہوں نے اس راز کو پالیا تھا کہ ہر ذی روح کی حیات مستعار کا ہر لمحہ اپنے اندر معنویت رکھتا ہے۔

ایک پرندہ چہچہایا تو سعدی نے اس کی چہچہاہٹ کو مقصدیت و معنویت دے دی۔ہم درختوں پر روز و شب پرندوں کو ایسا کرتے دیکھتے ہیں یا گزر جاتے ہیں یا غلیل سے شکار کر لیتے ہیں۔یہ اندازِ فکر کا فرق ہے۔ایک فکر وہ ہے کہ ایک کتے کی وفاداری کو جاپان کے دیہاتیوں نے دوام دے دیا اور ہم ہیں کہ انسان کی وفاداریوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

ایک بزرگ نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ وہ تلاشِ عرفان میں جنگل جنگل مارے مارے پھر رہے تھے۔ایک دن ایک گاؤں کے باہر انہوں نے بچوں کو ایک گڑھے کے گرد کھڑا دیکھا۔بچے ہنستے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔دیکھا کہ اس گڑھے میں کتیا نے بچے دیئے ہیں۔وہ بے حد کمزور ہو گئی ہے، گڑھے سے باہر آنے کی کوشش کرتی ہے تو کمزوری کے باعث واپس لڑھک جاتی ہے۔بچے اس منظر کا لطف لے رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔

بزرگ یہ دیکھ کر گاؤں کے نان بائی کے پاس آئے،روٹی خریدی،دودھ فروش سے مٹی کے پیالے میں دودھ لیا،دودھ میں روٹی بھگو کر گڑھے میں اترے اور برتن کو کتیا کے آگے رکھ دیا۔وہ جانے کب سے بھوکی تھی،جلدی جلدی پیٹ بھرا اور منہ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھنے لگی۔بزرگ فرماتے ہیں:مجھے ٹھیک اسی وقت وہ چیز مل گئی جس کا میں برسوں سے متلاشی تھا اور جنگل جنگل مارا مارا پھر رہا تھا لیکن آج ہم کیا کر رہے ہیں؟قیامت سے پہلے قیامت ڈھا کر اپنی فتح کا جشن مناتے ہیں۔معصوم بچوں کے اسکول پر بہیمانہ حملہ اور اس کی ہولناکی کو تاریخ میں اپنے اندر اس طرح رقم کیا ہے کہ قیامت تک ان ظالمان شیاطین پر ہر فرد لعنت بھیجتا رہے گا بلکہ ان افراد کی معمولی سے حمائت کرنے والے بھی اسی فہرست میں دیکھے جائیں گے چاہے ان کا تعلق کسی بھی شعبے سے کیوں نہ ہو۔اللہ کا قہر ہر کونے میں ان کا منہ کالا کرنے کیلئے موجود رہے گا اور یہ قہر،بد نصیبی اور منافقت کیا کم ہے کہ یہ خود کو اس دین کا مجاہد کہتے ہیں جس کے نام سے امن و سلامتی کا پیغام ملتا ہے اور کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے کلمہ گو ان معصوم بچوں کے قتل سے بری الذمہ ہو جائیں گے؟یقیناً ایک بھڑکتی ہوئی آگ کا الاؤ اس دنیا اور آخرت میں ان کا اور ان کے تمام حمائتیوں کا ٹھکانہ ہو گا جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس دردناک عذاب کا مزا چکھیں گے۔ان معصوم پھولوں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا کہ ان درندوں نے جوشِ انتقام میں انسانیت کو بھی روند دیا۔

ہمارے چاروں طرف ایسی نشانیاں بکھری پڑی ہیں،یہ حصولِ عرفانِ ذات کا آزمودہ طریقہ ہے۔لفظ"عرفان"شاید آپ کو نہیں بھایا۔اس کی جگہ لفظ"سکون"استعمال کر لیتے ہیں۔آج کے ہر انسان کو اس کی تلاش ہے،میرے خیال میں آج کل کے تمام امراض کی اصل"عدل سکون"ہی ہے ۔ سکون کے متلاشیوں کو چاہئے کہ"طالب علم"بن جائیں۔دولت،حسن،اقتدار اور حیثیت ہی کو نعمت عظمیٰ نہ سمجھ بیٹھیں۔قدرت نے ایسی بے شمار اشیاء تخلیق کی ہیں جن کو دیکھ کر اور جن کو سمجھ کر ہم حقیقت اور غیر حقیقت میں تمیز کر سکتے ہیں۔بے شمار کام ایسے ہیں جن کے انجام دینے سے گہری طمانیت حاصل ہو سکتی ہے۔یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جنہیں تا قیامت جھٹلایا نہیں جا سکتا۔طالب علم بننے میں یہی نکتہ پوشیدہ ہے کہ آدمی

دیکھے، سیکھے، سوچے اور راہِ راست اختیار کرتا چلا جائے۔ ایسے ہی لوگ قلبِ مطمئن کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی ہوتا ہے اور جان رکھئے کہ اصل توانائی روح کی بالیدگی ہے"۔

آپ دل کی آواز کو تحریر کہتے ہیں تو آج دل سے مشورہ ضرور کریں!

بروز ہفتہ ۲۸ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۱۹ دسمبر ۲۰۱۴ء

پشاور.....دسمبر تو نے بہت رلایا

لہو کے عطر میں بسے بچوں کا سفرِ شہادت

ہر سال ۱۶ دسمبر ہی اپنی دلخراش یادوں سے ہم دل جلوں کو اشکبار کرنے کیلئے کیا کم تھا کہ ایک اور قیامت صغریٰ نے بھی اس میں اپنا ایسا حصہ ڈال دیا ہے کہ زندگی بھر اس درد کی ٹیسیں ہمیں یاد دلائیں گی کہ پھولوں کے شہر پشاور میں پھولوں کو مسل کر رکھ دیا گیا، وہ جو اپنے ہاتھوں میں قلم اور کتاب تھامے اپنے نبیؐ کے احکام کی تعمیل میں علم حاصل کر رہے تھے، ان کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ اپنی ماں سے یہ کہہ سکیں کہ دیکھ اماں! میرے لباس پر اس لہو رنگ روشنائی ہم سب کی عقبیٰ و آخرت کی نجات کا وسیلہ بن گئی ہے۔ آج پشاور کی سڑکوں پر اچانک چیختی چنگھاڑتی سائرن بجاتی ایمبولنسوں کا اژدہام جہاں قیامت صغری کا سماں پیش کر رہا تھا وہاں پوری قوم بلکہ پوری دنیا غم واندوہ اور شدید صدمے اور سکتے کی حالت میں گم صم اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر رحم و کرم کی فریاد کر رہی تھی۔ یہ دلدوز خبر سنتے ہی ننگے سر اور پاؤں ماں باپ اپنے پیاروں معصوموں کو دیوانوں کی طرح ڈھونڈنے کے لئے سڑکوں پر دوڑ رہے تھے کہ وہ آنے والی قیامت صغریٰ کو اپنے سینے پر روک کر اپنے بچوں کو بچا لیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ قوم کے نونہال اس فانی دنیا سے دار بقا کی طرف تشریف لے گئے ہیں، اس عارضی زندگی کی بہاروں اور گلوں کی خوشبوؤں سے منہ موڑ کر دائمی بہار، سدا خوشبوؤں و مہک کے گلستانوں میں براجمان ہو گئے ہیں اور اپنے ہر تعلق رکھنے والوں کو چھوڑ کر اپنے مولا کے ساتھ مضبوط تعلق کا رشتہ جوڑ چکے ہیں۔ موت تو کوئی نئی چیز نہیں، موت تو ہر ایک کو آنی ہے۔ موت کے قانون سے نہ تو کوئی ذی روح مستثنیٰ ہے یہ ہو گا، جو بھی آیا ہے اپنا مقررہ وقت پورا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ موت زندگی کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ ہم سب اس کی امانت ہیں پھر کس کی مجال جو اس میں خیانت کر سکے لیکن اس بھری معصومیت میں اس طرح حالتِ ایمان میں قربان ہو جانا اس کے حق میں بڑی نعمت ہے اور پھر کیوں نہ ہو، ایسی موت تو وصل حبیب اور بقائے حبیب کا خوبصورت سبب اور حسین ذریعہ ہے اور پھر بقائے حبیب سے بڑھ کر اور نعمت کیا ہو گی؟؟ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے یقینا ایک دن جانا ہے اور اس دنیا میں آنا ہی درحقیقت جانے کی تمہید ہے مگر بعض جانے والے اپنے ماں باپ، لواحقین اور اہل وطن کے لئے دائمی دولت اور فخر وانبساط کی ایسی وراثت چھوڑ جاتے ہیں کہ جس کے آگے خزائن و حشم سے مالا مال شہنشاہ بھی سو فقیروں کے فقیر اور سو کنگالوں کے کنگال لگتے ہیں۔

پشاور کے معصوم شہدا نے اپنے خونِ دل اور جان سے پائے رسولؐ کے نقوش کو ایسا اجاگر کیا ہے کہ ہر کسی کو اب اپنی منزل آسان دکھائی دے رہی ہے۔ ان نونہالوں کی للہیت، اخلاص نیت اور بے لوث ادائے فرض نے ایک ہی جست میں تمام فاصلے عبور کر لئے ہیں جس کی تمنا انبیائ، اصحابہ اور صالحین نے ہمیشہ کی۔ ان معصوم عظیم شہدا کا خون پاکستان کی ان بنیادوں میں جا کر اپنے آباؤ اجداد میں جا کر جذب ہو گیا ہے جنہوں نے اس ملک کو کلمہ کی بنیاد پر وجود میں لانے کیلئے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور میرا وجدان، ایقان اور ایمان اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ان کی قربانیاں اب تا قیامت تک کفر و گمراہی کے ان تاریک جزیروں پر ایمانی قوت کے ساتھ کڑکتی اور کوندتی رہے گی جنہوں نے یہ ناپاک منصوبہ تیار کیا۔

پشاور کے معصومین کی شہادتوں نے جہاں اور بے شمار باتوں کا سبق یاد دلایا ہے وہاں ایک یہ بات بھی ہمارے ذہن نشین کروائی ہے کہ عالم اسباب میں سانس کا ایک تموج اور ذرے کا ایک حقیر وجود بھی تخلیق اسباب اور ترتیب نتائج میں اپنا حصہ رکھتا ہے۔ جس طرح عمل بد کی ایک خراش بھی آئینہ ہستی کو دھندلا جاتی ہے اسی طرح عمل خیر کا ایک لمحہ بھی عالم کے اجتماعی خیر کے ذخیرے میں بے پناہ اضافہ کر دیتا ہے اور لوحِ زمانہ میں ریکارڈ

ہو کر کبھی نہ کبھی ضرور گونجتا ہے اور میزان نتائج میں اپنا وزن دکھاتا ہے اور یوں آخرت کو جب گروہ در گروہ اپنے رب کے ہاں حاضر ہونگے تو یہ معصوم بھی شہداکے کے گروہ میں شامل اپنے رب کے ہاں اس شان سے حاضر ہوں گے کہ تمام عالم ان پر رشک کرے گا البتہ ان کو قتل کرنے والے سفاک ہاتھوں کو رسوائی اور ذلت، شکست اور بربادی کی سوغات ملی...... لہٰذا سے ہم نے بھی ایک روز ملاقات کرنی ہے، خدا جانے کب.. ..؟ خدا جانے کہاں......؟ اور کس حال میں ہوں گے؟ کتنی بڑی ملاقات ہو گی جب ایک بندہ ذلیل وحقیر اپنے معبود اکبرو برحق سے ملے گا! جب مخلوق دیکھے گی کہ خود اس کا خالقِ اکبر اس کے سامنے ہے، خدا کی قسم......! کیسے خوش نصیب ہیں یہ نوجوان کہ جلوہ گاہ میں اس شان سے جائیں گے کہ اس ملاقات کے موقع پر خدا کو نذر کرنے کیلئے خدا کا کوئی انتہائی محبوب تحفہ ان کے کفن میں موجود ہو گا۔ جی ہاں! ان کفنوں کی جھولیوں میں جن میں بدن اور سچے ایمان و عمل کی لاش ہو گی مگر شہادت کے طمطراق تمغے سے سجی ہو گی۔ ان تمغوں کو خدائے برتر کی رحمت لپک لپک کر بوسے دے گی۔ قاتلانِ سفاک دل کیا یہ جانتے ہیں کہ یقیناً ان بچوں کے دھڑ شیطانی قوتوں کا شکار ہو گئے ہیں مگر اشک بار آنکھوں سے سو بار چومنے کے لائق ہیں کہ فرشتے ان کو اٹھا کر اللہ کے ہاں حاضر ہو گئے ہیں اور ان کی معصومیت اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ دنیا پر نہیں یہ آخرت پر نثار ہوئی ہیں، اسی لئے انہیں شہادت کے پُر شوق سائے میں پناہ مل گئی۔ وہ اپنے معصوم بچپن، شباب و حسن سے وجد کرتے ہوئے اللہ کے ہاں اس طرح

حاضر ہو گئے ہیں کہ حسن و جوانی بار بار ایسی حسرت کرے!! وہ زندگی اور دنیا پر جھومنے کی بجائے سچائی اور آخرت پر مر جانے کی ایسی رسم ادا کر گئے کہ زمین و آسمان ان کی موت پر آنسو بہائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شہادت عظمٰی کے رتبے نے انہیں یہ پیغام دے دیا کہ ان کا گھر اس دنیا میں کہیں نہیں بلکہ اس دنیا میں ہے جو جسم و جاں کا تعلق ٹوٹتے ہی شروع ہوتی ہے، جہاں امن واطمینان ہے، جہاں دہشت گردوں کی سنگ دلی اور بزدلی نہیں بلکہ فرشتوں کی مہمانی اور سدا بہار آو بھگت ہے، ایسی دنیا جہاں خود خدا اپنے بندوں کا منتظر ہے کہ کون ہے جو دنیا کے بدلے آخرت اور آخرت کے بدلے اپنی دنیا فروخت کر کے مجھ سے آن ملے۔ جہاں وہ جنت ہے جس اور شیر و شہد کی اٹھلاتی لہراتی ہوئی ندیوں کے کنارے خوف و غم کی پرچھائیوں سے دور ایک حسین کے گہرے اور ہلکے سبز باغات کی سرسراہٹوں ترین دائمی زندگی، سچے خوابوں کے جال بن رہی ہے۔ جہاں فرشتوں کے قلوب بھی اللہ کے ہاں پکار اٹھیں گے کہ خدایا! یہ ہیں وہ شہدا بچے! جن کی ساری دنیا تیرے عشق میں لٹ گئی ہے، یہ سب کچھ لٹا کر تیری دید کو پہنچے ہیں، شائد ان کے قلوب میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ راہِ حق میں مارا جانا ہی دراصل تجھ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور شہادت کے معنی ہی ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ یہ تو سب کچھ لٹا کر اس یقین تک پہنچے ہیں!

اور ہاں! کتنا قابلِ رشک ہے ان نوجوانوں کا یقین اور ایمان، جن پر ملائکہ ایسی گواہی دیں گے اور کس قدر رونے کے لائق ہیں ہمارے ایمان جن کیلئے ہمارے دل بھی گواہی دیتے دیتے کسی خوف سے چپ ہو جاتے ہیں۔ کل جب میدان حشر میں اشک ولہو میں نہائے ہوئے یہ بچے خداوندی لطف و اعزاز سے سرفراز کئے جا رہے ہوں گے تو ان کو جان سے مارنے والے دہشت گرد کفِ افسوس مل رہے ہوں گے۔ آیئے ہم بھی آج اپنی اولاد کے

قلب وذہن میں عمل خیر کا ایسا بیج بو دیں تاکہ اس بیج پر مشیت کی برسائی ہوئی برسات سے عمل صالح اور نیک انجام کی لہلہاتی ہوئی کھیتی اگ جائے کہ جب اس فصل کی تقسیم شروع ہو تو سب کو اپنا دامن تنگ نظر آئے، لیکن اسے کیا کہیں کہ سفاک دشمن نے اس دردناک سانحے کیلئے بھی اسی تاریخ کا انتخاب کیا جب ۴۳ سال پہلے پاکستان کو دولخت کیا گیا تھا۔ آئی ایس پی آر کے ترجمان کے مطابق کہ وہ اس سازش کے پیچھے نادیدہ قوتوں کا سراغ لگا چکے ہیں اور وہ جلد اس سے قوم کو مطلع کریں گے۔ کیا اب وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی بقا اور سلامتی کے لئے سچائی کا دست و بازو بن کر ہمارے مستقبل کی ضمانتوں، معصوم بچوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کی ہر ناپاک آنکھ کو پھوڑ دیں اور دہشت اور انتقام کے تاجروں کے ایک ایک بدبختانہ منصوبے کو ناکام بنائیں۔ پشاور کے بہادر ننھے شہیدو! تمہارے پاک لہو کی قسم! قاتل کو تم نے اور تمہاری پرنسپل صاحبہ اور عملے کے دوسرے ارکان نے بے تیغ ہو کر بھی ایک ہی لخت میں اپنی معصومیت و مظلومیت کی چیخوں سے شکست فاش دی ہے۔

بروز سوموار ۳۰ صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

ہمیں دیمک نے چاٹا ہے شجر کاری کے موسم میں

دل درد سے پھٹتا جارہا ہے بلکہ درد جیسا لفظ بھی ماتم کررہا ہے، ایک ایسا زخم ہے جس کا مداوا ہوتا نظر نہیں آتا، جسم تھر تھرا رہا ہے، ہاتھوں کی لرزش اور کپکپاہٹ نے دماغ کو ماؤف کردیا ہے، کئی مرتبہ ٹی وی کو بند کرکے خود سے راہِ فرار اختیار کرتا ہوں لیکن پھر اس امید پر ٹی وی آن کردیتا ہوں کہ مبادا دل کی تسکین کیلئے کوئی خبر سننے کو مل جائے لیکن ہر مرتبہ قیامت خیز مناظر، ماؤں کی چیخ وپکار، اسکول کی دیواروں کے باہر کسی اچھی خبر کے منتظر اور بے چین باپ دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کروں میرا برا حال ہوگیا ہے، سانس لینا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ سوچتا ہوں ہزاروں میل دور بیٹھے مجھ جیسے لوگوں کا یہ حال ہے تو ان کا درد کیا ہوگا جن کے گھروں کے یہ معصوم چراغ اس بیدردی سے بجھادیئے گئے۔ ٹی وی کو دوبارہ بند کرنے کا سوچ رہا تھا کہ ٹیلیفون چیخ اٹھا، "کیا کہہ رہے ہو، تم ہوش میں تو ہو؟؟""خود کو سنبھالیں اور اس بات کا یقین کرلیں کہ سکندر بھائی کے دونوں نوجوان بیٹے (انیس اور مبین ۱۲ سال و ۱۴ سال) بھی فلاح پاگئے۔ باپ انہی درندوں کے خلاف جنگ میں مصروف، شہادت کا متمنی لیکن بیٹے بازی لے گئے۔ میرے بھائی کی کل یہی متاع تھی! میں تو اسے پرسہ دینے کی بھی ہمت نہیں پارہا تھا لیکن اس کے پر عزم الفاظ کے سامنے میں ہار گیا "میں تو پچھلی دو دہائیوں سے شہادت کا متلاشی ہوں اور اب بھی میرا سفر جاری ہے لیکن رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ "مالک الیوم الدین" کے سامنے میں دو شہید بچوں کے باپ سے بلایا جاؤں گا!

یہ قدم قدم قیامتیں بہ سوادِ کوئے جاناں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائیں

سوچتا ہوں کہ دم توڑتا انسان بھی امید پر زندہ رہتا ہے، چاہے چند لمحات ہی کیوں نہ ہوں۔ امید ایک چراغ روشن ہے، امید نشان راہ ہے، آس ہے، لاکھ بلائیں راہ روکے کھڑی ہوں، امید سہارا بن کر ساتھ کھڑی رہتی ہے۔ آگے بڑھنے پر اکساتی ہے امید، محبت، فاتح عالم ہے۔ دلوں کو تسخیر کرتی ہے محبت۔ انسان ہار کر بھی خوش رہتا ہے۔ ایثار سکھاتی ہے محبت۔ قیام کرنا، ڈٹے رہنا سکھاتی ہے محبت، جو امید و محبت کا پیکر ہوں، انہیں کون تسخیر کرسکتا ہے! وہ زیر ہوکر بھی سربلند رہتے ہیں، سرخرو ٹھہرتے ہیں، زندگی کا پیغام لاتے ہیں، زندگی پر اکساتے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ اب امید بھی خشک ریت کی طرح مٹھی سے نکلتی محسوس ہورہی ہے۔

ایوان رڈلے کو ہدائت اللہ رب العزت نے نصیب فرمائی لیکن وجہ طالبان کا حسن سلوک اور خواتین کی عزت ٹھہری تھی لیکن آج سواتی طالبان کے بھیس میں اسلام اور شریعت کو بدنام کرنے والوں کے بارے میں بجا طور پر جس یقین کا میں شروع دن سے اظہار کرتا چلا آرہا ہوں کہ ٹرائیکا (سی آئی اے، موساد اور را) کی مکمل پشت پناہی سے یہ تکفیری گروہ کو نہ صرف دین اسلام بلکہ عالم اسلام کی پہلی ایٹمی قوت پاکستان کے وجود کے خلاف اپنے مخصوص مفاد کیلئے میدان میں اتارا گیا۔ تحقیق کے بعد یہ بات بھی سامنے آگئی ہے کہ وہ ان مدرسوں اور لٹریچر کی پیداوار نہیں، جس نے ملا عمر تخلیق کئے۔ ان طالبان علم نے جب افغانستان کی بگڑتی صورتحال کو دیکھا تو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر بندوق اٹھائی اور وہاں اسلامی شریعت نافذ کردی۔

آج سے آٹھ دس سال قبل میڈیا اس قدر فعال نہیں تھا اب تو میڈیا پھیلنے کے ساتھ ساتھ غیر تربیت یافتہ افرادی قوت کو جن میں اکثر صحافی کی تعریف پر پورا نہیں اترتے، اپنے اندر سمیٹ چکا ہے اور بڑی تعداد میں ایسی خبریں فراہم کررہا ہے جن سے دین کے علمبرداروں کو تعلیم دشمن، امن مخالف اور خواتین دشمن قرار دینے میں انہیں دقت اٹھانا نہیں پڑتی۔ لیکن آج سے ایک دہائی قبل مغرب کے صحافیوں کو انٹیلی جنس اہلکار کی دہری ذمہ

داری ادا کرنی پڑتی تھی۔

افغانستان کی امارات اسلامی کو چلانے والے طالبان کی خامیوں کی متلاشی ایوان رڈلے جب افغانستان پہنچی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ ان کو مقید کرنے والے "وحشی" طالبان کچھ اور طرح کی مخلوق ہوں گے۔ ایوان رڈلے نے خواتین کے حقوق کے "علمبرداروں" سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ اگر وہ کہیں ان "جنگلی درندوں" کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ اسے نوچ ڈالیں گے اور ہلاک کریں گے تو وہ بھی کوڑے برسا برسا کر اور اذیت دے دے کر۔ افغانستان کے طالبان، طالبان علم رہ چکے تھے، وہ علوم جو دینی تعلیمی اداروں کی برکت سے نبی مہربان ﷺ سے ہوتے ہوئے ان تک پہنچا تھا۔ وہ علم جس کے تحت دوران جنگ خواتین اور بچے تو درکنار، درختوں کو کاٹنا بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ یہ طالبان نہ تو ایوان رڈلے کی باتوں سے طیش میں آئے اور نہ ہی ان کو اس کا رویہ ناگوار گزرا بلکہ وہ اسی طرح برتاؤ کرتے رہے جس طرح ان کے دین نے ہدائت کی تھی۔

ایوان رڈلے طالبان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئیں اور آج وہ ظلم کے خلاف مضبوط آواز بن چکی ہیں۔ آج امریکہ، برطانیہ اور ان کے تمام حواریوں کے ظلم کے خلاف شمشیر برہنہ بن کر اپنے قلمی جہاد میں پیش پیش ہیں۔ افغانستان کے ریگزاروں سے اٹھنے والی ایک بیٹی کی آواز کسی مسلمان مرد نے تو نہیں سنی کہ اب محمد بن قاسم نہیں رہے مگر یہ آواز برطانیہ کی اس بہادر اور باغیرت نو مسلمہ ایوان رڈلے نے سنی۔ جی ہاں! پاکستان کی بیٹی عافیہ صدیقی کی آواز، جس کو ہمارے کمانڈو صدر نے ڈالروں کے عوض بیچ ڈالا تھا۔ میرے کانوں میں ایوان رڈلے کی رقت بھری آواز آج بھی گونج رہی ہے جب اس نے عافیہ صدیقی کے بارے میں مغربی دنیا میں قصر سفید کے مظالم کا پردہ چاک کرتے ہوئے ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور یقیناً ایوان رڈلے کے اس انکشاف کے بعد پاکستانی صحافیوں کو بھی خیال آیا کہ ان کی ایک مظلوم بہن پر کیا بیت رہی ہے لیکن آج وہ خود پشاور کے اس بہیمانہ واقعے پر بلک بلک کر رو رہی تھی۔

یہ طالبان وہ طالبان تو یقیناً نہیں جن سے ایوان رڈلے متاثر ہوئی اور جن کی مزاحمت نے امریکا اور اس کے صہیونی لشکر کو افغانستان کے کوہساروں میں ناکوں چنے چبوائے۔ میرا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا جب ٹی وی چینلز پر "سوات کے طالبان" کی طرف سے لڑکیوں کے اسکولوں پر پابندی، اسکول تباہ کرنے کی خبریں بار بار چلائی جا رہی تھیں تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو جہاد کے مقدس نام کو بدنام کرنے کیلئے ایسے قبیح افعال کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے تاکہ وہ اسلام اور پاکستان کے خلاف قوتوں کو پروپیگنڈے کیلئے مواد فراہم کرتے رہیں؟؟ کیا یہ اس جہاد کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کو مرزا غلام محمد قادیانی الگ مذہب بنا کر ختم نہیں کر سکا؟ جہاد جاری رہے گا اور تا قیامت جاری رہے گا، یہ ہمارا ایمان ہے لیکن کیا تباہی پھیلانے والوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کو بے نقاب کرنا ضروری نہیں کہ آج دنیا سب کو جہادی کہہ رہی ہے چاہے وہ فلسطین میں غاصب صہیونیوں کے خلاف ہو یا بھارتی کشمیر پر قابض مکار ہندوؤں کے خلاف، افغانستان اور عراق پر جارحیت کرنے والے عالمی دہشتگرد امریکا کے خلاف ہو یا چاہے وہ "جہاد" جو لڑکیوں کے اسکول جلا کر سوات میں شروع ہوا اور آج وہ بدبخت اور شیطان صفت پشاور جیسے بہیمانہ واقعہ کو بھی جہاد سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

ان ناہنجار ظالمان کے افعال کو نقل کر کے کیا افغانستان میں جاری جہاد کو مطعون کیا جا سکتا ہے؟ مجھے یاد ہے کہ آج سے چھ سال پہلے بڑے ہی جید عالمِ دین نے فرمایا تھا کہ قوم کو جہاد کا نام لیتے ہوئے شرمانا نہیں چاہئے۔ میں نے اس وقت بھی ان سے مخلصانہ گزارش کی تھی کہ وہ خود بغیر شرمائے سوات کے طالبان کے جہاد کی تشریح ضرور فرمائیں جواب تک ساڑھے چار سو سے زائد بچیوں کے اسکول خاکستر کر چکے ہیں اور حکم عدولی پر سوات

کے باسیوں کی گردنیں تن سے جدا کر کے شقاوت کی ایک نئی تاریخ رقم کھلے چوک میں لٹکا کر کس کر رہے ہیں۔ قبروں سے لاشیں نکال کر آج وہ خود ہی ان کو ظالمان سے تشبیہ دے جہاد کا پرچار کر رہے ہیں؟ تو آج یہ رہے ہیں لیکن کیا ہی بہتر ہوتا اگر اس وقت ان کا یہ ردّ عمل ہوتا شرمندگی نہ ہوتی۔ آج اس واقعے پر افسوس تو کیا جا رہا ہے، ہر چینل پر اس سانحے پر بڑی ڈھٹائی سے تبصرے تو ہو رہے ہیں لیکن ٹی ٹی پی کا نام لیتے ہوئے ان پر منافقت طاری ہو جاتی ہے۔

ہمارے علماء اہل علم دانش کا فریضہ ہے کہ وہ میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے دنیا کو جہاد کے بارے میں بتائیں اور جہاد کو بدنام کرنے والوں کو بھی بے نقاب کریں۔ اگر ہمارے علماء اہل علم دانش اپنے اس عظیم فرض سے کوتاہی برتیں گے اور آگے بڑھ کر اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے ارض پاکستان کو بچانے میں اپنا کردار ادا نہیں کریں گے تو اللہ اپنی سنت پوری کرتے ہوئے ہمارے علماء اہل علم دانش کو اس منصب سے نہ صرف ہٹا دے گا بلکہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا نام بطور عبرت محفوظ کر دیا جائے گا۔

میں نے پچھلے دنوں ہی ایک واقعہ پڑھا تھا۔ کیا بات تھی اس میں 'مجھے نہیں معلوم! حضرت شیخ عثمان خیر آبادی غزنی میں رہتے تھے۔ سبزی پکاتے اور بیچتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاس آتا اور کھوٹا درہم دے کر جو کچھ آپ نے پکایا ہوتا خریدنا چاہتا تو وہ کھوٹا درہم لے لیتے اگرچہ انہیں معلوم ہوتا کہ یہ درہم کھوٹا ہے لیکن وہ خریدار کے منہ پر کچھ نہ کہتے اور جو کھرا درہم لاتا اس کو بھی پورا سالن یا ترکاری دیتے تھے۔ لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ شیخ عثمان کھوٹے اور کھرے میں امتیاز ہی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آتے اور انہیں کھوٹے درہم دے کر چلے جاتے اور یہ ان کو کھرا سمجھ کر واپس نہ لوٹاتے اور خریدار کو شرمندہ نہ کرتے۔ اس طرح کھوٹے سکوں کے کئی ٹوکرے جمع ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کھوٹے سکوں کی وجہ سے خسارے نے ان کا سارا کاروبار ٹھپ کر دیا۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو ان کے چند جاننے والے دوست ان کے پاس عیادت کیلئے آئے ہوئے۔ شیخ عثمان نے اپنے ایک قریبی دوست کو ان تمام ٹوکروں کو چارپائی کے نیچے سے نکالنے کی درخواست کی۔ دوست کو بڑا گراں گزرا کہ شیخ عثمان اب نزع کی حالت میں اپنی خفیہ دولت کو دیکھنے کا متمنی ہے۔ دوست نے حکم کی تعمیل کی۔ شیخ عثمان نے ان تمام ٹوکروں کے کھوٹے سکوں کو دیکھ کر ایک لمبی آہ بھری اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا "اے بار الٰہ اور ستار العیوب! تو دوسروں سے زیادہ آگاہ ہے کہ لوگ مجھے کھوٹا درہم دیتے تھے اور میں انہیں شرمندگی سے بچاتے ہوئے کھرا سمجھ کر رکھ لیتا تھا اور ان کو رد نہیں کرتا تھا۔ اب میں تیرے پاس اپنی کھوٹی عبادت لے کر حاضر ہو رہا ہوں تو اسے اپنی عنایت سے قبول فرما لینا، اس کو رد نہ کرنا، تو بڑا کریم اور غفور الرحیم ہے۔

ہمیں رب نے بڑا کھرا اور پیارا ملک دیا ہے اور ہم تمام کھوٹے سکے ہیں جو ابھی تک اللہ کی بارگاہ میں رد نہیں کئے جا رہے لیکن کب تک؟ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے تو جنگی قیدیوں کیلئے یہ شرط رکھی تھی کہ تم ہمارے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاؤ اور اس کے بدلے میں تم کو رہائی ملے گی۔ یہ سواتی طالبان کس شریعت کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ جس کو را، سی آئی اے اور موساد نے ترتیب دیا ہے!!!!

ایوان رڈلے اب بھی بڑی پر امید ہیں۔ وہ جب بھی کسی کانفرنس یا کسی ایسے پروگرام میں شرکت کرتی ہیں، ہمیشہ وہ لباس پہن کر آتی ہیں جو طالبان نے ان کو اسلام قبول کرتے وقت تحفہ میں دیا تھا۔ اس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھ کر زادِ راہ کے طور پر استعمال کرنے کی خواہش رکھتی

ہیں لیکن نجانے کیوں آج مجھے اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے ندامت محسوس ہو رہی تھی جبکہ اس نے تو مجھے چھ سال قبل سوات کے طالبان کی حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔اس نے آج بھی بڑے یقین اور عزم کے ساتھ کہا کہ "پاکستان کے حکمرانوں کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ یہ صہیونی طاقتیں کیوں پاکستان کے درپے ہیں؟ کیونکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز پاکستانی افواج ہے اور میں ان امیدوں کے چراغوں کی ایمانی روشنی سے ان صہیونی طاقتوں کی ظلمت کو ختم ہوتا ہوا دیکھ رہی ہوں لیکن یہ ایک بڑی گہری سازش کے تحت پاکستانی افواج کو افغان طالبان کے ساتھ جنگ کرانے کی کوشش کر رہے ہیں،اللہ ان کی سازشوں سے محفوظ رکھے،آمین"۔

ایوان رڈلے !آپ کھوٹے سکے لیکر کھرے کام کر رہیں ہیں۔مجھے آپ سے یہی امید ہے۔اللہ ہمارے ان معصوموں اور ضربِ عضب کے شہداء کی قربانیوں کو شرف قبولیت بخشے کہ ہمیں ان پر ناز ہے۔مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے کہ محبت اور امید کا ہتھیار سب سے بڑا ہے،محبت فاتح عالم ہے، پاکستان کو ختم کرنے کا خواب دیکھنے والے خود نیست و نابود ہو جائیں گے۔انشاءاللہ !

لیکن کیا کروں جب یہ تصور کرتا ہوں تو خود پر قابو نہیں رہتا کہ جن ہاتھوں نے ان کو اسکول کی یونیفارم پہنا کر،ماتھا چوم کر خدا حافظ کہا تھا،کیا ان کو معلوم تھا کہ اب قیامت تک ملاقات نہ ہو گی اور جو ہاتھ اس امید پر اسکول چھوڑ کر گئے تھے،کیا ان کو معلوم تھا کہ اب انہیں ہاتھوں سے اپنے ان پھولوں کو سرد قبر میں اتارنا پڑے گا !خدا جانے عباس تابش یہ شعر کہہ کر خود کتنا رویا ہو گا !!

ہمارے کھلنے اور جھڑنے کے دن اک ساتھ آئے ہیں
ہمیں دیمک نے چاٹا ہے شجر کاری کے موسم میں

بروز سوموار ۳۰صفر الحرام ۱۴۳۶ھ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ء

ارادے کی مضبوطی ہی فتح دلاتی ہے

سوبدائی بہادر منگولوں کے عظیم بادشاہ چنگیز خان کا ایک نامور سالار گزرا ہے۔ خانہ بدوش منگول لٹیرے تموجین سے خان اعظم چنگیز خان بننے تک کے سفر میں سوبدائی (بعض مورخین اسے سوبوتائی بھی لکھتے ہیں) کا سب سے اہم حصہ رہا ہے۔ عسکری ماہرین کہتے ہیں کہ اگر سوبدائی چنگیز خان کا کمانڈر نہ ہوتا تو شاید منگول اس قدر حیران کن فتوحات نہ حاصل کر پاتے۔ سوبدائی نے بیس کے قریب جنگیں اور بے شمار لڑائیاں لڑیں مگر کسی میں شکست نہیں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بطور کمانڈر (سالار) اس نے جس قدر علاقہ فتح کیا، انسانی تاریخ میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ سوبدائی انتہائی زیرک اور شاطر جنگجو تھا۔ اس نے عسکری تاریخ میں کئی نئی اور اچھوتی چالیں متعارف کرائیں۔ منگول لشکر کا سب سے اہم عسکری حربہ "تولوغمہ" تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بانی بھی سوبدائی بہادر ہی تھا۔ اہم معرکوں میں منگول لشکر جنگ شروع ہونے کے کچھ دیر بعد پسپا ہونا شروع کر دیتا۔ مخالف سمجھتے کہ منگول شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں۔ یوں وہ زیادہ جوش و خروش سے آگے بڑھ آتے۔ ادھر منگول لشکر کا درمیانی حصہ (قلب) پیچھے ہٹ جاتا' مگر دونوں بازو اپنی جگہ پر قائم رہتے۔ جب مخالف فوجی خاصا آگے آجاتے تو پیچھے ہٹنے والے منگول سپاہی پلٹ کر حملہ کر دیتے ،اس کے ساتھ ہی دونوں بازو بھی دشمن لشکر کو گھیرے میں لے لیتے۔ اس حربے سے منگولوں نے کئی بڑی فوجیں تباہ کیں۔ یہ اور بات ہے کہ خود منگولوں کے زوال کا باعث بھی یہی حربہ بن گیا۔ اسلامی تاریخ کے ایک بے مثل جنگجو بیبرس نے اسی حربے کو خود منگولوں پر استعمال کر کے عین جالوت کے مقام پر ہلاکو خان کے سالار قط بوغا کو شکست دی۔ منگولوں کو ۳۸ برسوں میں ملنے والی یہ پہلی شکست تھی۔

سوبدائی نے چین اور مشرقی یورپ میں شاندار فتوحات حاصل کیں۔ اس نے پولینڈ اور ہنگری کی فوجوں کو صرف دو دنوں میں تباہ برباد کر دیا۔ سوبدائی بیک وقت دو تین معرکوں کی ہدایات دینے کی شہرت رکھتا تھا۔ منگول کہتے تھے کہ سوبدائی پر چالیں دیوتاؤں کی جانب سے اترتی ہیں۔ چنگیز خان کے بعد اس کا بیٹا اوغدائی خان اعظم بنا۔ روس، بلغاریہ اور دوسرے علاقوں پر حملہ کے لئے اس نے منگول شہزادے باتو خان کی رہنمائی کے لئے سوبدائی کو بھیجا۔ سوبدائی اس وقت بوڑھا ہونے کے ساتھ اس قدر موٹا ہو چکا تھا کہ گھوڑے کے لئے اس کا وزن اٹھانا ممکن نہیں رہا۔ اس کے باوجود باتو خان سوبدائی کو ایک رتھ میں بٹھا کر ساتھ لے گیا تاکہ جنگ کے دوران سوبدائی کی شاطرانہ چالوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ اوغدائی کے بعد اس کا بیٹا قویوق خان اعظم بنا۔ اس نے سوبدائی کو بلا بھیجا۔ سوبدائی نے پیرانہ سالی کے باعث مستعفی ہونے کی درخواست کی تو نوجوان قویوق نے تجربہ کار سالار سے پوچھا "سوبدائی بہادر! میں فیصلہ سازی میں کمزور ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میرا عظیم دادا کیا کرتا تھا؟"

سوبدائی بہادر نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ترچھی آنکھوں سے خان اعظم قویوق کو دیکھا اور اپنی روایتی صاف گوئی سے، جس کی وہ شہرت رکھتا تھا، بولا، خان اعظم چنگیز خان کے پوتے اور خاقان اوغدائی کے بیٹے، مجھے تمہاری بات سن کر خوشی نہیں ہوئی۔ یاد رکھو! بادشاہ کبھی اپنے فیصلوں میں گومگو کا شکار نہیں ہوتے۔ مستقبل کے اندیشوں اور ممکنہ خطرات سے گھبرانا سپاہیوں کو نہیں تاجروں کو زیب دیتا ہے۔ تمہارے دادا چنگیز خان کی فتوحات کا سب سے بڑا راز تربیت یافتہ فوج اور جنگی چالوں سے زیادہ اس کا فولادی عزم اور واضح اہداف تھے۔ خان اعظم کے بے شمار دشمن تھے۔ خود منگولوں میں سے کئی سردار اس کے مخالف تھے۔ اس کے باوجود خان کبھی بھی سازشوں سے نہیں گھبرایا۔ میری عمر بھر کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ مضبوط عزم اور واضح اہداف رکھنے والا سالار یا بادشاہ کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوگا۔

امیر تیمور ایک شاندار جنگجو اور دانا شخص تھا۔ اس کی سوانح پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اپنے تمام تر مظالم اور شخصی کمزوریوں کے باوجود وہ ایک غیر

معمولی شخص تھا۔امیر تیمور کا مشہور قول ہے کہ کمزوری یا طاقت کوئی الگ شے نہیں۔ مخالف کی کمزوریاں کسی شخص کو طاقتور بنا دیتی ہیں۔اسی طرح اس کی اپنی کمزوری دشمن کو طاقتور بناتی ہے۔

تیمور نے اپنی سوانح میں ایک دلچسپ قصہ لکھا۔تاتاریوں کا یہ بے مثل سورما کہتا ہے کہ ایک بار میں نے ایک نہایت خوبصورت لڑکی کو اپنی دلہن بنایا ۔شادی کے بعد میں کوئی سال بھر گھر میں رہا۔میری زندگی کا یہ واحد حصہ ہے جب کسی معرکے میں حصہ نہیں لیا۔ایک دن ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں کھالوں کے نرم بستر پر لیٹا ہوا تھا،میری نظر دیوار سے لٹکی تلوار پر پڑی۔یہ تلوار میں نے خاص طور پر کئی دھاتوں کے امتزاج سے بنوائی تھی جو ہلکی ہونے کے ساتھ نہایت تیز دھار تھی۔مجھے خیال آیا کہ کہیں اسے زنگ نہ لگ گیا ہو۔جب اسے اتار کر میان سے نکالا تو مجھے وہ خاصی بھاری لگی۔میں حیران ہوا کہ تلوار رکھے رکھے بھاری کیسے ہو گئی؟ پھر اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میں اتنا عرصہ ورزش اور عسکری مشق نہ کرنے سے کمزور ہو گیا ہوں۔میں نے اسی دن اپنے اہلخانہ کو سمرقند بھیج دیا اور لشکر کو لے کر اگلے معرکے کے لئے روانہ ہو گیا۔امیر تیمور منگولوں سے نفرت کرتا تھا۔وہ خود کو چنگیز خان سے بڑا سالار گردانتا تھا۔مگر وہ منگول قائد کے ایک قول کو ہمیشہ دہراتا تھا کہ ''سپاہی کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔بہادری، جرأت اور دلیری کا راستہ، جسے مضبوط عزم ہی سے عبور کیا جا سکتا ہے''۔

فرانس کے لیجنڈری لیڈر چارلس ڈیگال نے جب الجزائر کا مسئلہ حل کرنا چاہا تو ملک بھر میں طوفان کھڑا ہو گیا۔ڈیگال کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ الجزائر کے ایشو پر آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی۔پارٹی کے اندر بھی سازشیں ہو رہی ہیں، سسٹم بچانا زیادہ ضروری ہے، آپ مفاہمت سے کام لیتے ہوئے کوئی درمیانہ راستہ نکالیں۔

فرانسیسی مرد آہن کا چہرہ یہ سن کر سرخ ہو گیا۔اس نے بے ساختہ جواب دیا"لیڈر مسائل لٹکایا نہیں، حل کیا کرتے ہیں۔ ممکن ہے سٹیٹس کو کی پالیسی جاری رکھنے سے میں چند برس زیادہ حکومت کر جاؤں مگر میرے ملک کی بنیادیں ضرور کھوکھلی ہو جائیں گی''۔

نہر سویز کو قومیانے کے معاملے پر مصری قائد جمال عبدالناصر کو اسی طرح کی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔اس موقع پر شعلہ بیان ناصر نے دو جملوں میں اپنے مخالفین کی طویل تقریروں کا جواب دیتے ہوئے کہا''میں جو کر رہا ہوں، وہ مصری عوام کے دلوں کی آواز ہے۔عوام ناصر سے ایسا کرنے کی توقع کرتے ہیں تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا، ویسے بھی میرا یقین ہے کہ عوامی تائید اور قوت سے ہر سازش کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے''۔

سچ تو یہ ہے کہ پاکستان کی موجودہ صورتحال بھی سیاسی قیادت سے ایسے ہی فولادی عزم اور واضح ویژن کی توقع کر رہی ہے لیکن تاجرانہ رویہ ترک کر کے اسلام کا سپاہی بننا ہو گا۔عوام اپنی عدلیہ سے بھی مایوس نہیں ہونا چاہتے کہ یہ ان کی روشن امیدوں کا آخری سہارا ہے۔وہ اپنے ججوں کو عزم وہمت اور جرأت کا استعارہ سمجھتے ہیں اور یہ درست ہے کہ ان حالات میں ودھ اور شہد کی نہریں بہانا ان کے بس میں نہیں لیکن ان ہاتھوں کو توڑنا تو ان کے اختیار میں ہے جو بے دریغ ملکی دولت کو لوٹ کر اغیار کے بینکوں میں منتقل کر چکے ہیں اور ملکی سلامتی سے اس قدر غافل ہوئے کہ ہمیں آج پشاور جیسے ہولناک سانحے کا سامنا کرنا پڑا۔جیل میں بند دہشتگردوں کو سزائے موت کا سلسلہ بروقت شروع ہو جاتا تو شائد اس روزِ بد سے محفوظ

رہتے!

بابل کے بادشاہ بالش ضر کی غلطیوں پر اسے ایک غیبی ہاتھ نے واضح الفاظ میں نوشتہ دیوار دکھایا تھا''' تمہیں آزمایا گیا' مگر تم تول میں پورے نہیں اترے اور ہلکے ثابت ہوئے۔'' پاکستانی سیاست میں بھی آزمائش کا وقت آپہنچا۔اس میں صرف عوام کے دلوں کی آواز سننے والا ہی سرخرو ہو سکے گا۔تاریخ کا یہ ابدی سبق ہے کہ صرف وہی لیڈر فتح یاب ہوتا ہے جو فولادی عزم اور واضح ویژن کے ساتھ میدان میں قدم رکھے۔

بروز منگل یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۳ دسمبر ۲۰۱۴ء

امریکا.....مسلم امہ کے پیچھے لٹھ لئے کیوں؟

یہ ظالم عدل کے تخت کا بھی مالک

عراق میں کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ کن سے ہو رہا ہے؟ ان سوالوں کا سادہ جواب یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے وہ حالات امریکی استعمار ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ امریکا صلیبی جنگ کی تقلید میں ایک ایک کر کے مسلم ممالک میں منصوبہ بند انتشار پھیلانے کی سازش پر عمل پیرا ہے۔ وہ اس وقت فیل بد مست ہے اور نہیں چاہتا کہ مسلماں کہیں بھی امن چین سے بیٹھیں۔ اس مسلم بیزار منصوبے کو کہیں وہ بذات خود زمین پر عملا رہا ہے اور کہیں اپنے چیلے چانٹوں اور حواریوں کے ذریعے۔ دنیا کا واحد سپر پاور صریحا دوغلے پن سے کام لے رہا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد ایک بار پھر عراق شہ سرخیوں میں ہے۔ مغربی میڈیا یہاں عراق کی صورتحال کو بھرپور طریقے سے کور کیا جا رہا ہے مگر کوئی بھی مغربی میڈیا آوٹ لیٹ یہ نہیں بتائے گا کہ امریکا تنازعہ کے دونوں فریقوں کی مدد کر رہا ہے۔ ایک طرف واشنگٹن سے عراقی حکومت کو مدد مل رہی ہے اور دوسری طرف اس کے مخالفین کیلئے بھی فنڈنگ کی جا رہی ہے اور لاجسٹک سپورٹ جاری ہے۔ امریکی حکومت اگرچہ بیک وقت عراقی حکومت اور باغیوں کی مدد کر رہی ہے مگر مغربی میڈیا یہی بتائے گا کہ اوباما کو عراق میں جاری دہشت گردی پر انتہائی تشویش ہے۔

امریکی اور یورپی میڈیا میں یہ بات زور دے کر بیان کی جاتی ہے کہ عراق میں جو بھی خرابی ہے وہ امریکی انخلا کے باعث ہے یعنی جب تک امریکی افواج عراق میں تعینات تھیں تب تک وہاں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی اور مزاحمت کار بھی قابو میں تھے اور اب گویا وہ کچھ بھی کر گزرنے کیلئے آزاد ہیں۔ امریکا نے عراق پر جو لشکر کشی کی اور وہاں مختلف گروپوں کی مدد سے جو ناجائز قبضہ کیا اس کا موجودہ صورتحال سے موازنہ کرنا عجیب ہے ۔ امریکا نے خصوصی دستے تیار کئے جنہوں نے عراقی افواج کی مدد کی، اب یہی دستے ملک کے حالات خراب کرنے کے ذمہ دار بتائے جاتے ہیں۔ مین اسٹریم میڈیا اب تک زمینی حقائق چھپا رہا ہے، حقیقت کو عوام تک پہنچنے نہیں دیا جا رہا اور تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ عراق میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ میڈیا کے ذریعے دن رات صرف یہی تاثر ابھارا جاتا ہے جو بڑی طاقتوں کے مفاد کو تقویت بہم پہنچائے۔ عراق میں جو اب کھل کر سامنے آ رہا ہے وہ دراصل ملکی انتشار اور قومی خلفشار ہے جو پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے۔

امریکا، یورپ اور اسرائیل نے بہت پہلے یہ منصوبہ بنا لیا تھا کہ عراق میں شدید انتشار پھیلا کر اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ یہ منصوبہ لبنان، فلسطین، عراق، شام، خلیج فارس، ایران افغانستان اور پاکستان تک شدید بحران اور انتشار پھیلانے کا گیم پلان ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام مسلم ریاستیں شدید کمزور پڑ جائیں اور ان کے حصے بخرے کرنے میں آسانی ہو۔ زیادہ سے زیادہ انتشار پیدا کر کے امریکا، یورپ اور اسرائیل اس پورے خطے میں اپنی مرضی کے حالات چاہتے ہیں اور سرحدوں کا نئے سرے سے تعین بھی اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ امریکا، یورپ اور اسرائیل چاہتے ہیں کہ پوری دنیا اور ایشیائے کوچک سے ہوتے ہوئے افغانستان، ایران اور پاکستان تک کے نئے نقشے نئے سرے سے ترتیب دیئے جائیں۔ پس پردہ بری نیت یہ ہے کہ معاشی، سفارتی اور اسٹریٹیجک اہداف حاصل کئے جائیں۔ یہ سب کچھ ایک ایسے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے جو انتہائی مکاری اور باریک بینی سے تیار کیا گیا ہے تاکہ کہیں معمولی سا بھی جھول باقی نہ رہے۔ امریکا، یورپ، برطانیہ اور اسرائیل کے ایجنڈے کی تکمیل میں علاقائی حکومتیں بھی معاونت کر رہی ہیں، اس ضمن میں سعودی عرب کی حکومت کو کمزور اور غیر مقبول کر کے وہاں امریکی مرضی کے نتائج

حاصل کرنا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔اسی تناظر میں خطے کے بیشتر ممالک کو داخلی طور کمزور کیا جارہا ہے تاکہ ان کی شکست وریخت آسان ہو جائے۔

کسی بھی ملک کو تقسیم کرنے میں خانہ جنگی مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔بلقان کے خطے میں اس کا تجربہ بڑی طاقتوں کو کامیابی سے ہمکنار کر گیا۔سابق یوگوسلاویہ میں نسلی، ثقافتی اور مذہبی تنوع موجود تھا۔اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے نفرتوں کو ہوا دی گئی،اس کے نتیجے میں سابق یوگوسلاویہ کو سربیا، بوسنیا، ہرزیگووینا، کروشیا اور مونٹی نیگرو میں تقسیم کرنے کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔اب یہی فارمولہ آزما کر شیعہ، سنی اور کرد ریاستوں کا قیام معرضِ وجود میں لایا جاسکتا ہے۔اس کے لئے مسلح گروپس اور سیاست کے ماہر کھلاڑیوں کو کھڑا کر دئے گئے ہیں،ان کو امریکا، برطانیہ اور اسرائیل ہی کی طرف سے فنڈنگ اور مانیٹرنگ کی جارہی ہے۔دمشق ہو یا بغداد، کابل ہو یا اسلام آباد ہر جگہ مسلح گروپ اور انتشار پسند سیاسی قوتیں میدان میں لائی جاچکی ہیں جو کسی بھی حالت میں اپنے حقیر مقاصد اور مفاد سے اوپر اٹھ کر ملی اور قومی نکتہ نگاہ سے سوچنے کیلئے تیار نہیں۔شام میں بشارالاسد اور عراق میں حیدرالعابدی حکومت کے خلاف لڑائی جاری ہے۔ایک طبقہ خیال کا ماننا ہے کہ مسلح گروپوں کو امریکی محکمہ دفاع اور خفیہ ادارے سی آئی اے نے خفیہ اثاثوں کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ جھتے مغربی طاقتوں کے پسر پروردہ ہیں جنہیں فنڈ دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ حکومت کے خلاف لڑنے کی باضابطہ تربیت دینے کے بعد ان کو مسلح بھی کیا گیا۔واشنگٹن اس حوالے سے وہی کر رہا ہے جو اس نے روس کو افغانستان سے کھدیڑنے کے لئے افغان مجاہدین کو آگے لا کر کیا۔

عراق اور شام میں سرگرم ہتھیار بند گروپ اور حکومتی افواج عین امریکی ایجنڈے کے مطابق کام کر رہے ہیں۔دونوں ممالک کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی منصوبہ بندی کی جاچکی ہے تاکہ مغربی استعمار کے منصوبے زمین پر نافذ ہوں۔بغداد میں امریکی حمائت یافتہ حکومت امریکی اداروں سے جدید ترین اسلحہ خرید رہی ہے،ایف ۱۶ طیارے بھی فراہم کئے جارہے ہیں۔دوسری طرف حکومت مخالف قوتوں کو بھی مغربی خفیہ اداروں کی حمائت حاصل ہے۔انہیں فنڈز کے ساتھ ساتھ جدید ترین اسلحہ بھی فراہم کی جارہے ہیں اور باور یہ کرایا جارہا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ مسلکی اختلافات کا شاخسانہ ہے۔ویسے بھی مسلک اور فرقے کے نام پر اختلافات کی ہوا کھڑا کرنا اور متحارین کو آپس میں لڑانے کی پشت پر امریکی، برطانوی اور اسرائیلی ایجنڈا کارفرما ہے۔اس کا نچوڑ یہ ہے کہ خطے کے چند بڑے ممالک کو مسلک، نسل اور زبان کی بنیاد پر تقسیم کر دیا جائے۔ستم بلائے ستم یہ کہ اس مذموم مقصد کے حصول کیلئے استعمار خطے میں اپنے مسلم حلیفوں اور حاشیہ برداروں سے مدد لے رہا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ مشرقِ وسطی میں اپنے ہم مذہب ہمسایہ ممالک ہی مغرب کے مفادات کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔اب تک تو مغرب کی یہی زہرناک اسٹریٹیجی نظر آرہی ہے کہ ایک ہی مذہب، نسل، زبان، ثقافت رکھنے والے مسلم ممالک میں نسلی، مسلکی اور لسانی بنیاد پر تفاوت اور اختلافات کو بڑھاوا دیا جائے تاکہ اندرونی لڑائی کا دائرہ وسیع ہو اور پھر ان کی حکومتوں کو اپنے اقتدار کو ہر قیمت پر بچانے کی فکر میں الجھا یا رکھا جائے اور وہ اس حد تک کرسی کے گرویدہ ہو جائیں کہ ان کی ناک کی سیدھ میں اگر دوسرے لوگ ذبح ہو رہے ہوں، ملت کے اجتماعی مفاد کو زک پہنچائی جارہی ہو اور انتشار وافراق کو ہوا دیا جارہا ہو پھر بھی اپنے لبوں کو کوئی جنبش نہ دیں اور نہ اپنے ضمیروں کی آواز سنیں مبادا امریکہ بہادر ان سے خفا ہو۔انہیں ڈر ہے کہ عراق یا شام میں حقیقی جمہوری حکومت کا قیام خود ان کی بادشاہتوں، آمریتوں اور نام نہاد جمہوریتوں کیلئے سنگین ترین خطرہ بن کر ابھرے گا۔۲۰۰۳ میں صدام حسین کا اقتدار ختم ہونے کے بعد عرب وعجم کے مسلم ممالک کی حکومتیں عراق کے معاملے میں کافی جارحانہ رہی ہیں۔مثلاً ایک موقع پر عراق میں ایرانی اثر ونفوذ کو گھٹانے کی پالیسی کے طور سعودی عرب نے عراق سے امریکی افواج کے انخلا کی شدید مخالفت کی تھی کیونکہ اس کا

موقف تھا کہ ایسا کئے جانے کی صورت میں خطے کے اندر انتشار پسندی بڑھ جائے گی۔ دسمبر ۲۰۱۱ میں سعودی عرب نے پالیسی تبدیل کرتے ہوئے شام میں حکومت کی تبدیلی کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا کیونکہ شام میں بشارالاسد کی حکومت سعودی عرب کے رقیب ایران کی اتحادی ہے۔ سعودی عرب دل سے چاہتا ہے کہ شام میں چھاپہ ماروں کی اپنی متوازی حکومت قائم ہو۔ اس مقصد کا حصول یقینی بنانے کے لئے شام میں مزاحمت کاروں کی بھرپور معاونت کی گئی۔

بالفاظ دیگر امریکی گیم پلان کی ترتیب کچھ اس طرح دی گئی ہے کہ اس پورے معمے کا آلہ کار بننے کے باوجود لوگ اس کا اقرار نہیں بلکہ انکار ہی موزوں اور مناسب سمجھتے ہیں۔ یوں واشنگٹن کی چت بھی ہے اور پٹ بھی۔ پال بریمر نے ۲۰۰۳/۴ کے دوران میں عراق میں سول گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اس معیاد کی بنیاد پر ''مائی ڈیئر ایئر ایران'' کے عنوان سے کتاب بھی لکھی ہے جو بہت محققانہ حیثیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ پال بریمر نے جب عراق انٹیلی جنس اور پولیس کو ختم کیا تو امریکی قبضے کی بھرپور حمائت کرنے والے گروپوں کی فنڈنگ شروع کی، ان گروپوں نے عراق کے طول و عرض میں انسانیت سوز مظالم ڈھائے، ان مظالم ہی کے باعث ۲۰۰۶ اور ۲۰۰۷ء میں عراق کے طول و عرض میں قتل و غارت کا سلسلہ چلا تھا۔

پال بریمر کی گورنری کے عہد میں قابض افواج (جینوا کنونشن کے طے کردہ اصولوں کے تحت) مقبوضہ علاقوں کے عوام کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہیں اور دوسری طرف اس قبضے کو مضبوط کرنے کیلئے انہوں نے باغیوں اور مزاحمت کاروں کے گروپوں کو منظم کیا تھا۔ وزارتِ داخلہ اور اسپیشل کمانڈو فورسز کے ذریعے عراق میں ہزاروں بے قصور سویلینز کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ پال بریمر کے عراق میں امریکی سفیر جان نیگرو پونٹے نے قتل و غارت کا بازار گرم رکھا، انہوں نے ۱۹۸۰ کے عشرے میں وسطی امریکا میں ایسا ہی کیا تھا، پال بریمر نے جو کام ادھورا چھوڑا تھا اسے جان نیگروپونٹے نے مکمل کیا۔ پونٹے نے قاتل دستوں کو بھرپور امداد فراہم کی۔ ان دستوں نے ملک بھر میں لاکھوں سویلینز کے قتل کی راہ ہموار کی۔ عراق کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو گیا، معیشت برائے نام بھی نہ رہی، تیل کی پیداوار اور برآمد میں ایسا رخنہ پڑا کہ ملک تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ پونٹے نے ۱۹۸۱ سے ۱۹۸۵ تک وسطی امریکا کے ملک ہونڈراس میں سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دی تھیں، وہاں انہوں نے تربیت یافتہ بندوق برداروں کے دستے تیار کئے تھے۔ عراق میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، ناراض لوگوں کے جذبات کا استحصال کر کے ان پر مشتمل ایسے دستے تیار کئے گئے جو عراق پر امریکی قبضے کے خلاف مزاحمت کرنے والے رہنماوں کو قتل کرنے پر مامور تھے۔ ایل سلواڈور آپریشن کے تحت امریکا اور عراقی افواج مزاحمت کرنے والے رہنماؤں کو قتل کرنے کیلئے شام کی حدود میں داخل ہونے سے بھی گریز نہیں کریں گی۔

شام میں حکومت کے خلاف لڑنے والوں کے پاس جدید ہتھیار ہیں، یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، ایسا نہیں کہ امریکیوں کو اس کا علم یا اندازہ نہیں تھا، انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنہیں پروان چڑھایا گیا ہوتا ہے وہی مفادات کے خلاف جانا شروع کر دیتے ہیں۔ امریکی پالیسی میکرز کو اندازہ تھا کہ ان کے دیئے ہوئے ہتھیار کسی حد تک انہی کے خلاف استعمال ہوں گے مگر امریکا کو بہر حال اپنے طویل المعیاد مفادات کی فکر لاحق تھی (اور یہ ہمیشہ سے امریکی استعمار کا طرہ امتیاز ہے)۔

بہت سے لوگوں کو ایسا لگتا ہے جیسے امریکی پالیسی میکرز بیوقوف ہیں یا یہ کہ امریکی پالیسی ناکام ہو چکی ہے۔ ایسا نہیں ہے، دراصل امریکی پالیسی میکرز یہی چاہتے تھے کہ آپ سمجھیں کہ مشرقِ وسطی میں ان کی پالیسی ناکام ہو چکی ہے یا وہ بیوقوف ہیں۔ امریکا نے مشرقِ وسطی کے حوالے سے جو پالیسی اپنائی ہے وہ غیر جمہوری مجرمانہ اور سفاک ہے، یعنی پہلے تو معاملات خوب خراب کیجئے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہونے دیجئے اور پھر مختلف ناراض گروپوں کو آپس میں اتنا لڑاو کہ تھک ہار کر وہ امریکی چوکھٹ پر ہی انصاف کی بھیک مانگیں اور گلو خلاصی کی اپیلیں کریں، آخر میں ایک قدم آگے بڑھ کر خود ہی جمہوریت، حقوق البشر، قانون کی بالادستی اور انصاف کی علم برداری کی چکنی چپڑی باتیں کیجئے تاکہ معاملات کو درست کرنے کے کام پر آپ کا ہی ڈنکا بجے اور صلح صفائی کی راہ یا مزید بربادی کا افسانہ آپ کے اسکرپٹ کے عین مطابق لکھا جائے۔ انہی خطوط پر اندر کمار نے عراق: دی یو ایس سپانسرڈ سیکٹیرین سول وارز، اے وار آف ایگریشن میں لکھا ہے کہ جن لوگوں (مطلب امریکہ اور اس کے اتحادی) نے عراق پر جنگ مسلط کی ان کے خلاف سخت کاروائی ہونی چاہئے کیونکہ انہوں نے انسانیت کے خلاف سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ انہیں کسی بھی حالت میں معافی نہیں ملنی چاہئے۔

بروز بدھ یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۴ دسمبر ۲۰۱۴ء

رب سے تو کوئی بھی نہیں جیت سکتا

ہم سمجھتے ہیں جس کا چرمی بٹوا نوٹوں سے بھرا ہوا ہو اور اس میں ترتیب سے مختلف رنگوں کے کریڈٹ کارڈ سجے ہوں، وہ ہوتا ہے خوش قسمت۔ شاندار لشکارے مارتی نئی نکور گاڑی اور وردی پہنا ہوا شوفر گاڑی کے آگے اور پیچھے، کھلی گاڑیوں میں شعلہ اگلنے کو تیار چمک دار بندوقیں تھامے مستعد گارڈز، ہٹو بچو کا شور، اور پھر جب صاحب اتریں تو کھٹ سے دروازہ کھولنے والا اور فرمانبردار سر جھکائے ملازم، بہت بڑا مکان جس کے آہنی پھاٹک پر مسلح چوکیدار اور مکان کے ہر کونے کی خبر لیتے متحرک کیمرے، قیمتی سیل فونز، ہر دم مختلف سُروں سے اپنی جانب توجہ مبذول کرواتے ہوئے، ڈیل اور کاروباری ڈیل پلاٹوں کے سودے، ڈھیر ساری چیک بکس اور موٹے موٹے رجسٹر جن کے صفحات لین دین کے ہندسوں سے سیاہ ہوں پھر بہت بڑی سی لمبی میز جس پر ہر طرح کی نعمتیں سجی ہوں، معدنی پانی کی سربمہر بوتلوں کی قطار اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہکتا خواب ناک ماحول، نازک سے قیمتی برتنوں سے سجا دسترخوان، سفید نیپکنز اور پھر لین دین کی باتیں کرتے ہوئے لذتِ کام و دہن کی آزمائش، ایسے ہوتے ہیں خوش قسمت۔ خاک بسر لوگ ایسوں کو دیکھ کر خوش قسمت سمجھتے ہیں، ان جیسا بننے کی تگ و دو میں ہلکان اور آزردہ رہتے ہیں۔ وہ خود کو بدقسمت سمجھتے ہیں اور آہیں بھرتے ہیں، امیری، غریبی ہم نے معیار بنالیا ہے خوش قسمتی کا، خوش نصیبی کا۔

''انسان کا خیال امیر ہو تو وہ خوش نصیب ہوتا ہے اور اگر خیال غریب ہو تو دولت کی ریل پیل میں بھی بدنصیب''۔ انسان کے لیے سامانِ تعیش و آسائش ضرورت بن کے رہ جاتے ہیں اور دوسرے کے لیے رشتہ جاں اور تارِ نفس کی بقاء سے زیادہ کوئی اہم ضروت نہیں ہوتی۔ انسان حریص ہے، ناشکرا ہے، ظالم ہے، مسافر خانے میں ہمیشہ آباد رہنا چاہتا ہے، قبرستان میں کھڑے ہو کر اپنے ہمیشہ رہنے کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں جو آیا اسے واپس جانا پڑتا ہے، پھر دعویٰ کیا؟ قیام کیا پھر جبری رخصت، اگر ٹھہرنا مقدم ہو تو رخصت کی کیا ضروت! اور اگر جانا ضرورت ہو تو ٹھہرنے کے منصوبے بے معنی ہیں۔ اگر ظاہری مرتبے قائم رہ جائیں تو انسان اندر سے قائم نہیں رہتا۔ باہر سے خطرہ نہ ہو تو بدن کی چہار دیواری اندر سے گلنا شروع ہو جاتی ہے انسان اپنے بوجھ تلے آپ ہی دب کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہشات کی دیواروں میں چنوا تا رہتا ہے اور جب آخری پتھر اس کی سانس روکنے لگتا ہے تو پھر وہ شور مچاتا ہے کہ اے دنیا والو! کثرت، خواہشات سے بچو، کثرت سہولت سے گریز کرو، مال کی محبت سے پرہیز کرو، کثرتِ مال تمہیں غافل کر دے گی۔

مال و دولت کے سہارے حکومتیں کرنے والے بالآخر کارندامتوں اور رسوائیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ دولت عزت پیدا نہیں کرتی، وہ خوف پیدا کرتی ہے اور خوفزدہ انسان معزز نہیں ہو سکتا۔ غریبی محتاج رہنے کی وجہ سے خالق کے در پر سرنگوں رہتی ہے اور یوں غریبی قربِ حق کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان غریب ہو جائے یا اسے غریب ہی رہنے دیا جائے۔ ایک سماج میں امیر اور غریب کے درمیان جتنا فاصلہ بڑھتا جائے گا، اتنی ہی سماج میں کرپشن بڑھے گی۔ وہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا جہاں غریب کو نظرانداز کر دیا گیا۔ غریب ہی امیر کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ غریب سائل ہے اور امیر سخی نہ ہو تو اسے بخیل ہونے کی سزا دی جائے گی۔ غریب حقدار ہے اور اگر اس کو اس کا حق نہ دیا جائے تو حق غصب کرنے والے کو عذاب میں گرفتار کر دیا جائے گا اور عذاب کی انتہائی شکل یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل سے دولتِ تسکین نکال لی جائے گی اور یوں ایک امیر انسان پیسے کی فراوانی کے باوجود پیسے کی شدت میں مبتلا ہو کر ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو گا۔ امیر آدمی کا خوف غریب زمانہ آنے کی امید ہو سکتی ہے لیکن امیر کے لیے برے زمانے کے آجانے کا خوف ہمیشہ کے خوف سے زیادہ ہوتا ہے۔ غریب کے پاس تو پھر بھی اچھا

سر پر تلوار بن کر لٹکتا رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں پیسہ نہیں بچا سکتا بدنامیوں سے، بے عزتیوں سے، دشمنوں سے، موت سے، پھر پیسہ کیا کرتا ہے؟ صرف نگاہ کو آسودہ کرتا ہے اور یہ آسودگی دل کو مردہ کر دیتی ہے، بے حس بنا دیتی ہے اور آدمی کثرتِ مال کے باوجود تنگی خیال میں مبتلا ہو کر اذیت ناک انجام سے دوچار ہو جاتا ہے۔ خدا اُس وقت سے بچائے جب مظلوم اور بے زبان خطرہ گویائی کے طلسمات شروع کر دے۔ یہ خطرہ ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے، اس سے پہلے کہ غریب آپے سے باہر ہو اُس کی غریبی کو ٹالنے کی کوشش کی جائے اُس کا خیال رکھا جائے بڑے بڑوں کی بڑی بڑی خدمت کرنے کے بجائے غریبوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورت پوری کر دی جائے۔ ان کے کچن سے بھی دھویں اور خوشبوئیں اٹھیں۔ ان کے دستر خوانوں پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا موقع موجود ہونا چاہئے۔ غریب کو خدا کیلیے صرف نصیحت اور دوا سے کلمے نہ پڑھاؤ، اس کا دکھ بانٹو، اُس کا غم بانٹو۔ اگر غریب کو مفت دوائی نہ ملی تو تمہارے بڑے بڑے ہسپتال بیمار ہو جائیں گے، تمہارے خزانوں میں کیڑے پڑ جائیں گے، دیمک لگ جائے گی۔ ابھی وقت ہے کہ سوچا جائے، سمجھا جائے، ہوش کیا جائے۔ غریب قیمتی سرمایہ ہے بشرطیکہ اسے غریب نہ رہنے دیا جائے ۔ کیا ہو رہا ہے ہمارے آس پاس! آپ اور میں روز دیکھتے ہیں کسی غریب کے پاس علاج کے پیسے نہیں ہیں اور اس کی معصوم بچی مر جاتی ہے اور پھر وہ اس کے کفن کے لیے بھیک مانگتا ہے ہم سب مر گئے ہیں کیا؟ ہاں ہم زندہ ہی کب تھے۔

پاکستان کی تاریخ میں اتنا بڑا سانحہ ہوا کہ فوج کا سپہ سالار بھی تڑپ کر پکار اٹھا کہ ان ظالموں نے "ہمارے دل پر حملہ کیا ہے" پوری قوم یکجا ہو گئی اور سارے سیاستدان بھی اس ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور وزیر اعظم کو بھی اعلان کرنا پڑا کہ "تم اس زمین پر کہیں بھی چھپ جاؤ لیکن ہم ایک ایک کو ڈھونڈ کر اپنے بچوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لیں گے"۔ تمام سیاسی رہنماء سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ قوم کو یقین دلایا جائے کہ آئندہ کوئی ایسا سانحہ نہیں ہونے دیا جائے گا، ایسے بہیمانہ حملوں کے تدارک کیلیئے نئے سرے سے قانون سازی کی نوید سنائی گئی، دہشتگردی کے مجرموں کو کیفر کردار پہنچانے کیلیئے ان کو منطقی انجام تک پہنچانے کی ابھی کوششیں شروع ہی ہوئی تھیں کہ انہی سیاستدانوں کا تضاد سامنے آنا شروع ہو گیا کہ صرف دہشتگردی کے مجرمان کو پھانسی کے گھاٹ تک پہنچایا جائے لیکن قوم یہ سارا تماشہ دیکھ رہی ہے، اب کسی بھی معافی کی گنجائش نہیں ہو گی۔

اسرائیل بھی ایک نظریاتی ریاست ہے جس کا کوئی تحریری آئین نہیں ماسوائے لیکن پہلے دن ہی اعلان کر دیا گیا کہ "تورات" ریاست کا آئین ہو گا اور آج دنیا کے تمام معاملات پر اس کی حکمرانی ہے لیکن مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی ہے کہ کسی کی طرف سے یہ مطالبہ سامنے نہیں آیا کہ اب تو رب سے کیا گیا وعدہ پورا کرنا ہو گا کہ اب یہاں صرف رب کی حاکمیت ہو گی۔ شریعت کے نام پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن قرآن پر سب کا اتفاق ہے اور قرآن کا یہ حکم ہے کہ قصاص میں زندگی ہے ۔ عدالت عالیہ کے فیصلے کے بعد گورنر اور صدر کے پاس بھی مجرم کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جزا و سزا کا سارا اختیار قرآن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اربابِ اختیار اگر چاہتے ہیں کہ اس ملک میں امن قائم ہو اور دنیا کے دباؤ کی پرواہ کئے بغیر بلا تاخیر قرآن کو آئین بنانے کا اعلان کرنا ہو گا۔ میرے رب سے تو کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔

بروز سوموار ۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲۹ دسمبر ۲۰۱۴ء

"سالگرہ"

۱۶ دسمبر کے سانحہ نے بہت رلایا،اب بھی اس کی خوفناک یاد سے آنکھیں نم ہو گئی ہیں لیکن اب مصمم ارادہ کیا کہ اس صدمے سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کروں۔ ۲۵ دسمبر کو بانی پاکستان کی سالگرہ تھی لیکن سینوں میں برپا قیامت نے مہلت ہی نہ دی کہ پاکستان کے ہمراہ بابائے قوم کو ان کی سالگرہ پر مبارکباد کا کوئی پیغام تحریر کر سکوں شائد اس کی وجہ اندر چھپی ہوئی وہ ندامت ہے کہ میں بابائے قوم کے ساتھ کئے گئے وعدوں پر پورا نہ اتر سکا۔ سوچا کہ آج پاکستان کی سفارش سے اپنے قائد کو منانے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مجھے ہمیشہ سے پاکستان کی دوستی پر فخر ہے۔ جب میں اس کے ہمراہ ہوتا ہوں تو مجھے ایک گونہ اطمینان ہوتا ہے۔ البتہ پاکستان کی ایک بد قسمتی یہ بھی رہی ہے کہ اس کو جو ساتھی ملے، اس کے خلوص، اس کی محبت، اس کی ہمدردی، اس کی وسیع القلبی کا بے جا استعمال کرتے رہے۔ پاکستان یہ سب چکر سمجھتا تھا مگر اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے اس نے یہ سارے معاملات اللہ پر چھوڑ رکھے تھے۔ جب میں اپنے گھر سے باہر نکلا تو میں نے جگہ جگہ اجتماعات دیکھے جس میں مقرر حضرات میرے قائد کی تعریفیں، ان سے اپنی دوستی اور محبت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رطب اللسان تھے۔ میں ایک جلسے سے دوسرے پھر دوسرے سے تیسرے میں اپنے دوست پاکستان کو تلاش کرتا رہا مگر ایسا لگتا تھا کہ شائد وہ اپنے قائد کی سالگرہ کی تیاریوں میں نہ تو شریک ہونا چاہتا ہے اور نہ دوسروں کو شریک ہونے دینا چاہتا ہے۔

ان پریشان کن خیالات کو لیکر میں نے گلی گلی اپنے دوست پاکستان کو ڈھونڈنا شروع کیا، جیسے جیسے میری تلاش بڑھتی گئی، میری امید کمزور پڑتی گئی اور وقت بھی تنگ ہوتا چلا گیا۔ مجھے یہ بھی فکر لاحق تھی کہ شام کو بچوں نے بھی پاکستان سے مل کر بابا کی سالگرہ کی مبارکباد دینا تھی، اگر مجھے پاکستان نہ ملا تو میں اپنے بچوں کو کیا جواب دوں گا، ویسے بھی بچے پاکستان سے میری دوستی کو ایک خواب ہی سمجھے تھے اور میں نے بڑے وثوق سے ان کو یقین دلایا تھا کہ میں تم کو بتاؤں گا کہ میں اور پاکستان کتنے اچھے دوست اور ساتھی ہیں۔ اچانک خیال آیا کہ پاکستان جب گھبراتا ہے یا کسی بات پر اس کو صدمہ ہوتا ہے تو وہ ایک ہی جگہ ملتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں الٹے پاؤں بھاگتا ہوا گھر آیا اور اپنے بچوں، پوتوں کو ساتھ لیکر قائد اعظم کے مزار کی طرف روانہ ہو گیا۔ بابائے قوم کے مزار کے احاطے میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پاکستان بابا کی قبر سے لپٹا ہچکیاں لے رہا ہے۔

قدموں کی آہٹ پر پاکستان نے اپنا چہرہ قبر سے الگ کیا اور اپنی سوجھی ہوئی آنکھوں سے میری طرف لپکا۔ میں نے بے اختیاری میں اپنے ہاتھ پھیلائے، بغل گیر ہوتے ہی میں نے کہا کہ پاکستان تم اپنے قائد کی سالگرہ کے جلسوں میں کیوں نہیں تھے؟ اس نے مجھے فوراً اپنے سے الگ کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے میرا کندھا پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا کہ تم بھی مجھے یہی کہنے کیلئے آئے ہو؟ کیا کوئی اپنے قائد کی سالگرہ اس منافقت سے منا سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں تمہاری بات نہیں سمجھا، اس پر پاکستان نے مجھے یہ کہا کہ کیا مجھے میرے باپ نے اسی لئے جنم دیا تھا کہ یہاں قتل و غارتگری ہو، خون خرابہ ہو، رشوت، چور بازاری ہو، امتحانوں میں نقل اور غنڈہ گردی ہو، ہزاروں میل دور سے وہی استعمار آکر تم پر حکم چلائیں جن سے میں تمہیں باوقار انداز میں آزاد کروا کے گیا تھا، میرے قائد کی تصویر کو اپنی پشت پر لٹکا کر میرے سامنے میری غیرت کو سرِ عام نیلام کیا جائے اور تم سب منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر کسی مصلحت کی بناء پر اف تک نہ کرو، دنیا کی تمام برائیوں کو اپنے ہاں رائج کر کے خود کو ترقی یافتہ سمجھو، حتیٰ کہ میرے ڈیڑھ سو معصوم پھولوں کے خون سے دن دیہاڑے ایسا بہیمانہ سلوک کیا گیا لیکن تم ابھی تک اجلاس اور کمیٹیوں میں قوانین وضع کرنے میں مصروف ہو اور ان مجرموں کو کیفر کردار پہنچانے کیلئے عدالتوں کے احکام پر عملدرآمد کرنے سے اس لئے قاصر ہو کہ یورپی یونین سے کاروبار سے

محروم ہونا پڑ جائے گا یا پھر کچھ گروہ اپنی جماعتوں کے ان قاتل مجرموں کو بچانے کیلئے ایک مرتبہ پھر سر گرم ہو گئے ہیں جن کو میری آئینی عدالتوں نے سزائے موت کا حکم سنایا ہے؟؟؟؟؟

میں جب ایک سال اور کچھ دن کا تھا تو مجھ سے میرے بابا بچھڑ گئے، مجھ یتیم کو پالنے کیلئے میرے چچاؤں نے بھرپور کردار ادا کیا اور آہستہ آہستہ وہ لوگ بھی مجھ سے بچھڑ گئے۔ ایک پھوپھی تھی جو میری غمخوار اور ہمدرد تھی، باپ کی کمی جب مجھے محسوس ہوتی تو میں ان کی گود میں سر رکھ دیتا اور بے انتہا سکون پاتا۔ افسوس وہ بھی مجھ سے جدا ہو گئیں، میں غیروں کے رحم و کرم پر آ گیا، جو چچا اور رشتہ دار کروڑ پتی تھے، 'نواب تھے، صاحبِ حیثیت تھے، انہوں نے اپنا تمام دھن مجھ پر لٹا دیا اور مرتے وقت ان کی زبان سے میرے لئے دعائے خیر کے کلمات ہی نکلے کہ اے اللہ! پاکستان کی حفاظت کرنا (آمین)۔ اب تم خود ہی بتاؤ کیا وہ لوگ عظیم تھے جنہوں نے ایک یتیم کی پرورش کرنے کیلئے اپنی جان و مال داؤ پر لگا دیئے یا وہ لوگ عظیم ہیں جو میری جائیداد، میری دولت کو لوٹتے رہے اور اپنے ناموں اور اپنی اولادوں کے نام منتقل کرتے رہے اور پھر ڈھٹائی دیکھو کہ اس یتیم کو بجائے سنوارنے اور بنانے کے ایک بازو سے بھی محروم کر دیا اور پھر بھی میری محبت کا جھوٹا دم بھرتے ہیں۔ اب تم خود ہی بتاؤ کیا میں ان کی محفلوں میں شریک ہو سکتا ہوں؟

میں نے کہا دیکھو میرے ساتھ میرے بچے اور میرے پوتے بھی آئے ہیں اور میں بڑے فخر سے اپنی اور تمہاری دوستی کے متعلق بتاتا ہوں تو یہ مانتے نہیں۔ پاکستان نے اپنے بازو میرے بچوں اور پوتوں پر رکھے اور کہا اے بچو! تمہارے اور تمہارے ابو جیسے لوگ مجھ سے بے غرض محبت کرتے ہیں اور انہی جیسے لوگوں کی وجہ سے میں اب تک مملکتِ خداداد ہوں ورنہ اپنوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب تمہارا باپ میرا ایک بازو کٹ جانے کی خبر سن کر زمین پر گر گیا تھا تو اس کے سر پر ایک چوٹ آئی تھی تو میرے ہی دوسرے سلامت مگر زخمی ہاتھ نے اس کو سہارا دیکر زمین سے اٹھایا اور اس کے زخم پر اپنی محبت کا مرہم رکھا اور یہ احساس اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی کیلئے زندگی جیسی قیمتی چیز بھی قربان کر دی جائے۔ وہ لوگ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں جو ایمانداری، وفاداری اور خلوص کے ساتھ میری خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور کسی قسم کا صلہ نہیں چاہتے۔

پاکستان نے ان کو مسرت سے دیکھتے ہوئے کہا کہ بچو! میری خدمت یا مجھ سے محبت کے اور بھی بے شمار انداز ہیں جو میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔ اوّلین فرض یہ ہے کہ صالح افراد کو منتخب کر کے اسمبلیوں میں بھیجنا تاکہ وہ اس معجزاتی ریاست کو بناتے وقت جو ہم نے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا کہ اس کو ریاست مدینہ بنائیں گے جہاں صرف قرآن ہمارا آئین ہو گا جس کے تحت تمام مظلوموں کی حقوق ان کے گھر کی دہلیز پر ملیں گے۔ عدلیہ کے احکام کی پاسداری کرنا، لال بتی پر رکنا، قانون کی پاسداری کرنا، اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہیں کرنا اور اس کے علاوہ مجھ سے محبت کے انداز یہ بھی ہیں کہ اپنے کام کو پوری ایمانداری اور تندہی سے کرنا، میرے بابا کے فرمان "ایمان' اتحاد' تنظیم" کی پاسداری کرنا اور جس منصب پر فائز ہو اس کو

ایمانداری سے انجام دینا بھی میری محبت ہے۔ میری پوتی نے کہا کہ پاکستان! میں نے پچھلے برس اپنے اسکول میں جب بابا کی سالگرہ پر بابا کے احسانات پر تقریر کی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ میں جب تقریر کر رہی تھی تو اسٹیج پر بیٹھے بزرگ بجائے میری بات سننے کے باتوں میں مشغول ہو گئے اور میری تقریر کے بعد جب یہ اعلان ہوا کہ اب ان کی خدمت میں ایک گانا اور رقص پیش کیا جائے گا تو وہ خوشی کے مارے اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور مسلسل تالیوں کے ساتھ وہ زمین پر پاؤں مارنے لگے۔

پاکستان نے سرد آہ بھری اور میری پوتی کے سر پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ کر کہا بیٹی! تم صحیح کہہ رہی ہو، ہمارے بڑوں نے اپنے مقصدِ حیات کا رخ صحیح راہ پر نہیں ڈالا جس کے نتیجے ہیں ہم اپنا تمدن اور ثقافت، آداب واطوار فراموش کر بیٹھے، پھر پاکستان نے کہا بیٹا! یہ میرے بابا کی عظمت ہے کہ آزادی کی جنگ میں جہاں لاکھوں افراد قربان ہوتے ہیں انہوں نے ایک گولی چلائے بغیر اور ایک قطرۂ خوں بہائے بغیر اتنی بڑی اسلامی مملکت وجود میں لے آئے، یہ الگ بات ہے کہ فرنگی اور ہندو بنئے کی سازشوں نے میرے ہزاروں بچوں کو ہجرت کرتے ہوئے کاٹ دیا لیکن اس کے باوجود وہ جب مجھ سے ملے تو ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ پھر پاکستان نے میرے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا بیٹا! تم ڈاکٹر ہو مگر تمہارا یہ علم اور پیشہ تمہارے لئے دولت کمانے کا ذریعہ نہ بنے بلکہ تمہارے ساتھیوں اور دوسرے شہریوں کیلئے باعثِ خدمت ہو، یہی تمہاری محبت کا اظہار ہو گا۔ پھر ننھے معصوم پوتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ یہ عمر معصومیت کی ہے اور اسکی معصومیت کو بچانا اور اس کی حفاظت کرنا یہ تم بڑوں کا کام ہے۔ یہ ابن الوقت، کرپٹ اور بدعنوان لوگ جو اس وقت میرے نام کی بیساکھی لیکر سیاسی میدان میں اونچا اڑنا چاہتے ہیں، وہ زیادہ عرصے تک پنپ نہیں پائیں گے۔

بچو! میں تمہیں آج ایک راز کی بات بتاتا ہوں کہ تمہارے ابو اور دادا کی محبت جو وہ مجھ سے کرتے ہیں، ایک عجیب سی محبت ہے۔ یہ دنیا میں جہاں جہاں بھی گئے میرے نام کو بلند ہی کرتے رہے! ایک بات اور بتادوں کہ آج صبح تمہارے ابو نے اپنے تمام ساتھیوں کو کانفرنس روم میں جمع کیا اور سب سے پہلے میرے ان معصوم پھولوں کی مغفرت کی دعا کی، پھر میرے بھائی اقبال کی لکھی ایک نظم "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" سب نے مل کر پڑھی' پھر ہر ایک نے باری باری میری تاریخِ آزادی اور لوگوں کی مجھ سے عقیدت اور محبت کے اوپر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ محبت کا یہ اظہار کسی کے زور، کسی زبردستی، کسی لالچ کے بغیر تھا، سب ساتھیوں کے چہروں پر جذبات کی حرارت، آنکھوں میں فرطِ محبت سے امڈے ہوئے آنسو اور کپکپاتے ہوئے لب اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ یہ اور ان جیسے بے شمار لوگ اب بھی مجھ سے بے غرض محبت کرتے ہیں تو بچو! تم بھی اپنے ابو اور ان کے ساتھیوں جیسے بنو کیونکہ تم ہی سے ان کی کل اور میری نئی صبح وابستہ ہے۔ پاکستان کی آواز گلوگیر تھی اور وہ خاموش کھڑا اپنے باپ سے کہہ رہا تھا!

"بابا! تم نے میرا ایک تشخص بنایا، تمہارے ساتھیوں نے اس میں رنگ بھرا اور کچھ نادانوں نے اس رنگ کو اپنی حماقتوں سے مٹانے کی کوشش کی لیکن آج معصوم بچوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیکر قوم کو ایک مرتبہ پھر متحد ہونے کی دعوت دی ہے۔ بابا! اب بھی بہت سے لوگ میری محبت میں تن من دھن کی بازی لگانے کیلئے تیار ہیں اور مجھے امید ہے میرا نام، میری شناخت انشاءاللہ ختم نہیں ہو سکتی!

پھر پاکستان نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھایا، میرا اور میرے بچوں کا ہاتھ پکڑا، ہم نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پاکستان پائندہ باد اور قائدِ اعظم زندہ باد کے پرجوش نعرے لگائے، قومی ترانہ پڑھ کر مزار سے باہر آئے۔ سب نے باری باری پاکستان کے ساتھ ہاتھ ملایا اور تجدیدِ عہد کر کے ہم لوگ اپنے گھر کو واپس ہوئے (پاکستان پائندہ باد)

بروز منگل ۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء

بات رہتی ہے سر نہیں رہتا

ہر صبح سینکڑوں ای میل اور خطوط ایسے بھی ملتے ہیں جس میں قارئین اکثر خاصے غصے میں جھنجلائے پاکستان کی سلامتی کے بارے میں بڑے پریشان کن سوال کرتے ہیں..... ٹیلیفون پر بہت دیر تک اس بات کی تکرار رہتی ہے کہ تم ہر وقت اس زخم خوردہ کا ماتم کرتے رہتے ہو۔اس کے لٹ جانے کا منظر پیش کر کے خود تو پتہ نہیں روتے ہو کہ نہیں مگر ہمیں رلاتے رہتے ہو۔کیا بات ہے کہ چند حروف تسلی کے یا چند امید بھری باتیں کیوں نہیں کرتے؟ یہ محبت بھری شکایات جب ان کو میری طرح مایوسی کے اس لق دق صحرا میں پریشان کرتی ہیں تو یہ جی بھر کر مجھ سے لڑتے جھگڑتے ہیں کہ چلو ٹھیک سہی مگر اس کا جو حل تم تجویز کر رہے ہو اس پر عملدرآمد کب ہو گا اور اس پر کوئی کان بھی دھرے گا کہ نہیں؟ میں ان کے یہ تمام مطالبے سن کر حیرت میں گم ہو جاتا ہوں کہ مدتوں جس شان و شوکت اور عظمت رفتہ کے لٹ جانے کا میں ماتم کر رہا ہوں، جن اقدار کی تباہی کا ہر روز نوحہ لکھتا ہوں اس کے اسباب کی نشاندہی بھی تو کرتا ہوں، اس کا اپنی عقل کے مطابق علاج بھی تجویز کرتا ہوں کہ اپنی انہی گم گشتہ اقدار کی طرف لوٹ جانے میں ہی ہماری عافیت ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ واپسی کا سفر کیسے ہو؟

ہم تو شاید بہت دور نکل آئے ہیں، زمانہ بھی بدل گیا ہے۔اس دور کے تقاضے کچھ اور تھے اور اس دور کے مطالبے کچھ اور ہیں۔اب سفر کیلئے گھوڑوں اونٹوں کی بجائے سپر سانک جہاز اور تلوار کی بجائے خطرناک قسم کے ایٹمی ہتھیار میدان میں آ گئے ہیں، بغیر پائلٹ کے میزائل برسانے والے ڈرون جہاز آ گئے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے جواب ہیں جو ان اقدار کی طرف جانے سے گریز کرتے ہیں لیکن میں اس وقت حیران ہو جاتا ہوں کہ عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے ایسے کون سے ایٹمی ہتھیاروں، میزائلوں کی ضرورت ہے؟ عدل تو ایک درخت کے نیچے ننگی زمین پر بیٹھ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔انصاف کے وعدوں کو پورا کرنے کیلئے کسی جدید کمپیوٹر یا کسی ایسے آلے کی بھی ضرورت نہیں۔ عہد، قول اور وعدہ تو صدیوں سے قوموں کی دیانت اور غیرت کی پہچان رہا ہے اور سچ بولنے کیلئے کسی ایسے سائنسی جدید آلات اور ٹیکنالوجی کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ تو انسانوں کے بیدار ضمیر کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ وہ چاہے کسی مقام یا کسی بھی عہدے پر فائز ہوں ان کو دھوکے، جھوٹ، دغابازی اور مکاری سے نفرت ہوتی ہے۔ وہ تو سچ کے نشے میں اس قدر مست ہوتے ہیں کہ دھوکے، جھوٹ، دغابازی اور مکاری کی ترشی بھی ان کے قریب تک نہیں پھٹکتی۔ وہ تو سچ کے سحر میں اس قدر گرفتار ہوتے ہیں کہ اس کیلئے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں۔ بڑے سے بڑا نقصان اور ہزیمت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ سب کچھ غربت، تنگدستی اور کسمپرسی کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے۔ کسی ایم آئی ایف یا عالمی بینک کی مدد درکار نہیں ہوتی۔

جب سے یہ اقدار ہمارے ہاں متروک ہوئی ہیں اس وقت سے ذلت اور رسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ یہ تو وہ اقدار تھیں جن کی وجہ سے اس امت پر رحمتوں اور برکتوں کا سایہ اور دوسری قوموں کے دلوں پر ہیبت، رعب اور دبدبہ چھایا ہوا تھا۔ دوسری اقوام کے دانشور "مائیکل ایچ ہارٹ" بھی یہ بات لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلام میں اگر ایک اور عمر ہوتا تو ساری دنیا پر اسلام کا نظام عدل قائم ہو جاتا۔ مغربی دنیا کا یہ دانشور ایک مشہور عیسائی خانوادے سے تعلق کے باوجود اپنی کتاب 'سو بڑے آدمی' میں پہلا مقام سیدنا محمد ﷺ کو ان کے عظیم الشان عدل و انصاف کی وجہ سے قرار دے رہا ہے۔

روم کا سفیر مدینے کی گلیوں میں اس نظام عدل کو قائم کرنے والے بادشاہ کے بارے میں استفسار کر رہا تھا تو اس کو بتایا گیا کہ ہمارے ہاں تو کوئی بادشاہ نہیں مگر ایک آدمی کو ہم نے اپنا منتظم مقرر کر رکھا ہے۔ اگر اس سے ملنے کی خواہش ہے تو وہ سامنے درخت کے نیچے ایک پتھر پر سر رکھے سو رہا ہے۔

ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ چند گھڑیوں کیلئے آرام کرنے والے کے چہرے کی طرف دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا کہ یقیناً اس عادلانہ نظام کی بدولت دنیا کی قیادت وسیادت ان کا حق ہے۔ حالانکہ یہ تو وہی عرب تھے جن کے بارے میں ایران کے بادشاہ نے بڑے تمسخر کے ساتھ کہا تھا کہ "اے عرب کے جاہل اور گنوار بدوؤں! کیا تم وہی نہیں ہو کہ جب تم کبھی کوئی شور وغوغا کرتے تھے تو ہم صرف اپنے چند سرحدی محافظوں کو کہتے کہ تمہارا دماغ درست کر دیں تو تم فوری دبک کر اپنے صحرائی خیموں میں چھپ جاتے۔ شاعر فردوسی نے اس منظر کو اپنے شاہنامہ میں اس طرح محفوظ کیا ہے؛

شیر شتر خوردن سوسمار عرب را بجائے رسید است وکار

کہ تخت کیہاں راکنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اونٹنی کا دودھ پینے اور جنگلی گوہ کا گوشت کھانے والو عربو! تم کو کیا سوجھی کہ تم ایران کے تخت کی آرزو کرنے لگ گئے ہو۔ کیا منظر ہے یہ اے آسماں، تم پر تفو ہے۔

لیکن کیا کبھی کسی نے یہ سوچا ہے کہ ان جاہل، گنوار اور صحرانشیں بدوؤں کی حالت کس سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی نے بدلی تھی؟ ترقی اور ٹیکنالوجی تو اس وقت بھی اپنے زمانے کے مطابق اپنے عروج پر تھی۔ وہ جو اہرام مصر کی پیمائشوں اور تقویمی گرہوں کو کھولتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان اس وقت بھی الجبرا اور سائنس کی معراج پر تھا۔ روم اپنی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ ایران کے دربار کی شان وشوکت اور تزک واحتشام دیکھنے کے لائق تھا۔ بابل اور نینوا کے معلّق باغات اور محلات کے پر شکوہ تذکرے اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ پھر ایسا کیا تھا کہ میرے رب نے اس دنیا کی قیادت و سیادت ان لوگوں کے ہاتھوں میں سونپ دی جن کے گال بھوک کی وجہ سے پچک اور پیٹ کمر کے ساتھ لگ گئے تھے، جن کو تلواروں کے نیام تک میسر نہیں تھی اور پرانے چیتھڑوں سے ان تلواروں کو ڈھانک کر رکھتے تھے۔ وہ کیا صفات تھیں کہ ان کے ہاتھوں میں صرف سیاسی نہیں بلکہ دنیا کی علمی اور سائنسی قیادت بھی آگئی۔

وہ جن کے شہر اور شہری سہولیات ساری دنیا کیلئے ایک نمونہ بن گئیں۔ دنیا کو اس وقت معلوم ہوا کہ گلیاں اور سڑکیں پکی اینٹوں اور پتھروں سے کس طرح بنائی جاتی ہیں۔ حمام میں گرم پانی بھی ہوتا ہے، گلیوں میں رات گئے چراغ بھی روشن کئے جاتے ہیں تاکہ راہگیروں کو رات چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ وہ جو فلکی سیاروں کی چالوں کیلئے رصد گاہوں کے امین بنے، جو الجبرا، فزکس، کیمسٹری اور طب کے امام ٹھہرے اور آج کی تمام سائنسی ترقی میں ان کے ایجاد کئے فارمولے ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر کئی صدیوں تک ان کا راج بھی رہا، کیا یہ سب دنیا کے کسی بھی مروجہ سائنسی اور تہذیبی اصولوں کے تحت ممکن ہوا تھا۔

ایسے ہی ایک قوم منگولیا کے ریگستانوں سے اٹھی تھی، چنگیز خان نے اس قوم کے چند قبیلوں کو متحد کیا تھا اور پھر یہ قوم طوفان کی طرح اس پورے علاقے کو روندتی ہوئی گزر گئی لیکن آج اس قوم کا تاریخ میں ظلم، بربریت کی داستانوں کے علاوہ کوئی ذکر نہیں ملتا اور ساری دنیا میں ایک نفرت کی علامت کے علاوہ کچھ بھی ان کے حصے میں نہیں ہے مگر عرب کے ان جاہل، گنوار اور ان پڑھ بدوؤں نے ایسا کیا کمال کر دیا تھا کہ دنیا کا کوئی بھی مؤرخ عصبیت کے باوجود آج بھی ان کو فن تعمیر، فلسفہ، طب، خطاطی اور دوسرے بیسیوں علوم کا ماخذ، محقق اور استاد مانتا ہے۔ یہ سب کمال اور ہنر ان کے دروازوں پر کیوں دستک دینے چلے آئے۔ اس لئے کہ ان میں میرے پیارے ختمی الرسل محمد ﷺ کے تزکئے نے وہ خصوصیات پیدا کر دی تھیں جن کی بنیاد پر خالق کائنات مہربان ہوتا ہے۔

وہ اپنے مربی سے جن کو وہاں کا بچہ بچہ امین و صادق کے ناموں سے جانتا تھا، اپنے رب کا یہ فرمان سن کر کانپ اٹھے تھے کہ خبر دار! تمہیں کسی قبیلے کی محبت اس بات پر مجبور نہ کر دے کہ تم انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑ دو۔ انہیں اس بات کا قوی یقین تھا کہ اگر ہم نے اس زمین پر اللہ کا بتایا ہوا نظام عدل (قرآن) قائم کر دیا تو وہ ہم پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے خزانوں کی بارش کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا تو ایک معرکہ میں مال غنیمت کے اس قدر ڈھیر لگ گئے کہ اطراف میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ان نعمتوں کو دیکھ کر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے رونا شروع کر دیا کہ کہیں آخرت کی نعمتوں کی بارش دنیا میں تو نہیں شروع ہو گئی۔

انہوں نے اپنے آقا و مربی ختمی الرسل محمد ﷺ سے سن رکھا تھا کہ مومن بدکار ہو سکتا ہے، چور ہو سکتا ہے کہ گناہ اس سے سرزد ہو جائیں لیکن مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنے آقا و مربی ختمی الرسل محمد ﷺ سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ جب ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جسم سے ایک ایسی بدبو نکلتی ہے کہ رحمت کے فرشتے اس سے کئی فرسنگ دور بھاگ جاتے ہیں۔ یہی سچ بولنے کی صفت نے اس دور کی تاریخ میں لوگوں میں اعترافِ جرم کی یہ جرأت پیدا کی انہوں نے خود زنا کے جرم کا اقرار کیا اور سزا کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ انہیں اپنے وعدوں کا پاس تھا کہ ان کا رب ان سے یہ کہتا ہے کہ تم سے تمہارے وعدوں کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ یہ وہ کمال تھا جو میرے پیارے ختمی الرسل محمد ﷺ نے ان کی زندگیوں میں پیدا کیا تھا۔

انہیں یہ بھی واضح طور پر بتا دیا گیا تھا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اس امت پر ہی نہیں بلکہ اس پوری دنیا کی ترقی کی بنیاد ہی ان تین ستونوں پر رکھی ہوئی ہے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ کیا میرا ماتم اور میرے نالے درست نہیں کہ اپنی انہی گم گشتہ اقدار کی طرف لوٹ جانے میں ہی ہماری عافیت ہے؟

دورِ باطل میں حق پرستوں کی بات رہتی ہے سر نہیں رہتا

ہم گلیوں، بازاروں، حلف اٹھا کر عدالتوں، اسمبلیوں اور اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھ کر کس دھڑلے سے ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹی گواہیاں دیکر امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ کیا ہمارے ذمہ جو امانت سپرد کی گئی ہے کہ جب تم حکمران بنو تو عدل و انصاف (قرآن) کا نظام قائم کرو، اس میں کھلم کھلا خیانت نہیں کر رہے؟ رب نے تو قصاص میں زندگی رکھی ہے، اپنے رب کے احکام کی روگردانی کر کے عدل و انصاف کی بری طرح تضحیک کے مرتکب نہیں ہوئے؟ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ اپنے لئے کس منہ سے عزت و کامرانی کا حق مانگتے ہیں؟ جب تک آپ یہ سب کچھ نہیں بدلتے، اس نظریاتی ریاست کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈہ سے توبہ نہیں کرتے تو میرے رب کی رحمت کے فرشتے اس جھوٹ سے تو کئی فرسنگ دور بھاگ گئے ہیں۔

یاد رکھیں ہماری ذلت و رسوائی اس وقت ختم نہیں ہو سکتی جب تک ہم واپسی کا سفر شروع نہیں کرتے۔ اس کا تو وعدہ ہے کہ تم نے اگر ایفائے عہد نہ کیا تو دنیا کی رذیل قوموں سے رسوا ہو جاؤ گے۔ آج اگر ہم اپنے اس وطن کی مٹی سے وفاداری کا حق بھول گئے ہیں تو گویا پھر ہم اپنے آقا کی پہچان بھی

بھول چکے ہیں۔ آج ہم دنیا میں جو ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں، کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ ہمارا آقا جو ساری دنیا کا خالق ورازق ہے، جو دنیا و آخرت کے تمام خزائن کا مالک ہے، اس سے مانگنے کی بجائے ہم آئی ایم ایف اور عالمی اداروں کی تمام شرائط کو بلا چون وچرا مان کر بھیک کا کشکول اٹھائے دربدر ہو رہے ہیں اور اپنی حکومت کو سہارا دینے کیلئے مغرب اور امریکا کی غلامی کیلئے تن من دھن داؤ پر لگائے بیٹھے ہیں تو مجھے بتایئے پھر بھلا ہم پر رحمتیں کیسے نازل ہوں؟؟

میرے نبی ﷺ کی ولادت کا مہینہ ربیع الاوّل شروع ہو چکا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ جہاں آپ خصوصی دعاؤں میں اپنے وطن عزیز پاکستان کی سلامتی کی خوب دعائیں کریں گے وہاں تمام بیماروں کی شفاء یابی کیلئے بھی ضرور دعا کیجئے۔ اللہ آپ کی عبادات اور دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین

کچھ تو سمٹو کہ نظر ہم بھی اٹھا کر دیکھیں

ہم کو اے جلوۂ بے باک حیا آتی ہے

بروز جمعۃ المبارک ۹ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۲ جنوری ۲۰۱۵ء

رب سے زیادہ کوئی داناو حکیم نہیں

مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جن ملکوں میں موت کی سزائیں بحال ہیں وہاں سنگین جرائم بہت کم ہیں۔امریکا جیسے ملک میں موت کی سزائیں دیے جانے کے عرصے کے دوران قتل کی وارداتوں کی شرح میں ۲۶٪ کمی آئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سزائے موت ایک ڈیٹرنٹ ہے۔اب بھی امریکا میں سزائے موت پر کلی پابندی نہیں۔ تلخ تجربات سے گزرنے کے بعد پاکستان کے تمام ریاستی ادارے متفق الرائے ہیں کہ ان سزاؤں پر عملدرآمد ہونا چاہئے۔ مقام تاسف یہ ہے کہ پشاور ایسے لرزہ خیز سانحے کے بعد بھی بزعم خویش لبرل اور ماڈریٹ کہلوانے کے شوقین معدودے چند دانشور اور فارن اسپانسرڈ این جی اوز سزائے موت پر عملدرآمد پر سے پابندی اٹھانے کے فیصلے کے حوالے سے تحفظات کا اظہار کر رہی ہیں۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ ان دانشوروں اور مذکورہ این جی اوز کے عہدیداران کے سرپرست اور مغربی ممالک میں آج بھی پھانسیاں دی جارہی ہیں۔امریکا میں سزائے موت دینے کے پانچ طریقے: زہریلا انجکشن لگانا، بجلی کے جھٹکے دینا، فائرنگ اسکواڈ، پھانسی اور زہریلی گیس سے ہلاک کرنا آج بھی رائج ہے۔

پاکستان کا ہمسایہ دوست چین جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی معاشی قوت بن چکا ہے، اس کے ہاں تو کرپشن کے الزام میں بھی مجرم کو فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور اس کی لاش کو وارثوں کے حوالے کرنے سے پہلے ان گولیوں کا معاوضہ بھی وصول کیا جاتا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ان دانشوروں کے مربی امریکا نے صدام حسین کو ایک خوشی کے تہوار کے موقع پر پھانسی کی سزا دی۔ان کے دو بیٹوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ،اسامہ بن لادن کو بغیر مقدمہ چلائے گولی مار کر سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔اگر اسامہ اور صدام امریکی حکام کی نظر میں دہشتگرد تھے اور انہیں سزا دینا جائز تھا تو پاکستانی عوام اور ریاستی اداروں کے نزدیک انسانی جانوں سے کھیلنے والے دہشتگردوں کو سزائے موت سے کیوں ہمکنار نہیں کیا جاسکتا؟

ان دانشوروں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی سوچ مستعار ہے اور جہاں تک این جی اوز کا تعلق ہے تو وہ امریکا اور مغرب کے دیئے گئے ہر ایجنڈے کو آسمانی صحیفے کی الوہی آیات تصور کرتی ہیں۔اس کے برعکس قوم کا اس پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ نہ صرف بے گناہ شہریوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے دہشتگردوں کو تختۂ دار پر لٹکایا جائے بلکہ ٹارگٹ کلنگ کے وہ مجرمان جو درجنوں قتل کا اعتراف کر چکے ہیں اور اعلیٰ عدالتیں ان کو سزائے موت کا حکم سنا چکی ہیں، ان کو بھی بلاتاخیر اپنے منطقی انجام تک پہنچانے میں کوئی تاخیر روا نہیں رکھنی چاہئے اور ان سے محض یہ رعائت نہ برتی جائے کہ ان کا تعلق کسی سیاسی گروہ سے ہے، تاکہ ان کے مؤیدین اور معاونین کے حوصلے پست ہوں۔ یہ درست ہے کہ حکومت کو اس مشکل عمل کو انجام دیتے ہوئے جہاں یورپی یونین کا دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا وہی یہ سیاسی گروہ بھی اپنے تحفظات کی بناء پر امن عامہ کے مسائل پیدا کرنے کی دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کریں گے اور یقیناً بیرون ملک پاکستان کے مخالف عناصر اہل یورپ کو پاکستان پر پابندیاں عائد کروانے میں سرگرم بھی ہوگئے ہیں مگر اب وقت آگیا ہے کہ مفادات اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ملک و قوم کے مفاد کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ آرمی چیف اور صدرِ مملکت نے جن دہشتگردوں کی موت کے پروانے پر دستخط کئے، انہیں انجام تک پہنچانے میں کسی تامل سے کام نہیں لینا چاہئے لیکن قانون وانصاف کے تقاضے ہر قیمت ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہیں۔ سزائے موت پر عملدرآمد کے فیصلوں کا اطلاق اس طرح ہونا چاہئے کہ شہریوں کو انصاف ہونے کی خبر ہی نہ ملے بلکہ انصاف ہوتا ہوا دکھائی دے۔اس ضمن میں دہشتگردوں کے ردعمل، دھمکیوں اور گیدڑ بھبھکیوں کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔انہوں نے پہلے ہی کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔ موت کے تمام سزایافتہ مجرموں کو بلاامتیاز ان کے انجام تک پہنچایا جائے جس کے وہ

حقدار ہیں۔

درپیش صورتحال میں ضروری ہو گیا ہے کہ اظہار، غیض و غضب اور گریہ وزاری سے اوپر اٹھ کر حقائق پر گہری نظر رکھی جائے اور غور و خوض اور تدبر سے کام لیا جائے۔ ایک اہم اور بنیادی سوال دہشتگردی کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر ہماری انٹیلی جنس نیٹ ورک اور اس کی کارکردگی کے حوالے سے اٹھتا ہے۔ امریکا میں نائن الیون کا ایک واقعہ ہوا، انہوں نے دیگر اقدامات کے علاوہ اپنے انٹیلی جنس نظام کو یکسر تبدیل کر دیا اور نائن الیون جیسا واقعہ آج تک دوبارہ رونما نہ ہوا۔ غور کیجئے کہ یہاں اب تک کتنے نائن الیون ہو چکے ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں جی ایچ کیو پر قبضے کے سرغنہ کو بعد خرابی وانتظار کے بعد اب جا کر تختۂ دار پر لٹکایا گیا ہے، اس کے علاوہ کراچی نیول ڈاکیارڈ یا اس نوعیت کے حوالے سے حساس ترین مقامات پر خوفناک حملے، جنہوں نے ہر بار سیکورٹی آپریٹس کو ہلا کر رکھ دیا گیا۔ پشاور، کوئٹہ اور کراچی کے ہوائی اڈوں پر دہشتگردوں کی پھیلائی ہوئی تباہی کے واقعات جی ایچ کیو کے علاوہ کئی دوسرے حساس درجے کی اہمیت رکھنے والے مراکز پر دہشتگردوں کے جان لیوا حملے ہوئے۔ بنوں جیل کو توڑ دینے اور ملزموں و مجرموں کو اپنے ساتھ بھگا لے جانے والے واقعات رونما ہوئے۔ انٹیلی جنس ادارے انہیں وقت سے پہلے بھانپ لینے یا ان کی پیشگی اطلاع پانے میں ناکام کیوں ہوئے؟ کیا اس پر غور کی ضرورت محسوس کی گئی کہ انٹیلی جنس نظام میں کون سا بنیادی نقص پایا جاتا ہے ۔ سانحہ پشاور میں بھی یہ کوتاہی اظہر من الشمس ہے۔

یوں تو ''نیکٹا'' کو فعال کرنے کے ارادے اور اعلانات بار بار سننے میں آتے ہیں لیکن معاملہ ہمیشہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔ عام درجے کی توجیہات سے قطع نظر اس کا حقیقی سبب کیا ہے کیا کوئی قوم کو اس سے باخبر کرنے کی زحمت کرے گا؟ ایک اور اہم اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ اچھے اور برے طالبان کی بے معنی اور فضول سی تقسیم سے قطع نظر پورے خطے میں دو طرح کے طالبان پائے جاتے ہیں۔ ایک افغان طالبان جن کی ساری کاروائیاں اپنے ملک میں غیر ملکی افواج پر مرتکز رہیں۔ پاکستان میں واقع تنصیبات یا لوگوں پر ان کا ہاتھ قطعی نہیں اٹھا اور یہاں پاکستان میں سارا تھیٹر تحریک طالبان پاکستان اور اس کے حواریوں نے لگایا۔ اس تنظیم کی قیادت پہلے بیت اللہ محسود کے پاس تھی۔ ایک ڈرون حملے میں ہلاکت کے بعد حکیم اللہ محسود اس کا سربراہ بنا۔ وہ بھی ۲۰۱۳ء میں ڈرون حملے کی نذر ہو گیا۔ پھر ۲۰۰۹ء میں سوات آپریشن کے بعد افغانستان میں فرار ہو جانے والے ملا فضل اللہ کے پاس اس کی کمان آئی، یہ سب پاکستانی ہیں۔ تحریک طالبان کا ۲۰۰۷ء سے پہلے اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بظاہر یہ خبر عام ہے کہ تنظیم کے قیام کا اعلان لال مسجد کے آپریشن کے بعد کیا گیا لیکن اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس گروہ کو طالبان کا نام دیکر ٹرائیکا (امریکا، اسرائیل اور بھارت) نے جہاں افغان طالبان کی کاروائیوں کو دنیا بھر کی نظروں میں بدنام کرنا تھا وہی پاکستان کی سلامتی کے خلاف ایک منظم سازش مقصود تھی۔ آخر پاکستانی طالبان کا ماہانہ کروڑوں روپے کا بجٹ، جدید ترین اسلحے کی بہتات اور وائرلیس کا جدید ترین نظام کس نے فراہم کر رکھا ہے؟ فوجی ترجمان کے مطابق ضربِ عضب آپریشن کے دوران دہشتگردوں کے ٹھکانوں سے برآمد ہونے والے جدید اسلحے کی مقدار آئندہ پندرہ سال تک لڑنے کیلئے کافی تھی، میلوں لمبی زیرِ زمین سرنگوں کی تعمیر پر خرچ ہونے والا سرمایہ اور تکنیکی امداد کس نے فراہم کی؟؟

ایک مشہور امریکی کالم نگار نے تو اپنی رپورٹ میں یہاں تک لکھا ہے کہ امریکا اور اس کے حواریوں کے جنگی اخراجات افغانستان کی جنگ سے کہیں زیادہ پاکستان کو توڑنے کیلئے غیر اعلانیہ جنگ پر صرف ہوئے ہیں لیکن وہ ابھی تک اس سازش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ کیا آج تک کسی نے ان معاملات کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارہ کی ہے کہ کراچی سے افغانستان کو روانہ ہونے ڈھائی ہزار سے زائد امریکی کنٹینر راستے میں کہاں غائب ہو گئے، سابق امریکی سفیر حسین حقانی نے چودہ ہزار امریکی بلیک واٹر کے ایجنٹوں کو پاکستان کے ویزے کیوں جاری کئے، ان میں کل کتنے ایجنٹ آج تک پکڑے گئے اور کتنے آج بھی پاکستان کی سرزمین پر موجود ہیں، حسین حقانی جو پاکستان کی اعلیٰ عدالت سے ضمانت پر ملک سے فرار ہو گیا، ان ضامنوں کے ساتھ قانون نے اب تک کیا کاروائی کی، پاک افغان سرحد پر روزانہ تقریباً پچیس سے تیس ہزار تک افراد کا بغیر ویزے کے داخل ہونا کون سے عالمی قانون کے تحت جاری و ساری ہے؟؟؟

آپ ان دہشتگردوں کی بیخ کنی کیلئے ایکشن پلان کیلئے کتنی ہی آئینی ترامیم کر کے فوجی عدالتوں کو میدان میں لے آئیں، یہ ایک جزوقتی حل تو ہو گا لیکن یہ مسئلہ کلی طور پر اسی وقت حل ہو گا جب آپ ربِّ کائنات کے حکم کے مطابق یہاں صرف قرآن کو نافذ کریں گے۔ کیا ہم ختمی الرسل ﷺ کے اس ارشاد عالی کو بھول گئے کہ جب ان سے ایک خاتون کی سفارش کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ "قسم ہے مجھے اس رب کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ عربی کی جان ہے کہ اگر اس کی جگہ فاطمہ بن محمد (ﷺ) بھی ہوتی تو میرا یہی فیصلہ ہوتا، یاد رکھو تم سے پہلے قومیں اسی لئے ہلاک ہو گئیں کہ ان کے امراء کیلئے الگ قانون ہوتا تھا اور مساکین کیلئے الگ قانون"۔ آج پاکستان کے گھمبیر مسائل کا بھی صرف یہی حل ہے۔

یاد رکھیں میرے رب سے زیادہ کوئی دانا و حکیم نہیں!

بروز اتوار ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۴ جنوری ۲۰۱۵ء

ہم سارے لاوارث لاشیں، کون ہمیں پہچانے گا

گدھ ہیں یہ سب۔ گدھوں کا راج ہے یہاں۔ مردار خور گدھ... چلتی پھرتی لاشوں کو نوچنے والے گدھ۔ گدھ تو پھر لاشوں کو نوچتا ہے، یہ ایسے سفاک ہیں جو زندہ انسانوں کو پہلے چلتی پھرتی لاشوں میں بدلتے ہیں پھر انہیں نوچنے لگتے ہیں۔ یہ ہے سماج؟ کیا سماج ہے یہ! ہر بونے کا استحقاق مجروح ہو جاتا ہے یہاں۔ اور عوام...! وہ کب ہیں انسان ....جی رہے ہیں کب! بس سانس آ جا رہی ہے۔ اس ظالم اور مدقوق نظام ہی نے جیتے جاگتے انسانوں کو مدقوق کر دیا ہے۔ خون تھوک رہے ہیں وہ۔ چلتے پھرتے انسانوں کا قبرستان۔ آئین، آئین کا راگ، تاراج، تاراج کا کھیل...اور اس پر رقص کرتے ہوئے مدہوش گدھ۔ یہ کیسا دھوکہ، ذاتی خزانہ بھرا ہوا ہے اور بھوک سے نڈھال ڈھانچوں کی تقدیر بدلنے کی تدبیریں۔

بارود کی منحوس بو سے اٹا ہوا ہمارا ہر شہر، ہر گائوں۔ خاک و خون میں نہائے ہوئے انسان۔ سسکتی ہوئی انسانیت اور پھر اس پر منرل واٹر سیل بند بوتلوں کا پانی پینے والے یہ ہمدرد، سردیوں میں غریب عوام کے گھر میں گیس مفقود، کھانا پکانے سے بھی قاصر لیکن اپنے محلات کا ہر کونہ گرم، گرمیوں میں ٹھنڈے یخ کمروں میں واٹر بیڈ کے مزے لوٹنے والوں کو بجلی کی لوڈشیڈنگ کے اس عذاب کا کوئی اندازہ نہیں جس سے غریب ووٹر دوچار ہے۔

بڑی بڑی جہازی گاڑیوں میں سیر سپاٹا کرنے والے اور پھر مزید بلٹ پروف گاڑیاں منگانے والے، انواع اقسام کے لذیذ کھانے اور اپنی بکواس کرنے کے ماہر ہمارے...ان کا پیٹ جہنم کی آگ ہی بھر سکتی ہے۔ انسان کے روپ میں چلتے پھرتے خوب صورت درندے، عوام کی بوٹیاں تکہ کباب کی طرح اڑا رہے ہیں۔ خیر ہی خیر ہے، سب ٹھیک ہے، ان دہماکوں میں ہر جگہ آگ اور خون کی بارش، ہر جگہ معصوم انسانوں کا قتل عام۔ ذرا اس لہو کو دیکھئے...ایک رنگ کا ہے ناں، کسی کا بھی ہو! آرمی پبلک اسکول کا ۱۳ سالہ انس ممتاز جس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے کئی دوستوں کے ساتھ اپنی ماں کے خون آلود تڑپتے لاشے کو دیکھا، خود بھی ان خونخوار درندوں کی گولیوں کا نشانہ بنا، اب ہسپتال سے گھر واپس آ گیا ہے لیکن رات کو خواب میں وہی خوفناک مناظر دیکھ کر چیخیں مارنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا باپ ممتاز ماہر سرجن اس دن بڑی تندہی کے ساتھ زخمی بچوں کے علاج میں مصروف تھا کہ اچانک اس کا اپنا بیٹا خون میں لت پت اس کے سامنے لایا جاتا ہے، اسے یہ بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ اس قیامت صغریٰ میں تمہاری وفادار بیوی بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اب تک دوسرے بچوں کی جان بچانے میں مصروف ہے۔ وہ ابھی اپنے صدمے سے نکل کر اپنے بیٹے سے اس بارے میں بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکا۔ انس بہت زیادہ خوفزدہ ہے اور اسے ڈر ہے کہ شدت پسند پھر لوٹ آئیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں پتا کہ یہ افواہ ہے یا سچ کہ پشاور میں چار سو دہشتگرد داخل ہو چکے ہیں۔ مجھے گھر سے نکلتے ہوئے خوف آتا ہے ابھی سے ہی لوگ کہہ رہے ہیں کہ شدت پسند واپس لوٹ آئیں گے۔ وہ دہائی دے رہا ہے کہ مجھے ان درندوں سے بچا لیں۔

پندرہ سالہ علی نواز جس کی ٹانگوں اور بازوں پر پٹیاں بندھی ہیں، وہ بھی ان خوفناک مناظر کا چشم دید گواہ ہے لیکن وہ اپنی عیادت کے لیے آنے والے افراد اور انٹرویو کے لیے آنے والے صحافیوں سب کا مسکراہٹ سے استقبال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ جلد دوبارہ اپنے اسکول جائے گا لیکن اسے یہ

معلوم نہیں کہ اس کی کلاس کے تمام دوست تواب اس دنیامیں رہے۔اس کے گھر والے اس کے حوصلے کے سامنے ہار گئے ہیں اور یہ بتانے کی ہمت نہیں کہ اس کا اپنا سگا بھائی جس کا ہاتھ تھام کر وہ ہر روز اسکول جاتا تھا، وہ بھی سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا ہے۔ایسے درجنوں واقعات ہیں جو مجھے سونے نہیں دیتے۔ان بچوں اور ان کے لواحقین کو کیا بتاؤں کہ یہاں فیصلہ کرنے والے ابھی تک گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔اندر بیٹھ کر اتفاق کرتے ہیں کہ ملک کی سلامتی کیلئے اور اس ملک سے دہشتگردی کے ناسور کو ختم کرنے کیلئے ہم سب ایک ہیں مگر جونہی ٹی وی کا کیمرہ دیکھتے ہیں تو عجیب و غریب قانونی موشگافیوں کا بہانہ بنا کر بیان داغنا شروع کر دیتے ہیں۔خدا کی پناہ! دو ہفتوں سے زائد ہو گئے ہیں اور ہم ابھی تک "اگر، مگر یہ اور وہ" کی گردان سے باہر نہیں نکل پائے۔ہم کب تک اپنے شہداء کے خون سے بے وفائی کریں گے ؟

بالآخر قوم اور اپنے ادارے کی بے چینی کے پیش نظر فوج کے سپہ سالار کو کہنا پڑا کہ "خصوصی عدالتوں کا قیام فوج کی خواہش نہیں لیکن یہ غیر معمولی حالات کی ضرورت ہیں۔حالات معمول پر آنے کے ساتھ ہی نظام (عدالتی نظام) واپس اپنی اصل حالت میں آجائے گا۔پہلی کل جماعتی کانفرنس میں ہونے والے فیصلوں پر قائم رہنا ہو گا اور ہمیں سخت فیصلے لینے کی ضرورت ہے۔آج کے فیصلے ہماری قوم کی قسمت کا فیصلہ کریں گے اور ہمیں ان پر عملدرآمد پر توجہ مرکوز رکھنی ہو گی۔پاکستان اس وقت دہشت گردی کے خلاف ایک نازک مرحلے میں ہے۔ہم ضرور جیتیں گے، بطور ریاست اور معاشرے کے ہار کا تصور بھی نہیں کر سکتے"۔

ملک کو درپیش خطرات کا آئینہ دکھایا جاتا ہے تو بظاہر آہیں بھرنا شروع کر دیتے ہیں، سیمینار سیمینار کرتے ہیں۔سہارا بننے کی بجائے ٹانگیں کھینچتے ہیں ایک دوسرے کی۔ دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔دوسرے مر جائیں بس ہم زندہ رہیں، بس ہم۔ "میں" کا منحوس چکر۔کیا لوگ ہیں ہم بھی، اسے سادگی نہیں عیاری کہتے ہیں۔اپنے پالن ہار سے بھی دھوکا، منافقت، جھوٹ اور ریاکاری۔ہم انتظار کرتے ہیں اپنے رب کا، وہ بھی نیم دلی سے۔اس کی مدد کا، بے یقینی کے ساتھ۔ہمیں اس پر بھروسا ہی نہیں ہے۔اور میرا رب کہتا ہے پہلے تم اترو میدانِ کارزار میں، پھر دیکھو تماشا، اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو... پھر دنیا دیکھے گی کیسے اترتے ہیں فرشتے قطار اندر قطار۔پھر سج جائے گا یہ میدان لیکن پہلے تم۔

بس یہی سنتا ہوں اللہ خیر کرے کوئی خیر کی خبر نہیں ہے۔اور خدا بھی تو کہتا ہے تم اپنی مدد کرنے پر تُل جاؤ تب میں تمہاری مدد کو آؤں گا۔تم کچھ کر دکھاؤ پھر فرشتے میں اتار دوں گا مدد کو، نصرت کو۔تم سر سے کفن باندھو، موت کو للکارو، تمہیں زندگی میں دوں گا، ایسی زندگی کہ پھر تمہیں کوئی مردہ نہیں کہے گا۔ارے ایسی زندگی جو موت کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دے گی۔تم مجھ پر بھروسہ کرو۔پھر میں تمہارا حامی و ناصر بنوں گا۔پہلے تم آؤ اپنی مدد پر، پھر دیکھو میں تمہارے چاروں طرف اپنے فرشتے کھڑے کر کے تمہیں محفوظ کروں گا۔تم پہلے آگ میں کودو۔ارے اس کو گلزار تو میں بناؤں گا۔کر کے تو دیکھو، اٹھ کر تو دیکھو... لیکن پہلے تم کچھ کر دکھاؤ۔

اے میرے قوم! کیا کہوں یہ کیوں ہو رہا ہے یہ سب کچھ ؟ ہمارے ٹیکسوں سے مزے اڑا رہے ہیں۔یہ اتنے سارے لوگ کس مرض کی دوا ہیں! او یارو، ذرا سوچو، کیوں نہیں سوچتے تم۔چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔کیوں نہیں سوچتے! کان میں روئی ٹھونس کر بیٹھے رہو گے! شتر مرغ کی طرح گردن ریت میں کب تک دیئے رکھو گے! سوچو... خدا کے لیے..... سوچو، کچھ کرو۔

سوداگروں نے فروخت کر دیا، سب کچھ بیچ ڈالا ہے۔ہماری کوئی وقعت نہیں ہے۔ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔مردار ہیں ہم اور مردوں کی کوئی نہیں سنتا۔کیوں نہیں اس کے محرکات معلوم کرتے... کیوں اس پر نہیں سوچتے ؟ یہ ہماری حفاظت کے دعویدار خود تو ہر طرح کے اسلحہ سے لیس محافظوں کے جلو کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے لیکن ہماری حفاظت کیلئے ابھی ایکشن پلان تیار ہو رہا ہے!

سارا شہر ہے مردہ خانہ، کون اس راز کو جانے گا

ہم سارے لاوارث لاشیں، کون ہمیں پہچانے گا

بروز منگل ۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۶ جنوری ۲۰۱۵ء

''مشن ۴۴ ناکام''

دہشتگردی اب علاقائی یا قومی نہیں بلکہ ایک عالمی مسئلہ بن گئی ہے۔ان دنوں ہر سو فضاؤں میں اس سنگین ترین مسئلے کی صدا گونج رہی ہے مگر نریندر مودی کی سربراہی میں تنازع کشمیر کو نیا رنگ دینے کی سعی نامسعود کسی قدر پس منظر میں چلی گئی ہے حالانکہ تنازع کشمیر بھارت کی مسلمہ دہشتگردی کی بدترین مثال ہے۔اگرچہ بھارت کی قومی سلامتی کے مشیر اجیت کامر ڈلول کہتے ہیں کہ کشمیر میں ہونے والے انتخابات پاکستان کے خلاف اسٹریٹیجک فتح ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ ان انتخابات کا محدود مقصد لوگوں کو سڑک، بجلی، پانی فراہم کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔یہ معاملات مسئلہ کشمیر کے حل کا کوئی پہلو ہو سکتے ہیں اور نہ یہ رائے شماری کا متبادل ہو سکتے ہیں ۔ اس لئے کشمیر کے نام نہاد انتخابات کی بھارت جو بھی تاویل کرے وہ صریحاً جھوٹ اور کذب پر مبنی ہے۔کشمیر کا کبھی بھارتی دیش میں کبھی کوئی انضمام تھا اور نہ ہی ہو گا۔

۱۹۹۰ء سے آج تک ایک لاکھ سے زائد کشمیری مسلمان ایک عظیم مقصد (مکمل آزادی) کیلئے شہید ہوئے جبکہ مقبول بٹ اور افضل گورو کو تہاڑ جیل میں پھانسی دیکر شہید کر دیا گیا اور ۲۰۱۰ء میں مظاہرین پر پولیس اور نیم فوجی اہلکاروں کی فائرنگ سے ۱۵۰ سے زائد نوجوانوں کو جو کالجز اور

یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم تھے شہید کر دیا گیا۔اس سانحے کے بعد کشمیری طلبہ کو جو بھارت کی مختلف ریاستوں میں زیر تعلیم تھے، مختلف بہانے تراش کر شہید کر دیا گیا۔ یہ ہے کشمیر کی اصل صورتحال جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہاں بھارت کے بہیمانہ مظالم کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔اس دوران میں نام نہاد الیکشن کا ڈرامہ سراسر بے معنی ہے۔۱۶سال قبل کشمیر میں کشمیر بیسڈ پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی۔ ۶۰سال سے نیشنل کانفرنس موجود ہے، دونوں پارٹیاں بھارتی پرچم تھامے بھارت نواز پارٹیوں کی شکل میں موجود ہیں۔دونوں کی قیادت کشمیری کشمیری مفتی سعید اور فاروق عبداللہ کر رہے ہیں۔دونوں کا دعویٰ ہے کہ وہ سیکولر جماعتیں ہیں اس لئے کشمیر کے ہندو، بودھ اور سکھ ان جماعتوں کے عہدیداروں میں شامل ہیں۔وادیٔ کشمیر میں نام نہاد فراڈ انتخابات کے ذریعے انہی دو پارٹیوں کی جیت ظاہر کی جاتی ہے جبکہ بی جے پی اور کانگرس جموں میں اکثریت حاصل کرتی رہی ہیں۔نام نہاد کشمیر اسمبلی میں ۸۷ نشستیں ہیں جن پر ۴۴ پر الیکشن جیتنے والی جماعت یا گروپ اپنے طور پر حکومت بنانے کا اہل ہوتا ہے۔

دسمبر ۲۰۱۴ء کو مقبوضہ جموں وکشمیر میں ۶۳ برسوں میں کرائے جانے والے ۱۲ویں نام نہاد الیکشن میں کٹھ پتلی ریاستی اسمبلی کے انتخابی نتائج پر نظر ڈالیں تو دو الگ الگ ریاستوں کے نتائج معلوم ہوتے ہیں۔ گزشتہ ۶۳ برسوں کے دوران میں یہ پہلا موقع تھا کہ ان نام نہاد انتخابات کے دوران ہندو قوم پرست جماعت بی جے پی نے مقبوضہ جموں جبکہ کشمیری قوم پرست جماعت پی ڈی پی کی کشمیر میں برتری دکھائی گئی۔ مجموعی نتائج میں پی ڈی پی ۲۸ نشستوں کے ساتھ سب سے بڑی پارٹی کے طور پر سامنے لائی گئی جبکہ بی جے پی کو ۲۵ نشستیں حاصل ہوئیں۔نام نہاد کشمیر اسمبلی کی کل ۸۷ نشستوں میں سے ۴۶ وادی کشمیر، ۳۷ جموں جبکہ ۴ لداخ میں رکھی گئی ہیں۔اس بار مقبوضہ جموں کی ۳۷ نشستوں میں سے ۲۵ بی جے پی کو ملی ہیں اور باقی ۱۲ دوسری جماعتوں کو جبکہ وادیٔ کشمیر میں ۴۶ میں سے ۳۰ نشستوں پر پی ڈی پی کی کامیابی کا اعلان کیا گیا جبکہ ۱۶ دیگر نشستیں نیشنل کانفرنس اور دیگر بھارت نواز جماعتوں میں بانٹ دی گئیں۔ مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے نام نہاد الیکشن میں اگرچہ بی جے پی نے انتہائی مہنگی اور جارحانہ میڈیا مہم کے ذریعے باور کرایا تھا کہ وہ کشمیر سے بھی کئی نشستوں پر فتح پائے گی اور اگلی حکومت اپنے بل بوتے پر تشکیل دے گی لیکن مسلم علاقے وادی کشمیر میں یہ جماعت ایک بھی نشست حاصل نہ کر سکی۔

اس کھلی حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسئلہ کشمیر ایک ایسی زندۂ جاوید حقیقت ہے جس کو الیکشن کے انعقاد سے ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ہیئت تبدیل کرنا ممکن ہے۔۱۹۴۷ء سے مقبوضہ کشمیر میں یہ جعلی مشق ہوتی رہی ہے اور لوگوں کے روزمرہ کے مسائل کو حل کرنے کے نام پر لوگوں سے ووٹ لیا گیا ہے لیکن دلی کی بی جے پی کی حکومت مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے اس بار کے نام نہاد انتخابات کے بعد جس قسم کا شور و غوغا بلند کر رہی ہے حقیقت کے تناظر میں وہ بالکل بے معنی ہے جس سے بھارت ماتا کے کرم چاریوں کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ مودی اینڈ کمپنی کو مقبوضہ کشمیر کی ماضی قریب کی تاریخ کو یاد کر لینا چاہئے اور ۱۹۷۵ء کے رسوائے زمانہ "اندرا عبداللہ اکارڈ" اور ۱۹۷۷ء کے فراڈ انتخابات کے بعد کی صورتحال پر غور کرنا چاہئے، اس وقت بھی بھارتی نیتاء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ مسئلہ کشمیر سرے سے ختم ہو چکا ہے کیونکہ غدار کشمیر شیخ عبداللہ کو نام نہاد اسمبلی کی ۷۵ سیٹوں میں سے ۷۳ سیٹوں پر کامیاب قرار دے دیا گیا تھا۔

شیخ عبداللہ کو "مکمل پاور" میں لا کر ان سے بہت سی توقعات وابستہ کی گئی تھیں۔البتہ اس کے بعد کشمیر کی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب رقم ہوا کہ جس سے کشمیریوں کا جذبہ آزادی ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا ہے اور کشمیر کی مزاحمتی تحریک نے ایک واضح جاندار (بلکہ صحیح الفاظ میں جاں نثار) رخ اختیار کر لیا۔اس باب کے رقم ہونے سے دراصل بھارت کی شیخ عبداللہ اینڈ کمپنی سے وابستہ امیدوں پر پانی پھر گیا۔

تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ بھارتی قیادت نے ۱۹۴۷ء میں ملت کشمیر کے ساتھ بین الاقوامی سطح پر وعدے کئے گئے کہ انہیں مستقبل کے تعین کا فیصلہ کرنے کا مجاز بنایا جائے گا اور اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ریاست میں ایک ریفرنڈم کا اہتمام کیا جائے گا۔ جموں و کشمیر میں جب تک یہ عمل پورا نہیں کیا جاتا کشمیریوں کی جدوجہد آزادی جاری رہے گی جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں دبا سکتی۔ نام نہاد انتخابات کے باوجود مقبوضہ کشمیر کے عوام پر جبر و ستم کا سلسلہ بڑھ رہا ہے۔ کشمیریوں کے خلاف (ان کی تحریک دبانے کیلئے) طاقت کا بے تحاشہ استعمال جاری ہے۔ بھارتی فوج اور ریاست کی ظالم پولیس ایک بے لگام فورس بن چکی ہے اور آزادی پسند کشمیری عوام پر تشدد ڈھانے کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا۔

۱۹۳۱ء کی جدوجہد آزادی نے ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے وقت نئی جہت اختیار کر لی اور کشمیری مسلمانوں نے ان کا سلب شدہ حق، حق رائے شماری کے ذریعے سے "رائے شماری" کے نام پر استصواب رائے کا مطالبہ کر دیا۔ ۱۹۵۳ء میں شیخ عبداللہ کی قیادت میں اس مطالبہ کی پاداش میں کشمیر کی اس وقت کی قیادت بشمول شیخ عبداللہ جیلوں میں زیر عتاب رہی لیکن شیخ عبداللہ اس دوران میں بھارتی قیادت سے مرعوب یا خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے جیل کے اندر ہی خود سپردگی اختیار کر لی۔ ۱۹۵۳ء میں یہ المیہ اس وقت معرض وجود میں آیا جب تحریک آزادی ایک اہم موڑ پر تھی۔ شیخ عبداللہ نے کشمیر کاز سے غداری کی اور جواہر لال نہرو (اس وقت کے وزیر اعظم) کے ساتھ ایک سازش کے تحت رائے شماری کے مطالبے سے دستبرداری اختیار کر کے بھارت کے ساتھ رہنے اور اس کی غلامی اختیار کرنے کو سودا کیا۔

اس ڈرامے میں شیخ عبداللہ کو پہلے وزارت اعلیٰ سے برطرف کر کے قید میں ڈالا اور کشمیر کی عنان حکومت انہی کے کابینہ کے ایک وزیر اور دست راست بخشی غلام محمد کو سونپ دی۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے کبھی غلام محمد صادق اور کبھی سید میر قاسم کے ذریعے سے کانگرس کے اشاروں پر مقبوضہ کشمیر میں سیاسی ڈرامہ رچایا گیا۔ اس ڈرامے بازی کی آڑ میں کشمیر کے سیاسی غدار دہلی کی حکومتوں کے آلہ کار بن کر برسہا برس تک حکومت کے مزے لوٹتے رہے اور قوم کو لوٹتے رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب کانگریس ہی بھارت کی مضبوط ترین حکمران سیاسی جماعت تھی۔ ۱۹۷۵ء میں لال بہادر شاستری کے بعد اندرا گاندھی بھارت کی وزیر اعظم بن گئیں اور انہوں نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک اور سیاسی چال چلی اور کشمیر کے قد آور لیڈر شیخ عبداللہ کو شیشے میں اتارتے ہوئے ایک رسوائے زمانہ معاہدہ کر لیا جسے "اندرا عبداللہ ایکارڈ" کا نام دیا گیا۔ اس کے تحت کشمیر کی وادی دہلی حکومت کی تابع فرماں بنا دی گئی۔

بعد ازاں ۱۹۸۲ء میں شیخ عبداللہ نے اپنی علالت کے باعث اپنے بڑے بیٹے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی خفیہ طور پر اندرونِ خانہ تاج پوشی کرائی اور وہ نیشنل کانفرنس کے روحِ رواں اور اپنے باپ کے سیاسی جانشین بن گئے اور اس طرح وہ وزارتِ اعلیٰ کی گدی پر براجمان ہو گیا۔ فاروق عبداللہ نے دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ لین دین کا رولا ڈال دیا، اپنی جماعت کیلئے حد سے زیادہ جیب خرچ مانگنے لگا جس پر دہلی حکومت نے اسے چلتا کر دیا اور ریاست میں اقتدار کی کرسی شیخ عبداللہ کے داماد خواجہ غلام محمد شاہ نے سنبھال لی۔ اس سیاسی ہیر پھیر یا ہیرا پھیری سے فاروق عبداللہ نے سبق سیکھا

،رسہ کشی سے توبہ کرلی۔ دہلی سرکار سے وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے "راجیو فاروق ایکارڈ "عمل میں لاکر اسی تنخواہ پر ہمیشہ کیلئے نوکری کرتے رہنے کی قسم کھالی جو دہلی سرکار کیلئے قابل قبول ہو اور اپنی دہلی کی مقرر کردہ تنخواہ پر مستقل طور پر کام کرنے کا یقین دلا یا دیا۔

۱۹۸۷ء میں ہونے والے الیکشن میں مسلم متحدہ محاذ کو ایک سازش کے تحت ہرایا گیا، اس دوران میں نوجوانانِ کشمیر نے انصار الاسلام کے پرچم تلے "انقلاب" کی چنگاری سلگائی جو ۱۹۹۰ء میں شعلہ جوالا بن گئی۔ ۱۹۹۰ء کے بعد اس قوم میں سلب شدہ سیاسی حقوق کی بحالی میں شیر کی سی دھاڑ کیسے پیدا ہوگئی جس نے غدار سیاستدانوں، زر خرید حکمرانوں، بھارت کے شریر نیتاؤں کے ساتھ ساتھ کشمیر کی قابض بھارتی فوج کو للکارا اور یہ للکار بعد میں حریت کے دلداگان کا طرۂ امتیاز بنی رہی۔ اس للکار کے تسلسل نے کشمیریوں کی قربانیوں کو نتیجہ خیز بنایا اور اب مقبوضہ کشمیر میں مودی حکومت کا خواب چکنا چور ہو کر رہ گیا ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے حکمران جماعت بی جے پی کی پارلیمانی کونسل نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں انتخاب ہارنے کی وجوہات طلب کرلی ہیں۔ پارلیمانی کونسل نے مودی سے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کو منع کرنے کے باوجود مقبوضہ جموں وکشمیر میں انتخاب کے موقع پر تین دورے کئے ، سرکاری خزانے سے کروڑوں روپے خرچ کئے، پارٹی کا روپیہ پیسہ بھی لگا مگر نتیجہ صفر ہے۔ پارلیمانی کونسل نے اپنے نوٹ میں یہ بھی کہا ہے کہ مودی کی غلط کاری کے نتیجے میں الٹا کانگرس جو جموں وکشمیر میں بسترِ مرگ پر تھی، اسے نئی زندگی مل گئی ہے، ساتھ ہی نیشنل کانفرنس کو فتح مل گئی ہے۔ مقبوضہ جموں وکشمیر کے اندر وزیر اعظم کے جانے سے بی جے پی کے امیدواروں کو نقصان ہوا۔ پارلیمانی کونسل نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں بی جے پی کی شکست کا ذمہ دار مودی کو ٹھہرایا ہے اور دس صفحات کے خط کو چارج شیٹ برائے مودی کا نام دیا ہے۔ اس اندرونی خلفشار پر قابو پانے کیلئے مودی نے ایک مرتبہ پھر پاکستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کردیا ہے جس سے اس کی پاکستان دشمنی ایک بار پھر ابھر کر سامنے آرہی ہے ۔ مقبوضہ کشمیر میں ریاستی انتخابات جیتنے کیلئے کنٹرول لائن پر مسلسل فائرنگ کرکے جنگ جیسا ماحول پیدا کردیا گیا ہے۔ حال ہی میں سیالکوٹ ظفر وال سیکٹر پر فلیگ میٹنگ کے بہانے بلا کر دو پاکستانی فوجیوں کو شہید کرکے جہاں عالمی قوانین کی سخت خلاف ورزی کی اور پھر اس معاملے کو عالمی بدنامی سے بچنے کیلئے گجرات کے کھلے سمندر میں ایک کشتی کی تباہی کا ڈرامہ رچا کر پاکستان پر الزام لگادیا گیا جس کی بعد ازاں خود بھارتی پریس اور کانگرس نے اس کا بھانڈہ پھوڑ دیا کہ یہ کشتی اسمگلروں کی تھی جو شراب اور ڈیزل اسمگل کررہے تھے، جس کو انہوں نے گرفتاری سے بچنے کیلئے خود آگ لگادی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بی جے پی وادی سے درجنوں مسلم چہرے سامنے لانے کے باوجود وادی میں ایک سیٹ پر بھی جیت نہ سکی۔ بی جے پی کی ڈاکٹر حنابٹ، موتی کنال، زبیر وانی، مسعود الحسن اور نیلم گاش سمیت قریب ۱۳۰ امیدواروں کو وادی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، خود وزیر اعلیٰ عمر فاروق عبداللہ بھی اپنے آبائی حلقے سونہ وار کی نشست ہار گئے، ان کا اقتدار ختم ہوگیا۔ نیشنل کانفرنس پندرہ اور کانگرس صرف ۱۲ نشستیں جیت سکی ۔ ان انتخابات میں سجاد لون نے بھی دو سیٹیں حاصل کرکے اپنی پارٹی پیپلز کانفرنس کا مقامی اسمبلی میں داخلہ ممکن بنادیا ہے۔ ان انتخابات کے بعد جموں وکشمیر کے خطوں کے درمیان سیاسی اور نظریاتی کشیدگی بڑھانے کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

وزیر اعلیٰ عمر فاروق عبداللہ نے اپنی آخری پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ وادی میں ہونے والے پرامن انتخابات رائے شماری کا متبادل نہیں ہیں۔ انتخابات کا محدود مقصد لوگوں کو بہتر انتظامیہ فراہم کرتا ہے اور یہ مسئلہ کشمیر کے حل کا کوئی پہلو نہیں ہوسکتے۔ عمر عبداللہ کا کہنا تھا کہ ان انتخابات کو پاکستان بھارت تعلقات یا مسئلہ کشمیر سے جوڑنا غلط ہے، یہ رائے شماری کا متبادل ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ عمر عبداللہ

کو اقتدار چھن جانے کے بعد ہی کیوں مسئلہ کشمیر رائے شماری یاد آئی؟ اتنا عرصہ اقتدار میں رہے، اس وقت تک تو انہوں نے رائے شماری کی کوئی بات نہیں کی، بی جے پی کے دست راست بنے رہے اور اب کہہ رہے ہیں کہ وہ ایسی جماعت کے ساتھ کوئی سیاسی اتحاد نہیں کر سکتے جو مسلم کش ہو جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو جبری طور پر مذہب تبدیل کرانے کے واقعات پر تو خود نریندر مودی بھی خاموش ہیں۔ بی جے پی نے مقبوضہ کشمیر میں "مشن ۴۴ پلس" کے نام سے انتہائی مہنگی مہم چھیڑ کر فتح کا اعلان کیا مگر اس کو انتہائی شرمناک ہزیمت کا سامنا رہا۔ نریندر مودی کو جہاں بی جے پی کی پارلیمانی کونسل کی چارج شیٹ کو جواب دینا چاہئے وہاں اپنی قوم کو دنیا میں ترقی یافتہ فہرست میں لیجانے کو جو خواب دکھایا تھا، وہ شرمندہ تعبیر ہونے کی بجائے بھارت کی تباہی و بربادی کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے ہیں، اس کا بھی جواب دینا چاہئے۔

عدل وانصاف کسی حشر پر موقوف نہیں

زندگی خود ہی گناہوں کی سزا دیتی ہے

بروز جمعۃ المبارک ۱۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۹ جنوری ۲۰۱۵ء

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

پچھلی دو دہائیوں سے بھارت خود کو "چمکتا بھارت" کے امیج کے پیچھے اپنے اصلی چہرے کو چھپائے ہوئے دنیا بھر کی تجارتی منڈیوں میں متعارف کروا رہا ہے لیکن اس کی مذہبی کلاس کے مختلف بہروپ ان کی تمام اعلیٰ درجے کی لیڈر شپ سمیت ان کی سیاست کو اپنی مٹھی میں آج بھی ایسے جکڑے ہوئے ہے جیسا کہ آج سے صدیوں پہلے چلا آرہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بھارت کا سپر اسمارٹ اینڈ موسٹ ایڈوانس روپ محض ایک دکھاوا ہے۔ درحقیقت بھارت اب بھی بھانت بھانت کی توہم پرستی اور جادو ٹونے کا اسیر ہے اور اس کے پیچھے وہاں کا پنڈت اور سادھو ہے۔ یہ سادھو سنگت ایک مافیا سے کم نہیں اور یہی بھارت کا اصل روپ ہے جس نے صدیوں سے بھارت کے حکمرانوں، سیاستدانوں اور زندگی کے ہر اہم شعبوں کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے اور بھارت کی ہر حکومت میں درپردہ ان سادھوؤں کا ایک اہم کردار ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور بی جے پی کی حکومت سنبھالتے ہی سادھو مافیا کچھ زیادہ ہی اہم ہو گیا ہے۔

دراصل سادھو کا مطلب ہے دنیا کو چھوڑنے والا، عیش و عشرت سے بھاگنے والا، بیابانوں، جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں میں دھونی رمانے والا! لیکن اب بھول جایئے کہ یہ سب ماضی کے قصے ہیں کیونکہ آج کے بھارت میں اس کا مفہوم بدل چکا ہے۔ اب سادھوؤں کے آشرم اس قسم کے نہیں ہوتے، اب ان کے اکاؤنٹ میں اتنا مال وزر ہوتا ہے کہ کئی امیر ترین افراد بھی ان کے سامنے مفلس دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے پاس کروڑوں نہیں اربوں کی دولت اور زندگی کا ہر عیش و آرام ہوتا ہے، چارٹر طیارے یا خصوصی آرام دہ ہیلی کاپٹر میں سفر اور عالمی شخصیات سے ان کے تعلقات اب ایک معمول سا بن گیا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی کمپنیوں اور کارپوریشنز میں سرمایہ کاری کرتے ہیں، یہاں تک کہ حکمرانوں کے اقتدار میں بھی ان کا حصہ ہوتا ہے۔

اس قسم کے سادھو اور بابا بھارت میں اکثر ملتے ہیں بلکہ آج بھی موجود ہیں۔ ان میں چندرا سوامی، بابا رام دیو، بابا رحیم جیسے نام بھی زندہ ہیں اور ماضی میں دھیریندرا برہم پچاری، ستیہ سائیں بابا کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ بھارت کے سادھوؤں کے وہ نام ہیں جن کے پاس نہ صرف دولت کی ریل پیل رہی بلکہ بھارت کی حکومتوں میں ان کا سیاسی اثر و رسوخ بھی رہا۔ ان کے تعلقات نہ صرف بھارت میں بلکہ بیرون ملک نامور اور طاقتور شخصیات سے رہے اور بعض تنازعات کی وجہ سے بدنام زمانہ اور خاصی شہرت کے بھی حامل رہے۔ آجکل تو ایسے سادھو اور بابا بھی نظر آتے ہیں جو باقاعدہ پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ممبر رہے بلکہ بھارت کی حکمرانی میں بھی ان کا حصہ رہا۔ بھارت میں تو ایسے سادھوؤں کی بھی کمی نہیں جو ٹی وی پر جلوہ افروز ہو کر عوام کو لوٹتے ہیں اور کروڑوں کا بینک بیلنس بنانے میں مصروف ہیں۔

بھارت کی سیاست پر باباؤں کے اثر انداز ہونے کی ابتداء دھیریندرا برہم پچاری سے ہوتی ہے جسے بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کیلئے "یوگا گرو" کے طور پر رکھا تھا۔ اندرا گاندھی کے گرو ہونے کے سبب اس کے تعلقات قومی اور بین الاقوامی شخصیات سے استوار ہو گئے اور وہ بھارت کی سیاست پر اثر انداز ہونے لگا۔ ۱۹۲۴ء میں ریاست بہار کے مدھوبنی ضلع کے بسیٹھ چاند پور گاؤں میں پیدا ہونے والا دھیریندرا برہم پچاری نے حکومتی سرپرستی میں دہلی، جموں اور کشمیر میں کئی آشرم بنا رکھے تھے۔ اس نے یوگا گرو کی حیثیت سے ساری دنیا کے کئی سفر کئے، اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں اور اسے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ شنید یہ بھی ہے کہ اندرا گاندھی ایمرجنسی کے عمل میں ان کا کلیدی کردار بھی رہا اور یہ بابا اس دور میں بھی بھارت کی سیاست پر اثر انداز رہا۔ دھیریندرا برہم پچاری کے پاس کثیر دولت جمع ہو گئی تھی اور وہ ہمیشہ سفر کیلئے پرائیویٹ لگژری ہیلی کاپٹر سے سفر کرتا تھا۔ اندرا گاندھی اور دوسرے اعلیٰ حکمرانوں کیلئے سفر کیلئے محفوظ سواری اور تاریخ کا انتخاب کرنے والا خود ۱۹۹۴ء میں ہیلی کاپٹر کے حادثے کا شکار ہو گیا جس میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

بھارت میں جس دوسرے بابا کو عروج حاصل ہوا، وہ تھا چندر سوامی، جو سابق وزیر اعظم نرسہما راؤ کا انتہائی قریبی ساتھی تھا جو کہ اندرا گاندھی کی کابینہ کا وزیر بھی تھا۔ اس نے چندرا سوامی کو اندرا گاندھی، راجیو گاندھی اور دیگر وزراء سے بھی ملوایا۔ یہی نرسہما راؤ بعد میں ملک کے وزیر اعظم بھی ہو گئے۔ اس طرح اس کے تعلقات ساری دنیا کی بااثر شخصیات سے ہوئے جس میں برونائی کے سلطان، بحرین کے حکمران، برطانیہ کی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر اور ہالی وڈ اداکار بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اہم عالمی شخصیات اور متنازعہ لوگ اس سے ملتے جلتے تھے جس میں ہتھیاروں کا عالمی سوداگر عدنان خشوگی بھی شامل تھا۔

۱۹۹۱ء میں سری لنکا کے علیحدگی پسند گروہ ایل ٹی ٹی ای اور اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے ساتھ اس کے خصوصی تعلقات کی خبریں بھی گردش کرتی رہیں۔ چندرا سوامی کا اصلی نام نیمی چند تھا، اس کی پیدائش ۱۹۴۸ میں راجستھان میں ہوئی تھی مگر پرورش حیدر آباد میں ہوئی۔ اس نے جادو

ٹونا سیکھنا شروع کیا تھا اور اسی لحاظ سے ایک روحانی گرو کے طور پر وہ نرسہاراؤ کے رابطے میں آیا۔ چندرا سوامی پر مالی خرد برد کے کئی الزامات لگے اور اسے جیل بھی جانا پڑا۔ اس کی دولت کا کوئی حساب کتاب نہیں، اس لحاظ سے یہ ہائی پروفائل بابوں میں شامل ہے۔

آندھرا پردیش میں ۱۹۲۶ء میں جنم لینے والا نرائنا راجو جن کو ستیہ سائیں بابا کے نام سے جانا جاتا ہے، کو بھی ملک و بیرون ملک عقیدت مندوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے چاہنے والے ساری دنیا سے اس کے پاس آتے۔ وہ اکثر ایسے چمتکار دکھاتا جس سے متاثر ہو کر عقیدت مند اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ ستیہ سائیں بابا پر جنسی بے راہ روی کے الزامات لگے اور کئی غیر ملکی خواتین نے اس پر جنسی استحصال کا الزام عائد کیا، یہی نہیں بعض مرد مریدین کا بھی کہنا تھا کہ سائیں بابا نے ان کے ساتھ بھی جنسی تعلق قائم کرنا چاہا۔ ستیہ سائیں بابا نے بھی خوب دولت جمع کی جو عقیدت مندوں کے نذرانوں سے آتی تھی۔ اس کی موت ۲۰۱۱ء میں ہوئی، اس کی لالچی نظریں دولت پر ٹکی رہتیں۔ اپنے عقیدت مندوں کو اولاد کی دولت دان کرنے والا یہ بابا خود بے اولاد رہا۔ اس کا کوئی رشتہ دار بھی سامنے نہیں آیا لہٰذا اس کے مرنے کے بعد اس کی دولت جس کی مالیت ایک سو چار لاکھ کروڑ تھی، جو سائیں ٹرسٹ میں دان کر دی گئی۔

ان دنوں سب سے زیادہ عروج پر ہریانہ میں ۱۹۶۵ء میں پیدا ہونے والا بابا رام دیو ہے جس کے تعلقات وزیر اعظم نریندر مودی سے لیکر تمام اعلیٰ اور بااثر شخصیات سے ہیں۔ ملک کا شائد ہی کوئی بڑا لیڈر ہو گا جس سے اس کے روابط نہ ہوں۔ اس کی شہرت یوگا کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ہوئی، اس نے اندرون اور بیرون ملک آشرم بنائے، اس کے ساتھ ہی جنسی ادویات فروخت کرنے کا گھناؤنا کاروبار کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دولت اس کے قدم چومنے لگی لیکن کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ صرف آٹھویں جماعت تک تعلیم یافتہ رام دیو کو دولت ان کے گرو سے بھی ملی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پراسرار طور پر لاپتہ ہو گیا تھا، جس پر شبہ ظاہر کیا گیا کہ گرو کی موت میں رام دیو ہی کا ہاتھ ہے۔ رام دیو ادویات بنانے والی کمپنی پتنجلی پیٹھ کے نام سے ادارہ بھی چلاتا ہے جس کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں مگر اپنے ذاتی چارٹر طیارے سے سفر کرتا ہے۔

آج کل جن باباؤں کا بھارت میں بہت چرچا ہے ان میں پاکستان کے ضلع نواب شاہ کے گاؤں بیرانی میں پیدا ہونے والے آسارام جس کا اصلی نام آسو مل ہرپلانی ہے، کا ہے جو ایک نابالغ لڑکی کے ساتھ زیادتی کے الزام میں جیل میں قید ہے۔ اس پر اسی قسم کے دوسرے الزامات بھی ہیں جن کا تعلق جنسی بے راہ روی سے ہے۔ اس کے عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جو اکثر اس کے پروگراموں میں شریک ہوتے تھے مگر مذہب اور روحانیت کی آڑ میں اس نے ایک طرف بے تحاشہ دولت جمع کی تو دوسری طرف جنسی کھیل بھی کھیلتا رہا جس کا آخر کار بھانڈہ پھوٹ گیا۔ اس کی دولت اور جائیداد کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بھارتی حکومت نے جو اعداد و شمار اس کی دولت کے حاصل کئے ہیں ان کے مطابق اس کی مالیت دس ہزار کروڑ سے زائد ہے۔

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے خاص تعلق رکھنے والا نتیانند سوامی جادو ٹونے اور تعویز کی مد میں لاکھوں روپے وصول کرتا ہے اور خوب دولت کماتا ہے۔ اس کے آشرم میں بھارت کی جن

مشہور و معروف شخصیات نے حاضری دی ان میں وزیر اعظم نریندر مودی بھی شامل ہیں۔ حال ہی میں جنوبی ہند کی اداکارہ کے ساتھ جنسی تعلقات کا ویڈیو بھی سامنے آچکا ہے جسے ابتدائی طور پر تامل ٹی چینل "سن" نے دکھایا۔ نتیانند سوامی کو اپنی غیر اخلاقی حرکتوں کے سبب جیل جانا پڑا اور آج کل ضمانت پر ہے۔

راجستھان کے ضلع گنگا نگر سے تعلق رکھنے والا بابا رحیم جس کا اصل نام رمیت سنگھ ہے، اس نے اپنا الگ فرقہ بنایا ہوا ہے جسے ڈیرہ سچا سودہ کا نام دیا ہوا ہے۔ اس کا لباس پاپ سنگر اور اسٹیج پر فارمر جیسا ہوتا ہے اور اسی قسم کے بھجن بھی گاتا ہے جس سے عقیدت مند رقص کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے خلاف بھی کئی سنگین قسم کے الزامات ہیں جن میں جنسی استحصال سے لیکر بدعنوانی کے الزامات شامل ہیں۔

"چمکتا ہند" کے دعویدار بھارت آج بھی توہمات اور بھوت و آسیب سے پر یقین رکھنے والے لوگوں سے بھرا پڑا ہے۔ بھارتی سیاست میں بھی جہالت کی کمی نہیں ہے اور بڑی تعداد میں سیاستدان ستاروں کی چال اور سادھوؤں کی ہدائت کے مطابق ہی اپنی زندگی کے اہم فیصلے کرتے ہیں تو دوسری جانب سادھوؤں کیلئے بھارت کی سرزمین سونے کی کان سے کم نہیں۔

بروز سوموار ۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۲ جنوری ۲۰۱۵ء

"را اور بلیک واٹر"

افغانستان میں امریکی دباؤ پر شمالی اتحاد کے ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ اور ڈاکٹر اشرف غنی احمد زئی کے درمیان صدارتی انتخابات کے تنازعہ اور مخلوط حکومت کے قیام کے بعد وقتی طور پر صدارتی تنازعہ تو ختم ہو گیا تاہم صدر اشرف غنی کو عہدہ سنبھالے سو دن سے زائد ہو گئے ہیں لیکن اب تک اپنی کابینہ کی تشکیل دینے میں ناکام نظر آرہے ہیں اور ابھی تک کرزئی کے سابقہ وزراء سے نظام حکومت چلایا جارہا ہے۔ ابھی تک دونوں اتحادی کابینہ کی تشکیل میں اہم وزارتوں کے حصول کیلئے درپردہ سازشوں میں بھی مصروف ہیں۔ امریکی فوج جس کا مشن اختتام کو پہنچ گیا ہے اور وہ ان دنوں بڑے پیمانے پر رخصت ہو رہی ہے اور ان دنوں کئی فوجی پروازیں بگرام اور قازقستان کے درمیان منامائیر بیس تک ہزاروں فوجیوں کو منتقل کرنے کے آخری مراحل میں مصروف ہے جس کے بعد انہیں جرمنی کے راستے امریکا منتقل کر دیا جائے گا۔

ان دنوں یہ خدشہ زبان زدِ عام ہے کہ امریکی فوج کے نکلتے ہی اتحادی حکومت بھی ٹوٹ جائے گی کیونکہ یکم جنوری ۲۰۱۵ء سے افغانستان میں امریکی فوج پر افغان قانون کا اطلاق ختم ہو چکا ہے اور اقوام متحدہ کا مینڈیٹ بھی یکم جنوری کو اپنے انجام تک پہنچ چکا ہے جس کے بعد اسٹر ٹیجک معاہدے کے تحت امریکی فوج پر امریکی قانون کے سوا کوئی قانون بھی لاگو نہیں ہوگا تاہم یہ قانون بھی پینٹا گون کے بنائے گئے فوجی قوانین ہوں گے نہ کہ امریکا کے سول لبرٹیز قوانین ہوں گے جس کے بعد امریکی فوج اپنے مخالفین کو قتل کرنے میں آزاد ہوگی اور اسے عالمی عدالت انصاف، اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کی تنظیموں اور اقوام متحدہ میں کسی بھی کاروائی سے استثنیٰ حاصل ہوگا جبکہ اس پر مقامی زمینی قوانین بھی نافذ نہیں ہوں گے۔

عالمی سیاسی تجزیہ نگار اس خدشے کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان زمینی حالات میں امریکا نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ ۲۰۱۶ء تک وہ افغانستان میں اپنے مخالفین کو قتل کرے گا جبکہ اس حوالے سے پاکستان سمیت خطے کے ممالک میں مزید بدامنی پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ امریکی فوج کی کسی بھی سازش یا منصوبہ بندی پر امریکا کے سوا کسی بھی فورم پر بات نہیں ہو سکے گی اور یہی وجہ ہے کہ امریکا نے صدارتی آرڈیننس کے تحت ۲۰۱۶ء تک آپریشنل مدت میں اضافہ کر دیا ہے۔ امریکا کے اس معاہدے کے بعد افغانستان میں انہیں کسی حکومت کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا دونوں اتحادی ابھی تک اپنے وزراء نامزد کرنے میں ناکام ہیں۔ حزبِ اسلامی اور طالبان کے کئی اہم رہنماؤں کو وزارتوں کی پیشکش دونوں جانب سے کی گئی تھی لیکن دونوں جماعتوں نے وزارتوں کے اس فریب کو مسترد کرتے ہوئے حکومت میں شامل ہونے سے کلی انکار کر دیا ہے۔

طالبان اور حزب اسلامی دونوں تنظیموں کا کہنا ہے کہ وہ اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کے ساتھ کام کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہیں کہ امریکی شکست کھا چکے ہیں اور امریکی شکست کے بعد وہ کسی بھی ایسی حکومت کا حصہ بننے کو تیار نہیں جو امریکا کے کہنے پر سب کچھ کر رہی ہے اور جنہیں عوام کی حمائت بھی حاصل نہیں، اس لئے وہ ایسی حکومت میں شامل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ دوسری جانب سابق جہادیوں نے بھی ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کے ساتھ کابینہ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکی فوج کے جاتے ہی ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ پر حملے ہو سکتے ہیں اس لئے بہت سے لوگ حزبِ اسلامی اور طالبان کے حملوں کے خوف سے کابینہ میں شمولیت سے گریزاں ہیں جبکہ عبدللہ عبداللہ اور اشرف غنی اہم عہدوں پر اپنے عزیزوں کو نامزد کرنے کیلئے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تین ماہ گزرنے کے باوجود ابھی تک وہ اہم عہدوں پر تقرریاں نہیں کر سکے جس کی وجہ سے ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا جا رہا اور صدر کے حکم کے باوجود بھی جنرل ریٹائرڈ بسم اللہ جو وزیر دفاع ہیں اور جن کو کرزئی کا بہت قریبی ساتھی مانا جاتا ہے، نے ٹی ٹی پی کے سربراہ ملا فضل اللہ کے خلاف کاروائی سے انکار کر دیا ہے اور صدر کی بات نہیں مان رہے ہیں۔

ڈاکٹر اشرف غنی نے اپنی حالیہ تمام ناکامیوں پر قابو پانے کیلئے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے اقتدار کی موجودگی کا اس طرح احساس دلائیں کہ تمام متعلقہ فریقوں تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ افغانستان کے مستقبل کیلئے اہم فیصلوں کیلئے تمام اختیارات انہی کے پاس ہیں۔ایک طرف انہوں نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں امریکا سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ دو سال میں افغانستان سے آخری امریکی فوجی کو بھی نکال لینے کی مدت پر نظر ثانی کرے اور دوسری طرف اپنی انتظامی گرفت کو مضبوط کرنے کیلئے مغربی صوبے ہرات کا انتخاب کیا جہاں مغربی صوبے ہرات کے مقامی حکام کو ان کے حالیہ ایک روزہ دورے کی قیمت اس وقت چکانی پڑی جب چند گھنٹوں میں ہی انہوں نے بدعنوانی اور سکیورٹی کے ناقص انتظامات کے باعث درجنوں اہلکاروں کو ان کی ملازمتوں سے برخاست کر دیا۔ان میں صوبے کے ۱۵/اضلاع کے پولیس سربراہان اور اعلی حکومتی اہلکار شامل تھے۔صدر اشرف غنی نے اخباری رپورٹرز کو بتایا محکمہ تعلیم، تیل و گیس، بجلی اور کسٹم کے سربراہان کے بارے میں متعدد شکایات موصول ہوئی تھیں۔ان تمام کو نوکریوں سے نکال دیا ہے اور تمام پر مقدمہ چلایا جائے گا۔نوکریاں کھونے والوں میں سے بیشتر کو طاقت ور تصور کیا جاتا تھا اور ان کے شمالی اتحاد کے کافی مضبوط لوگوں سے تعلقات تھے اس لیے انہیں ناقابل گرفت تصور کیا جاتا تھا۔یہ اس حوالے سے ایک ٹھوس پیغام تھا کہ نئی حکومت اب اپنے احکام کی سختی سے پابندی کروانے میں کس قسم کی رعائت دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔اشرف غنی کا اصل امتحان تو یہ ہے کہ وہ جنرل ریٹائرڈ بسم اللہ جس نے نہ صرف ٹی ٹی پی کے سربراہ ملا فضل اللہ کے خلاف کاروائی سے انکار کر دیا بلکہ اسے ہر قسم کا تحفظ بھی فراہم کیا ہوا ہے اور بھارت کے ایماء پر پاکستان پر تمام حملوں کی منصوبہ بندی میں بھی مکمل شامل ہے،اس کے خلاف کیا کاروائی کی جاتی ہے؟

دراصل امریکا اب چاہتا ہے کہ دونوں آپس میں لڑ پڑیں تاکہ وہ اپنے منظورِ نظر افراد کو اہم عہدوں پر تعینات کر سکے جبکہ بھارت چاہتا ہے کہ وہ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کے ذریعے اپنے منظورِ نظر افراد کو اہم عہدوں پر تعینات کرائے اور اس کیلئے بھارتی سفارتخانہ مسلسل شمالی اتحاد کے رہنماؤں کے ساتھ رابطے میں ہے۔ایک طرف وزارء کی نامزدگی پر رسہ کشی جاری ہے تو دوسری جانب حزبِ اسلامی اور طالبان نے افغان صدر کی جانب سے قبائلی سرداروں کے رابطے پر انہیں دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ افغان صدر کے ساتھ مذاکرات نہیں کر سکتے کیونکہ افغان صدر اتنے بے بس ہیں کہ وہ ابھی تک اپنی کابینہ کا انتخاب نہیں کر سکے تو وہ ان کے ساتھ کس طرح مذاکرات کر سکیں گے لہذا وہ ایک فیصلہ کن جنگ کیلئے تیار ہیں اور وہ امریکا کے خلاف فیصلہ کن جنگ کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں افغان صدر، طالبان اور حزبِ اسلامی کے درمیان مذاکرات نہ صرف رک گئے ہیں بلکہ دونوں مزاحمت کار گروپوں کی

یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں افغان صدر، طالبان اور حزبِ اسلامی کے درمیان مذاکرات نہ صرف رک گئے ہیں بلکہ دونوں مزاحمت کار گروپوں کی

جانب سے حملے بھی بڑھ گئے ہیں اور اب مشترکہ کاروائیاں شروع کر دی گئی ہیں اس کیلئے پہلا انتخاب انہوں نے شمالی افغانستان کا کیا ہے تاکہ شمالی افغانستان کا ملک کے دیگر حصوں سے رابطہ کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد مشرق سے پیش قدمی کی جائے۔واضح رہے کہ افغانستان میں اپنا مشن ختم

کرنے کے باوجود ۱۳۵۰۰/امریکی اور اتحادی فوج پانچ اڈوں پر تعینات رہے گی جنہیں افغانستان کے طول و عرض میں کاروائیوں کیلئے بڑے پیمانے پر لاجسٹک سہولیات کی ضرورت ہو گی تاہم امریکی فوج اتحادی طیاروں اور ڈرون حملوں کے ذریعے آپریشن کرنے کی خواہاں ہے جس سے افغانستان میں بے گناہ افراد خاص کر بچے اور خواتین بھی نشانہ بن سکتے ہیں جس سے افغانستان میں اشتعال بڑے گا لہٰذا افغانستان میں مزید خونریزی کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔ان حالات میں مزید افغان مہاجرین کا بوجھ پاکستان پر ڈالنے کی آڑ میں درپردہ بہت سے ایسے تربیت یافتہ دہشتگرد بھی داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی جن کو پچھلے ایک سال سے "را اور بلیک واٹر" کے کیمپوں میں تیار کیا گیا ہے۔ کیا ہمارے متعلقہ اداروں نے اس کے سد باب کیلئے کوئی عملی اقدامات کا پلان تیار کر رکھا ہے؟

بروز بدھ ۲۳ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۴ جنوری ۲۰۱۵ء

وہی صیّاد، وہی کمزور فریاد!

بلائیں اور آفتیں جب نازل ہوتی ہیں تو وقت سے پہلے لوگوں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ دروازوں کے کواڑ ذرا سے ہلیں تو کسی غیر مرئی چیز کی آمد کا احساس ہوتا ہے۔ ذرا سی تیز ہوا ہو تو خوفناک آندھی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اچانک کوئی غیر معمولی واقعہ بار بار ہونے لگے تو بدشگونیاں نکالی جاتی ہیں ۔انسان مدتوں سے بلکہ جب سے اس نے اس کائنات میں ہوش سنبھالا ہے آفتوں اور بلاؤں کے خوف سے آزاد نہیں ہو سکا۔ نصیب اور بدنصیبی ایک ایسا گورکھ دھندا ہے جسے انسان ازل سے آج تک حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہر دفعہ بدنصیبی کی کوئی نہ کوئی تعبیر ضرور ہوتی ہے۔ کوئی اسے کسی ظلم، بربریت اور درندگی کا شاخسانہ سمجھتا ہے تو کہیں اسے ظلم پر طویل خاموشی اور چپ کی وجہ سے ایک سزا تصور کیا جاتا ہے۔ مدتوں لال آندھی کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ کہیں قتل ناحق ہو گیا ہے۔

پھر گلیوں، بازاروں اور چوراہوں پر اتنے ناحق لوگ قتل کئے جانے لگے کہ لال آندھی نے بھی شرمسار ہو کر نکلنا چھوڑ دیا۔ مدتوں بڑے بوڑھے کسی شخص یا خاندان کے اجڑنے کی کہانی سناتے تو بتاتے کہ اس خاندان کے فلاں شخص نے کسی پر ظلم کیا۔ کسی کا حق مارا، کسی یتیم کا مال کھایا یا کسی مظلوم اور بے آسرا شخص کا خون کیا۔ ایک ایسے ڈاکو اور قاتل کی کہانی میرے اپنے بچپن میں میرے شہر میں زبان زدعام ہوئی جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ اس کی لاش گھر پہنچی تو اس کے خاندان کے لوگوں نے حیرت میں ڈال دینے والی داستان بیان کی۔ اس کے والد نے پلو سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا کہ جب اسے پھانسی کی سزا ہوئی تو میں اس کے پاس گیا۔ میں نے اسے کہا کہ تم قرآن پر قسم کھا کر کہو کہ یہ قتل تم نے کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ اگر تم نے قتل نہیں کیا تو میں اللہ کے کسی نیک بندے کے پاس جا کر عرض کروں کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے تاکہ تم بے گناہی کے جرم اور سزا سے بچ جاؤ۔ اس نے قرآن پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ میں نے بہت قتل کئے، چوریاں کیں، مال لوٹا لیکن جس قتل میں مجھے سزا ہو رہی ہے وہ میں نے نہیں کیا۔ باپ نے کہا کہ میں وہیں سے اٹھا اور ایک صاحب بصیرت اللہ کے نیک بندے کے پاس چلا گیا۔ اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے چاہے تو پھر جھٹک دیئے اور کہا وہ گائے کی بچی بہت تنگ کر رہی ہے۔ وہ بہت بلبلا رہی ہے۔ میں نے پوچھا حضرت یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگے یہ تم اسی سے پوچھ لو۔ وہاں جا کر پوچھا تو اسے یاد آیا کہ ایک دفعہ وہ کسی گاؤں سے ایک گائے چوری کر کے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اس گائے کے پیچھے پیچھے ایک اس کی دودھ پیتی گائے کی بچی بھی آ رہی تھی۔ گائے اسے مڑ مڑ کر دیکھتی اور اپنے پاؤں زمین میں گاڑ دیتی۔ جس سے ہمیں اسے کھینچنا مشکل ہو رہا تھا اور پکڑے جانے کا خوف دامن گیر ہو گیا۔ میں نے بندوق نکالی اور اس گائے کی بچی کو فائر کر کے مار دیا۔ تھوڑی دیر تڑپ کر بچی مر گئی۔ گائے خاموش سی رہی لیکن ایک دفعہ کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھا اور ہمارے ساتھ چل پڑی۔ باپ نے کہا بس میں اٹھ کر آ گیا کیونکہ فیصلہ اس مالک کائنات کی طرف سے ہو چکا تھا جو دکھی دلوں کی فریاد سنتا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اب اسے کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا ۔

گزشتہ چند دنوں سے جو خوف سراسیمگی میں اپنے اردگرد دیکھ رہا ہوں، لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے پھرتے ہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ ہر کوئی آنے والے دنوں سے پریشان ہے جس صاحب نظر سے ملو وہ کہتا ہے بلائیں نازل ہونے والی ہیں، آفتیں گھیر چکی ہیں۔ کوئی کہتا ہے صفائی کا وقت ہے تو کسی کی زبان پر یہ لفظ ہیں کہ دو بہت بڑے سانحے ہمارے انتظار میں ہیں۔ اس ساری بے یقینی اور سارے خوف کے عالم میں یوں لگتا ہے کہ میری حالت بھی اس باپ کی طرح ہے جو پوچھتا پھر رہا ہو کہ کوئی تو قسم اٹھا کر کہہ دے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کسی ظلم پر بے حسی اور خاموشی اختیار نہیں کی لیکن ہمارے صاحبان اقتدار اور طاقت کے نشے میں بدمست حکمرانوں کے نامۂ اعمال پر تو نامعلوم اور بے گناہ انسانوں کے

خون کے ایسے دھبے ہیں کہ ڈرتا ہوں کہ آفتیں اور بلائیں یہاں گھر نہ کر لیں۔

پیرس فرانس ایک جریدے پر حملہ ہوا جس میں بارہ آدمیوں کی جان چلی گئی۔ ساری دنیا اس جریدے کے اس بہیمانہ فعل سے واقف ہے کہ کس طرح اس نے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے جذبات کا خون کیا، اس کے خلاف دنیا بھر میں احتجاج اور مظاہرے ہوئے جن میں دو درجن سے زائد افراد اپنے نبیؐ کی حرمت پر کٹ گئے لیکن مغرب نے اسے پریس کی آزادی سمجھ کر اپنے قبلہ کو درست کرنا اپنی اقدار کی توہین سمجھا بلکہ ۴۰ ممالک کے نمائندوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملا کر یکجہتی کا ایک واضح پیغام دیا جس کے بعد اسی جریدے چارلی ایبڈو نے اپنے تازہ شمارے کے سرورق پر پیغمبر اسلام کا خاکہ شائع کر کے مارکیٹ میں پہنچا دیا ہے۔ عام طور پر اس شمارے کی زیادہ سے زیادہ ۶۰ ہزار کاپیاں شائع ہوتی ہیں مگر رسالے کی انتظامیہ نے اس بار شمارے کی ۳۰ لاکھ کاپیاں شائع کر کے مارکیٹ میں پہنچا دی ہیں۔ وہی مغرب جہاں آج "ہولوکاسٹ" پر کسی بھی قسم کی لب کشائی اور کسی بھی قسم کا تبصرہ کرنا ایک جرم ہے اور یہی پریس آزادی کی اقدار اس دہرے معیار پر منہ چھپائے شرمندہ ہے۔ انہی پریس کی آزادی کے متوالوں نے امریکا کے سب سے بڑے تین جریدوں کو بھی اس گناہ میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اسے نفرت انگیز مواد سمجھ کر شائع کرنے سے کلی انکار کر دیا تھا۔

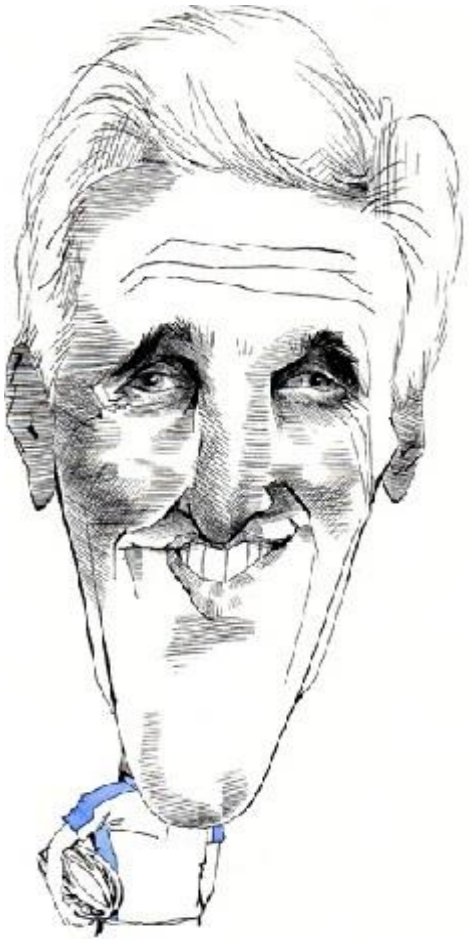

عراق میں ڈیڑھ ملین بے گناہ افراد کا خون اور افغانستان میں بموں کی بارش اور تورا بورا پر ہونے والے سب جرائم موجود لیکن پتا نہیں کیوں مجھے وہ دو ننھے منے معصوم بچے یاد آ رہے ہیں۔ یہ بچے اپنی ماں کی آغوش میں لپٹے سو رہے تھے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ان کی ماں بھی اسی طرح ان پر بار بار لحاف اڑھا رہی ہو گی جیسے ساری دنیا کی مائیں کرتی ہیں کہ اچانک ان کے والد خالد شیخ محمد کی گرفتاری کے لئے گھر پر چھاپہ پڑا۔ خالد شیخ محمد تو گرفتار ہو گیا لیکن ان معصوم ننھے بچوں کو بھی ان کی ماں کی آغوش سے کھینچ کر اس کے ساتھ ایسے مقام پر پہنچا دیا گیا جہاں سے ان کی آہوں، ہچکیوں اور سسکیوں کی آواز بھی ماں تک نہ پہنچ سکی۔ کیا اس ماں نے اور اس جیسی ہزاروں ماؤں نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر آنسو بھری آنکھوں سے نہیں دیکھا ہو گا۔ وہ جن کے بچوں کو کفن تک نصیب نہ ہو سکا جو اپنے بچوں کے چہرے تک نہ دیکھ سکے کہ انہیں جلا کر بھسم کر دیا گیا تھا۔ وہ مائیں جو ننگے پاؤں برفانی پہاڑوں میں اپنے بچوں کو اٹھائے خوف سے بھاگتی ہوں گی۔ کس کس نے اس آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا ہو گا۔

پتہ نہیں کس کے آنسو اور کس کی بے کسی اس رب کائنات کے غضب کا باعث بنی ہے کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے سوال کرتا پھر رہا ہے، کیا ہونے والا ہے، آفت کے آثار کیوں ہیں، بلاؤں کا خوف کیوں ہے۔ محشر بدایونی کا شعر یاد آ رہا ہے

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا

آج قصر سفید کے فرعون کا نمائندہ جان کیری ایک مرتبہ پھر دہشتگردوں کے خلاف ہماری کارکردگی کا جائزہ لینے کیلئے آن پہنچا ہے۔ شمالی وزیرستان میں دہشت گردوں کے خلاف جاری پاکستانی فوج کے آپریشن ضرب عضب کی کامیابیوں کو اہم قرار دیتے ہوئے دلاسہ دیا کہ امریکا دہشت گردی

کے خلاف پاکستان کے اقدامات کو سراہتا ہے اور دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی حمایت جاری رکھے گا اور اس کو مزید وسعت دے گا لیکن جب اسے واضح شواہد کے ساتھ ان دہشتگردوں کے مربی بھارت کے بارے میں مطلع کیا گیا تو اس کو محض ایک خدشہ قرار دیکر مزید تبصرہ سے انکار کر دیا جس کے جواب میں پاکستان کے وزیر اعظم کے مشیر برائے قومی سلامتی اور خارجہ امور سرتاج عزیز اسی صیاد سے اپنی کمزور فریاد گوش گزار کر رہے ہیں کہ بھارت نے خارجہ سطح پر تعلقات پر بات چیت کو یکطرفہ طور پر منسوخ کر دیا ہے اور لائن آف کنٹرول اور ورکنگ بانڈری پر آئے دن بلا اشتعال فائرنگ کر رہا ہے اس لئے امریکا علاقائی امن اور معاشی ترقی کے لیے بھارت پر پاکستان کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے۔ کیا ہمارے حکمرانوں کی قومی غیرت اپنے جائز مؤقف کو بھی بیان کرنے سے قاصر ہے؟

یاد رکھیں ہواؤں کے فیصلے کو ٹالنے کا ایک ہی راستہ میرے اللہ نے بتایا ہے، گڑگڑا کر، آنسو بہا کر، عجز وانکسار کے ساتھ ہمارے حکمران، پوری قوم معافی کی طلبگار ہو تو غضب رحمت میں بدل جاتا ہے لیکن قوم کو یہ درس کون دے جو درس دے سکتا ہے وہ تو حالات کو خود بدلنے کے دعوے کر رہے ہیں۔

بروز جمعۃ المبارک ۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۶ جنوری ۲۰۱۵ء

اللہ کا انعام... معافی

''اچھا تم بتاؤ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بڑا تحفہ کیا دیا تھا''؟ وہ مسکرائے اور میری طرف دیکھا، میں سوچ میں پڑ گیا، وہ اس دوران میری طرف دیکھتے رہے، میں نے تھوڑی دیر سوچا اور عرض کیا ''شعور'' انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا، میں نے عرض کیا ''عقل'' وہ فوراً بولے ''شعور اور عقل دونوں ایک ہی چیز ہیں'' میں نے مزید سوچا اور عرض کیا ''آکسیجن، سورج کی روشنی، پانی، خوراک اور جمالیاتی حسن'' انہوں نے ناں میں گردن ہلا دی۔ میں نے عرض کیا ''تعمیر کا فن، انسان کائنات کی واحد مخلوق ہے جو پتھروں کو ہیرے کی شکل دے سکتی ہے، جو مٹی کا محل بنا سکتا ہے اور جو ریت کے ذروں کو شیشے میں ڈھال سکتا ہے۔'' وہ مسکرائے اور انکار میں سر ہلا دیا۔ میں نے اس کے بعد انسان کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کا نام لینا شروع کر دیا لیکن وہ انکار میں سر ہلاتے رہے یہاں تک کہ میں تھک گیا اور بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ مسکرائے اور نرم آواز میں بولے ''آپ نے انسان کی جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا وہ تمام اللہ تعالیٰ کی دین ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ خوبیاں قائم و دائم رہتی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تو انسان فرعون ہو یا نمرود یا ابوجہل، اس کی خوبیاں اس کی خامیاں بن جاتی ہیں اور وہ دنیا میں زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے''۔

میں خاموشی سے سننے لگا، وہ بولے ''میں آپ کو اس سب سے بڑے تحفے کے بارے میں بتاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا'' میں ہمہ تن گوش ہو گیا' وہ بولے ''قدرت نے انسان کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی صلاحیت سے نوازر کھا ہے، دنیا کی کوئی دوسری مخلوق، کوئی خاکی یا نوری پیکر اس خوبی کی مالک نہیں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا ''جناب میں آپ کی بات نہیں سمجھا'' وہ بولے ''مثلاً تم چاند کو لے لو، اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو اس نے چاند میں ایک پروگرام فیڈ کر دیا اور چاند اب تک اس پروگرام کے تحت چمک رہا ہے اور جب تک قدرت پروگرام نہیں بدلے گی یہ چاند اسی طرح چمکتا رہے گا، آپ سورج، ستاروں اور سیاروں کو لے لیجئے، زمین کی حرکت کو لیجئے، ہواؤں، فضاؤں، ندیوں اور نالوں کو لے لیجئے، دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں کو لے لیجئے، زلزلوں، طوفانوں اور سیلابوں کو لے لیجئے یہ تمام ایک پروگرام کے تحت چل رہے ہیں اور قدرت یہ پروگرام فیڈ کر کے ان سے لاتعلق ہو گئی۔'' وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے عرض کیا ''جناب میں اب بھی آپ کا نقطہ نہیں سمجھ سکا'' وہ بولے ''دنیا کا کوئی پہاڑ، کوئی درخت، کوئی جانور، کوئی ستارہ اور کوئی سیارہ اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتا لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس خوبی سے نوازر کھا ہے کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اسے راضی کر سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا ''جناب میں یہی تو آپ سے پوچھ رہا ہوں'' وہ مسکرائے اور بولے ''لیکن اس نقطے کو سمجھنے کے لئے مجھے پیچھے تاریخ میں جانا پڑے گا۔'' میں خاموشی سے سننے لگا۔ وہ بولے ''آپ شیطان اور حضرت آدم کا واقعہ دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا وہ انسان کو سجدہ کرے، شیطان نے حکم عدولی کی، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوئے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ کر دیا۔ شیطان آسمانوں سے اترا اور کروڑوں سال سے زمین پر خوار ہو رہا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو گندم کا دانہ چکھنے سے منع فرمایا۔ حضرت آدم نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی ناراض ہوئے اور انہیں بھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا لیکن حضرت آدم کے رویے اور شیطان کے رویے میں بڑا فرق تھا۔

وہ دم لینے کے لئے رکے اور دوبارہ گویا ہوئے ''شیطان زمین پر آنے کے باوجود اپنی بات پر اڑا رہا جبکہ حضرت آدم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ

تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے، وہ سجدے میں پڑے رہتے تھے، روتے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی، اپنی غلطی، اپنے جرم اور اپنے گناہ کی معافی مانگتے جاتے تھے، حضرت آدم کی توبہ کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول نہ کرلی اور مشیت ایزدی ان سے راضی نہ ہوگئی۔ وہ خاموش ہوگئے، ہمارے درمیان خاموشی کے بے شمار پل گزر گئے، جب یہ وقفہ طویل ہوگیا تو میں نے عرض کیا "جناب میں اب بھی آپ کی بات نہیں سمجھا" وہ مسکرائے اور نرم آواز میں بولے "اللہ تعالیٰ کا انسان کے لئے سب سے بڑا انعام توبہ ہے، انسان اس انعام، اس تحفے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات کو راضی کر سکتا ہے اور وہ اللہ جو اپنے بندے کی کسی خطا، کسی جرم، کسی کوتاہی اور کسی گناہ سے ناراض ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے مان جاتا ہے اور اس بندے پر اپنے رحم، اپنے کرم اور اپنی محبت کے دروازے کھول دیتا ہے اور یوں انسان سکون میں چلا جاتا ہے"

وہ رکے اور بولے "جب تک انسان کو اللہ کی محبت، کرم اور رحم نصیب نہیں ہوتا، اس وقت تک انسان کو سکون، آرام، چین، خوشی اور مسرت حاصل نہیں ہوتی۔ خوشی، خوشحالی اور سکون اللہ کی رضامندی سے منسلک ہے اور جو شخص، جو قوم اور جو طبقہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو جاتا ہے، اس کا سکون، خوشی اور خوشحالی چھن جاتی ہے۔ چنانچہ جب بھی انسان کا رزق تنگ ہو جائے، اس کا دل مسرت اور خوشی سے خالی ہو جائے، وہ چین اور سکون سے محروم ہو جائے اور اسے زندگی میں ایک تپش، ڈپریشن اور ٹینشن کا احساس ہو تو اسے چاہئے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے۔ وہ کثرت سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے"۔

میں خاموش رہا وہ بولے "یہ سکون کا ایک نسخہ ہے، سکون کا دوسرا نسخہ معافی ہے، ہم لوگ دن میں اوسطاً سو سے تین سو تک غلطیاں کرتے ہیں اگر ہم ہر غلطی پر معذرت کو اپنی روٹین بنالیں، ہم نے جلد بازی، بے پروائی، نفرت، غصے، تکبر اور ہٹ دھرمی میں جس شخص کا حق مارا، ہم نے جس کو نقصان پہنچایا اور ہم نے جس کو ڈسٹرب کیا ہم اگر فوراً اس شخص سے معافی مانگ لیں تو بھی ہماری زندگی میں سکون، آرام اور خوشی آسکتی ہے۔ ہمیں معافی مانگنے میں کبھی کوتاہی نہیں برتنی چاہئے کیونکہ معافی وہ چٹان ہے جس کے نیچے سکون، خوشی اور خوشحالی کے چشمے چھپے ہیں اور جب تک ہم یہ چٹان نہیں سرکائیں گے، ہم خوشی، خوشحالی اور سکون کا ٹھنڈا پانی نہیں پی سکیں گے"۔

وہ رکے اور دوبارہ بولے "یاد رکھو! دنیا میں صرف اور صرف شیطان توبہ اور معافی سے دور رہتا ہے جبکہ اللہ کے بندے ان دونوں چیزوں کو اپنی روٹین بنالیتے ہیں۔ ہٹ دھرمی، تکبر، ظلم، ضد، نفرت اور غصہ شیطان کی خامیاں ہیں اور جن لوگوں کی ذات میں یہ ساری خامیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تم کبھی ان کے منہ سے توبہ اور معافی کا لفظ نہیں سنو گے۔ چنانچہ تم کبھی ان لوگوں کو پرسکون، خوش اور خوشحال نہیں پاؤ گے، یہ دولت مند ہو سکتے ہیں لیکن یہ دولت انہیں خوشی اور سکون فراہم نہیں کرتی، تم ان لوگوں کا انجام بھی اچھا ہوتا نہیں دیکھو گے جبکہ معافی اور توبہ کرنے والے لوگوں میں تمہیں غصہ، نفرت، ضد، ظلم، تکبر اور ہٹ دھرمی نہیں ملے گی اور تمہیں یہ لوگ کبھی پریشان، ڈپریشن اور ٹینشن میں نہیں ملیں گے۔ چنانچہ ہر لمحہ لوگوں سے معافی مانگتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہو، تمہاری زندگی سے کبھی سکون، خوشی اور خوشحالی کم نہیں ہوگی" وہ خاموش ہوگئے، میں نے ان کے گھٹنے چھوئے، انہوں نے میرا ماتھا چوما اور باہر آگیا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ آخر اس پاکستان نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم اس کو معاف کرنے کو تیار ہی نہیں۔ ہر لیڈر اپنا ایجنڈہ لیکر قوم کو کامیابی کی نوید سنا رہا

ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اقتدار کا ہما اس کے سر پر بیٹھے، تمام اختیارات کا اس کو مالک بنا دیا جائے۔ عجیب صورتحال سے قوم دوچار ہے۔ بجلی گیس پانی کی قلت نے پہلے ہی قوم کو پریشان کر رکھا تھا لیکن عالمی مارکیٹ میں پٹرول سستا ہونے کے بعد ہمارے ملک سے پٹرول کو غائب کر دیا گیا ہے ۔ حکمرانوں نے شائد سوچ رکھا ہے کہ قوم کو سکھ کا سانس نہیں آنا چاہئے۔

آیئے ! اپنے آج کا آغاز اپنے ان تمام اعزا و اقرباء، اپنے تمام دوستوں سے معافی مانگنے سے شروع کریں اور میں آپ سب کو گواہ بنا کر یہ کام سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع کرتا ہوں۔

بروز سوموار ۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ ۱۹ جنوری ۲۰۱۵ء

سرخ ریچھ نئے شکار کی تلاش میں

سامراج کا رنگ سرخ، سفید یا کوئی سا بھی ہو، مسلمانوں کے درپے آزار ہی رہا ہے۔ اس کے غیظ و غضب کا شکار زیادہ تر مسلمان ہی رہتے ہیں چاہے مسلمانوں کا تعلق کسی بھی خطے سے ہو۔ بحر اسود کے ساحل پر واقع جزیرہ نما کریمیا اپنی خوبصورتی میں یکتائے روزگار سواحل میں شمار ہوتا ہے۔

موجودہ یوکرائن کی حدود میں شامل یہ ریاست تاریخی اعتبار سے ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہی ہے۔ سابق سوویت یونین میں دو طرح کے تاتار مسلمان آباد ہیں۔ ان میں کریمیا کے تاتار اور قازان کے تاتار مسلمان دو مختلف علاقوں میں آباد رہے ہیں۔ کریمیا کے تاتاروں کو کریمیا سے نکال دیا گیا اور انہیں سابق سوویت یونین کی مختلف ریاستوں میں جبراً ہجرت پر مجبور کیا گیا۔

تاریخی اعتبار سے کریمیا کے تاتاروں نے نہ صرف یوکرائن اور روس کے وسیع علاقے پر حکومت کی ہے بلکہ پولینڈ کا ایک بڑا علاقہ بھی کریمیا کی سلطنت کا حصہ رہا ہے۔ یہاں کے تاتاروں نے ماسکو پر بھی کئی مرتبہ چڑھائی کی جس وجہ سے روسی بادشاہ ماسکو چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ ۱۴۷۵ء میں کریمیا خلافت عثمانیہ میں شامل ہو گیا اور ماسکو کے بادشاہ کو کریمیا کے تاتاروں نے ہفتہ وار مسجد میں آنے اور انتظامات دیکھنے کا پابند بنایا۔ خلافت عثمانیہ کے کمزور ہوتے ہی روسی حکمرانوں نے کریمیا کے مسلمانوں کو زیر اثر لانے کی کوشش کی اور بالآخر ۱۷۸۳ء میں کریمیا پر روسیوں نے قبضہ کر لیا۔ اس دوران یہاں شدید جھڑپیں ہوئیں اور کریمیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ترکی منتقل ہو گئی۔ سوویت یونین کے کمزور پڑتے ہی کریمیا کے مسلمانوں نے واپس کریمیا کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ روسی آبادی نے بھرپور مخالفت کی اور بہت سے تاتاریوں کو واپس اپنے علاقوں میں آنے سے روکے رکھا تاہم مسلمانوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور سوویت یونین کے ٹوٹتے ہی تاتاری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کریمیا پہنچ گئی۔ اب کریمیا میں ۷۰٪ سے زائد مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ موجودہ روسی قبضے نے مقامی تاتاری آبادی کو مضطرب کر رکھا ہے، ان کی مساجد نذرِ آتش کی جا رہی ہیں اور کہیں مساجد پر تالے ڈال دیئے گئے ہیں۔ اسکولوں کے دروازے بھی بند کر دیئے گئے ہیں اور گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے، خواتین اور بوڑھے مردوں سے انتہائی بدتمیزی کی جا رہی ہے۔ مسلمان لیڈروں کو پکڑا جا رہا ہے، مسلمانوں کی مذہبی سرگرمیوں اور مذہبی مواد پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔ مسلمان نوجوانوں کو اغواء کرنے کے بعد ان کی لاشیں مختلف ویرانوں سے ملی ہیں۔ میڈیا پر خوفناک تسلط ہے اور ہر داڑھی والا شک اور تشدد کے دائرے میں ہے۔

یہ ہیں موجودہ کریمیا کے حالات جہاں مسلمانوں کیلئے ان کی اپنی ہی زمین تنگ اور جہنم بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ روس کے ساتھ ضم ہونے کے بعد کریمیا میں مسلمانوں پر عتاب کا سبب یہ ہے کہ کریمیا کی روس کی آغوش میں واپسی کی مخالفت کیوں کی جا رہی ہے۔ اب مسلمان یوکرائن سے علیحدگی کی قیمت چکا رہا ہے جو یوکرائن کی آزادی کے بعد سے پھل پھول رہے تھے مگر اب کریمیا پر روسی پرچم لہرانے کے بعد دوبارہ عتاب کا شکار ہیں۔ روس کی خفیہ پولیس مساجد کی نگرانی کر رہی ہے، مذہبی رہنماؤں سے بار بار متشدد لہجے میں پوچھ گچھ جاری رہتی ہے، مساجد میں نمازیوں کی صفوں میں شدت پسندوں کو تلاش کیا جا رہا ہے، مسلمانوں کے جلسے اور جلوسوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ دراصل کریمیا میں روسی نژاد برادری کے سواسب نے روس کے ساتھ ضم ہونے کی مخالفت کی تھی جن میں تاتار مسلمان بھی شامل تھے اس لئے آج ان کا میڈیا بھی پابندی کا شکار ہے۔ انسانی حقوق کی زبردست اعلانیہ خلاف ورزیاں کی جا رہی ہیں مگر انسانی اور بنیادی حقوق کے ٹھیکیدار بڑے اور چھوٹے ممالک اور ان کی بغل بچہ سماجی تنظیمیں اور دیگر تمام این جی اوز مکمل خاموش ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں داعش کی سرگرمیوں سے لیکر امریکا میں نسل

پرستی ایسے معاملات تو گہری اور فوری توجہ کے مستحق قرار پارہے ہیں مگر کریمیا کے مسلمانوں پر ظلم وستم پر کوئی نہیں بول رہا ہے اور نہ ہی توجہ دے رہا ہے۔

کریمیا کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ تلاشی کیلئے روسی خفیہ ایجنسی کے ایجنٹ اور پولیس دروازے توڑ کر مکانات کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ مسلمان مردوں کو ان کے بیوی بچوں کے سامنے ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ ایک عربی نیوز چینل نے کریمیا کے متعدد مسلمانوں سے بات کی مگر بیشتر لوگوں نے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں روسی حکومت کی جانب سے ہراساں کئے جانے کا خطرہ ہے۔ ایک مسلم نوجوان نے کہا کہ روسی اس طرح خیر مقدم کرتے ہیں، دروازے توڑ کر اندر گھس آتے ہیں اور غیر انسانی طور پر گھر اور اس کے باسیوں کو پامال اور تاراج کرتے ہیں، تلاشی کی باقاعدہ اجازت ہوتی ہے نہ کوئی اختیار۔ توجہ دلائی جاتی ہے کہ تو بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ روسی پولیس اسلحہ، منشیات اور ممنوعہ لٹریچر کی تلاش کے نام پر توڑ پھوڑ کرتی ہے۔ اس میں پولیس کے ساتھ کے جی بی کی جانشین این ایس بی کے ایجنٹ بھی شامل ہوتے ہیں۔

ماہ نومبر میں ہیومن رائٹس واچ نے جو رپورٹ جاری کی اس کے مطابق سینکڑوں مسلمان کریمیا چھوڑ چکے ہیں، کوئی یوکرائن چلا گیا تو کسی نے ترکی میں جا کر پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی ، یہاں تک کہ انقرہ حکومت نے کہا ہے کہ کریمیا کے جو بھی پناہ گزیں آئیں گے انہیں قبول کیا جائے گا کیونکہ کریمیا کے تاتار لوگوں کا ترکی کے ساتھ لسانی رشتہ ہے۔ بہر حال اب تک ایسے تاتار مسلمانوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں ہے جو کریمیا سے جان بچا کر بھاگے ہیں۔

تازہ ترین احوال شاہد ہیں کہ اب کریمیا میں تاتار مسلمانوں کے ساتھ سرکاری زیادتیوں، مظالم اور اذیت رسانی نے ۱۹۴۴ء کے دور کی یاد تازہ کر دی ہے جب دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جرمن نازیوں کے ساتھ ساز باز کرنے کا الزام عائد کیا گیا تھا اور قریباً دو لاکھ تاتار مسلمان مشرقی ایشیا کا رخ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، ان میں سے ایک لاکھ افراد تو مشکلات اور خوراک کی قلت کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے جبکہ باقیوں نے دوبارہ ملک میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، ان کو ۲۰ سال کی سزا دی گئی تھی۔ کئی دہائیوں تک تاتار مسلمانوں کو غدار کہا گیا اور ۱۹۸۰ء کے بعد ہی تاتار مسلمانوں کو کریمیا واپس آنے کی اجازت ملی تھی مگر تاتار مسلمانوں کو مکانوں اور جائیداد واملاک کیلئے کوئی ہرجانہ یا معاوضہ ادا نہیں کیا گیا۔ کریمیا کے مسلمان ہر سال ۱۸ مئی کو اس المیے کی برسی مناتے تھے مگر اس مرتبہ کریمیا نے اس کی اجازت نہیں دی۔ روسی پولیس کا دعویٰ ہے کہ چھاپوں اور تلاشی کے دوران ممنوعہ مواد ملا ہے جو تاتار مسلمانوں کے شدت پسندوں سے رابطہ ہونے کا ثبوت ہیں مگر صلاح الدین تاتار کا کہنا ہے کہ اگر حزبِ التحریر کا لٹریچر یا کتابیں ملی بھی ہیں تو اس تنظیم کے حامی ہیں جو خطے میں خلافت نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ایک صاف اور سچے انسان صلاح الدین کا کہنا ہے کہ وہ حزبِ التحریر کا حصہ نہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تنظیم کے ارکان نے ہی اسے نماز روزے کا پابند بنایا ہے۔ جب تک کریمیا یوکرائن کا حصہ تھا تنظیم اور اس کے رضاکاروں کو کوئی مشکل نہیں تھی کیونکہ یوکرائن میں مذہبی آزادی کے سبب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ تنظیم مشرقِ وسطیٰ کے تئیں مغربی پالیسیوں کے خلاف مظاہروں کا اہتمام کرتی تھی اور تہواروں پر پروگرام منعقد کرتی تھی۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ روس نواز مسلمان اور ادارے تاتار مسلمانوں کیلئے خلاف اس کاروائی کی حمائت کرتے ہیں۔ کریمیا میں ۱۹۷۸ء سے قبل یہ خطہ منگول حکومت اور دورِ عثمانیہ کا حصہ تھا اس کے بعد روس نے قبضہ کر لیا تھا۔ روس نے حزبِ التحریر کو جہاد کا نشہ قرار دیا تھا اور روس کا الزام ہے کہ اس تنظیم نے متعدد تاتار باشندوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان میں متعدد تاتار اب شام میں بشار الاسد حکومت کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں جنہیں اب بھی روس کی حمائت حاصل ہے۔ شام میں کریمیا کے متعدد نوجوانوں کی ہلاک ہونے کی اطلاع ہے۔ یوکرائن کے ایک

پولیس افسر کی مظاہرے کے دوران میں ہلاکت کے معاملے میں ملوث ایک کریمیائی مسلمان کے مکان پر جب پولیس نے چھاپہ مارا تو پہاڑ پر بنے ہوئے خوبصورت مکان کا محاصرہ کرنے کے بعد اس سے منشیات ، ہتھیاروں اور قابل اعتراض یا ممنوعہ مواد کے بارے میں سوال وجواب کئے۔اس وقت ۵۴ سالہ صلاح الدین اپنی گائے کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔پولیس نے اس کی رہائش گاہ میں پانچ گھنٹے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا، سی ڈیز کو چیک کیا اور سینکروں اسلامی کتابوں کو ممنوعہ قرار دیکر ضبط کر لیا، اس کے بعد تاریخ اور قانون کی کتابیں بھی ضبط کر لی گئیں۔ صلاح الدین نے بتایا کہ پولیس بچوں کا قاعدہ بھی لے گئی۔ ۵۴ سالہ مذہبی شخص صلاح الدین ہر روز صبح اپنی ایک درجن گائیں لیکر ایک قدیم مسجد کے عقب میں جاتا تھا جہاں ہر جمعہ کی نماز کی بھی امامت بھی کراتا ہے۔ترک زبان بولنے والے تاتار صدیوں سے کریمیا میں آباد ہیں جنہوں نے کریمیا کے روس کے ساتھ ضم ہونے کی مخالفت کی تھی اور روسی پیش قدمی کو روکنے کیلئے گشتی دستے بنائے تھے۔تاتار باشندوں نے اپنے سمارٹ فون کا وائی فائی کی شکل میں استعمال کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ کریمیا کے دوبارہ روس کی آغوش میں جانے کے بعد اب روسی حکومت نے تاتار مسلمانوں کے رہنماؤں کو جلاوطنی پر مجبور کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔تاتار مسلمانوں کے میڈیا ہاؤس بند کر دیئے گئے ہیں جبکہ تاتار مسلمانوں کے اجتماع اور مجالس پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔بہر حال حالات بد سے بدتر ہونے کے باوجود کریمیا کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ سلسلہ طول پکڑے گا اور مظالم کی انتہا اب زیادہ دور نہیں۔تاتار مسلمانوں کا کہنا ہے کہ کریمیا کے یوکرائن سے الگ ہونے کے بعد سے حزب التحریر کے سات رضاکاروں کو روسی ایجنٹس نے اغواء کیا ہے اور اب شدید خوف کا ماحول ہے۔

روس اس سے پہلے چیچنیا میں جہاد کا سامنا کر چکا ہے جہاں بیس سال تک جہاد نے اس کو یورپ کا سب سے نازک مسلح جہاد بنا دیا تھا۔۱۹۹۴ء کے بعد علیحدگی پسندوں کے ساتھ چیچنیا میں دو بڑی جنگوں میں ہزاروں افراد مارے گئے۔اب داغستان اور دیگر علاقوں میں جہادیوں، بدعنوان انتظامیہ اور قبائل گروپوں کے درمیان ٹکراؤ جاری ہے۔شدت پسندی کے خلاف دستِ آہن کے نام پر اب کریمیائی مسلمانوں کو بدترین صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔۲۰۱۰ء میں روسی خفیہ ایجنسی نے چار چیچنائی بچوں کو جنگل میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور کہا تھا کہ شدت پسندی کے خلاف یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔اب کریمیا کے مسلمان رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اگر روس نے چیچنیا کی طرز پر کاروائی شروع کی تو حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں اور کریمیا میں شدت پسندی کو ہوا مل سکتی ہے۔دوسری جانب روس کا دعویٰ ہے کہ جہادی گروپ دراصل یوکرائن کی دین ہیں جو کریمیا کے تاتار مسلمانوں کیلئے مسئلہ ہیں اور دونوں سے نقصان اس کا ہو رہا ہے۔روس میں یہ پروپیگنڈہ چل رہا تھا کہ شام میں جہاد کرنے والے چار ہزار تاتار مسلمان اب لوٹ آئے ہیں اور کریمیا کے باقاعدہ روس کے ساتھ انضمام سے قبل خون کی ندیاں بہا دیں گے۔

دراصل روس نے ہمیشہ یہی کیا ہے کہ پہلے شدت پسندی کے بھیڑیے کی آمد کا شور مچایا اور پھر دست آہن استعمال کیا۔نسلی اقلیتوں کو ملک بدر کیا۔کریمیا کے تاتار مسلمانوں کو اب اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جیسا کہ سٹالن کے دور میں کرنا پڑا تھا۔جنوری میں کریمیا کے روس کے ساتھ ضم ہونے کے بعد بہت ممکن ہے کہ کریمیا جہاد کا نیا میدان بن جائے کیونکہ روس کی کوشش رہے گی کہ تاتار مسلمانوں کو کچل دیا جائے۔مذہبی آزادی

کو ختم کر کے انہیں سرکاری مسلمان بنایا جائے مگر اس وقت کریمیائی مسلمانوں کے شام میں جہاد کی خبروں کے سبب ایسا نہیں لگتا ہے کہ کریمیا میں روس کے دست آہن سے اسلامی تحریک یا مسلمانوں کے کردار کو کچلا جاسکے گا، اتنا ضرور ہے کہ چیچنیا کی طرز پر کریمیا کے مسلمانوں کو ایک بڑی لڑائی لڑنا پڑے جس کیلئے وہ تیار ہیں۔

کریمیا کے مسلمانوں کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ترکی نے ان سے منہ موڑ لیا ہے جبکہ ماضی میں ترکی نے ہمیشہ خود کو تاتار مسلمانوں کا محافظ قرار دیا تھا مگر اب روس کے ساتھ بڑھتے ہوئے تجارتی رشتوں ترکی نے کریمیا کے تاتار باشندوں کی حالت پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ پچھلے دنوں ترکی کے وزیر خارجہ نے یہ اعلان کر کے تاتار باشندوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کی تھی کہ ایک غیر سرکاری وفد بھیج کر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی جانچ پڑتال کروائے گا اس کے بعد تاتار باشندوں میں یہ امید پیدا ہوئی کہ ترکی کوئی سخت اقدام کرے گا۔ تاتار باشندے ابھی ۱۹۴۴ء کا اسٹالن دور نہیں بھول سکے ہیں جب لاکھوں کریمیائی تاتار ملک بدر کر دیئے گئے تھے۔ کریمیائی تاتار کہہ رہے ہیں کہ ترکی کی اس پہل کے باوجود انہیں سخت مایوسی ہوئی ہے۔

کل تک جو ترکی کریمیائی تاتار کے حق میں آواز بلند کرنے میں ایک پل ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا اب روس کے ساتھ ایکسپورٹ اور امپورٹ کے سبب خاموش ہے کیونکہ ترکی اپنے تجارتی رشتے خراب کرنے کے حق میں نہیں۔ ایک جانب مغرب نے کریمیا پر روس کے شکنجے کے خلاف پابندیوں کو سخت کیا ہے تو ترکی نے مختلف میدانوں میں روس کے ساتھ بڑے تجارتی معاہدے کئے ہیں۔ جب اگست میں روس نے مغربی اشیاء کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا تو ترکی نے اس کو حسین موقع قرار دیا تھا۔ بہر حال کریمیائی تاتار کے اس بحران کو روسی تجزیہ کار بھی ایک اور غلطی مان رہے ہیں جیسے سابق سوویت یونین نے افغانستان میں کیا تھا، اب وہی روس کر رہا ہے جس کی قیمت ایک اور چیچنیا کی شکل میں ادا کرنا پڑ سکتی ہے۔

بروز جمعرات ۲ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۲ جنوری ۲۰۱۵ء

''ڈومور''

جب سے افغان صدر اشرف غنی نے پاکستان کی دوستی کا ہاتھ تھاما ہے اور ایران کے ساتھ معاملات خوشگوار ہونے لگے ہیں تب سے بھارت سرکار میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے اور جس کے جواب میں نریندر مودی سرکار بلوچستان میں قومی ایکشن پلان ناکام بنانے کی سر توڑ کوششیں کر رہی ہے تاکہ ضربِ عضب آپریشن سے عسکری قوتوں کا دھیان ہٹایا جائے۔ جس کیلئے ورکنگ باؤنڈری پر بلا اشتعال فائرنگ کر کے نیا محاذ گرم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت صوبے کے مختلف حصوں میں سیکورٹی فورسز دہشتگردوں کے خلاف بلا امتیاز بھرپور آپریشن کر رہی ہے۔ اب تک درجنوں دہشتگردوں کو گرفتار اور بڑی تعداد میں اسلحہ و گولہ بارود برآمد کیا جا چکا ہے جبکہ متعدد دہشتگرد مقابلے میں مارے بھی گئے ہیں۔ تاہم دوسری جانب صوبے میں سرگرم علیحدگی پسندوں اور دیگر دہشتگرد تنظیموں کو "را" کی جانب سے ہدائت کی گئی ہے کہ وہ اپنی کاروائیاں تیز کریں جبکہ ان تنظیموں کی مالی امداد اور لاجسٹک سپورٹ بڑھا دی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق یہ منصوبہ افغانستان میں "را" اور افغان انٹیلی جنس این ڈی ایس نے مل کر بنایا ہے تاکہ بلوچستان میں افراتفری بڑھا کر ضربِ عضب کو متاثر کیا جاسکے۔ سیکورٹی ذرائع کے مطابق اس طرح کی کوشش بھی کی جا رہی ہے جبکہ سرحد پر بھارت کی بلا اشتعال فائرنگ اور گولہ باری بھی اسی منصوبے کی کڑی ہے۔

گزشتہ دنوں بلوچستان کے ضلع لورالائی میں قریباً ۴۰ دہشتگردوں نے ایک سیکورٹی چیک پوسٹ کو نشانہ بنایا جس میں ایف سی کے سات اہلکار شہید ہو گئے۔ شہید ہونے والوں میں ایک صوبیدار، ایک حوالدار اور پانچ سپاہی شامل ہیں جن کے جسدِ خاکی اور زخمیوں کو ایف سی ہیڈ کوارٹر اسپتال منتقل کیا گیا اور بعد ازاں شہداء کی آبائی علاقوں میں پورے اعزاز کے ساتھ تدفین عمل میں لائی گئی۔ وقوعہ کے بعد علاقے میں دہشتگردوں کی تلاش میں آپریشن شروع کیا گیا جس مین ہیلی کاپٹروں اور جاسوس کتوں سے بھی مدد لی گئی۔ یہ حملہ علاقے میں متعدد دہشتگردوں کی گرفتاریوں کے تقریباً ایک ہفتے بعد کیا گیا۔ اگرچہ فوری طور پر کسی تنظیم نے اس حملے کی ذمہ داری قبول نہیں کی تھی تاہم ذرائع کے بقول لورالائی میں لشکر جھنگوی اور ٹی ٹی پی سے منسلک بعض تنظیموں کے علاوہ علیحدگی پسند دہشتگرد تنظیم بلوچستان لبریشن آرمی جس کا سربراہ ہربیار مری ہے اور اس کے بھائی کی تنظیم یونائیٹڈ بلوچستان آرمی خاصی سرگرم ہیں۔

سیکورٹی ذرائع کا کہنا ہے کہ حملے کے انداز بلوچ علیحدگی پسند دہشتگردوں سے ملتا جلتا ہے تاہم واقعے کی تحقیقات ہر پہلو سے کی جا رہی ہے۔ یہ حملہ نئے برس کے ابتدائی بارہ دنوں میں دہشتگردی کی تیسری کاروائی ہے۔ قبل ازیں یکم جنوری کی صبح سبی میں دہشتگردوں نے سڑک کے کنارے نصب بارودی مواد ریموٹ کنٹرول سے اڑا دیا تھا جس کی زد میں وہاں گزرنے والی ایف سی کی ایک گاڑی آئی تھی جس میں ایک اہلکار لقمان شہید اور دیگر ۳ اہلکار زخمی ہو گئے تھے، اسی طرح تین جنوری کو گوادر میں بلوچ علیحدگی پسند دہشتگردوں نے ایف سی کے ایک کانوائے پر حملہ کیا تھا اور اس حملہ میں تین اہلکار شہید اور چار زخمی ہوئے تھے۔

سیکورٹی ذرائع کے مطابق بلوچستان میں ہونے والی دہشتگردی میں "را" اور افغان انٹیلی جنس "این ڈی ایس" کے ملوث ہونے کے ٹھوس شواہد پاکستان کے پاس موجود ہیں اور یہ ثبوت پہلی بار ۲۰۰۷ء میں مشرف کے دورِ حکومت کے دوران افغان صدر حامد کرزئی کو دکھائے گئے تھے۔ ان شواہد میں ویڈیوز، دستاویزات اور ایڈریس شامل تھے۔ اس دور میں "را" اور "این ڈی ایس" نے بلوچستان میں ۶۲ فراری کیمپ بنوائے تھے جنہیں پاکستان کی سیکورٹی فورسز نے بالکل تباہ کر دیا تاہم ۲۰۰۸ء میں ۶۰ فراری کیمپ دوبارہ دہشتگردوں نے کھول لئے۔ یہ وہ موقع تھا جب دباؤ ڈال کر

پاک فوج کو صوبے سے واپس جانے کا کہہ کر ایف سی کو ڈیوٹی سونپی گئی تھی اور خاران سمیت دیگر ایک مقام پر چھاؤنیاں نہیں بننے دی گئیں اور اس کی جگہ ایجوکیشنل سٹی بنائے گئے۔

سیکورٹی ذرائع کے بقول بھارت کو اس وقت سب سے زیادہ تکلیف ضربِ عضب سے ہو رہی ہے اور اس کی پوری کوشش ہے کہ کسی طرح اس آپریشن کو متاثر کیا جا سکے۔ اسی مقصد کے حصول کیلئے بھارت نے لائن آف کنٹرول کو گرم کیا، پھر ورکنگ باؤنڈری پر جارحیت کی۔ ورکنگ باؤنڈری پر اس شدت کی جارحیت پہلے کبھی نہیں کی گئی۔ مقصد یہی تھا کہ فوج کو اس میں الجھا کر ضربِ عضب پر سے توجہ ہٹائی جا سکے۔ بلوچستان میں دہشتگردی کی کاروائیوں میں حالیہ اضافہ بھی بھارت کی اسی منصوبہ بندی کا ایک حصہ ہے۔ سیکورٹی ذرائع کے بقول سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد سب سے پہلے بلوچستان کو ہی عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت اس ساری منصوبہ بندی میں سوویت یونین کی "کے جی بی" افغانستان کی "خاد" اور بھارتی "را" ملوث تھیں۔ بعد ازاں "را" نے ۸۰ کی دہائی میں کراچی میں پڑاؤ ڈالا جہاں اس کا نیٹ ورک کافی مضبوط ہو چکا ہے۔

ذرائع کے مطابق بلوچستان میں ۱۴ کالعدم تنظیمیں سرگرم ہیں۔ ان میں بلوچستان ری پبلکن آرمی، بلوچستان لبریشن آرمی، بلوچستان لبریشن فرنٹ، آرمی لشکر بلوچستان، بلوچستان وجہ لبریشن آرمی، بلوچستان یونائیٹڈ آرمی، بلوچستان ری پبلکن پارٹی ('زاد)، بلوچستان نیشنل لبریشن آرمی، بلوچستان بنیاد پرست آرمی، تحریک نفاذ امن لشکر جھنگوی، جیش اسلام، تحفظ حدود اللہ اور اسلام مجاہدین شامل ہیں۔

دوسری طرف بھارت نہ صرف افغانستان سے پاکستان میں دہشتگردی کی کاروائیوں میں ملوث ہے بلکہ پاکستان اور ایران کی مشترکہ سرحد پر بھی بلیک واٹر کے ایجنٹوں کے توسط سے ایرانی سیکورٹی فورسز پر مبینہ حملوں سے پاک ایران تعلقات میں کشیدگی پیدا کرنے میں دن رات مصروف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے چند مہینوں میں کئی ناخوشگوار ایسے واقعات رونما ہوئے جس کی بناء پر دونوں جانب اشتعال پیدا کرنے کی زبردست کوششیں کی گئیں لیکن عسکری قیادت نے ان معاملات پر نہ صرف صبر کا مظاہرہ کیا بلکہ ان سازشوں کا بھی بھانڈہ پھوڑا، بالآخر پاکستان کی سرحد سے متصل ایران کے علاقے سیستان بلوچستان کے گورنر علی اوساط ہاشمی ایک اعلی سطحی وفد کے ہمراہ دو روزہ دورے پر کوئٹہ آئے جہاں انہوں نے اعلیٰ سویلین اور فوجی حکام سے ملاقاتیں کیں۔ بعد ازاں وزیر اعلی بلوچستان ڈاکٹر مالک بلوچ کے ہمراہ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ ایران اور پاکستان کی سرحد پر کوئی کشیدگی نہیں ہے تاہم بعض شر پسند سیکورٹی فورسز پر حملے کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ پاکستان اور ایران کے سرحدی علاقوں میں امن وامان کا کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دونوں ممالک کو ایک دوسرے سے نہ کوئی خطرہ ہے اور نہ آئندہ رہے گا لیکن سرحد پر کچھ عناصر ہیں جو شرارت کرتے ہیں۔

بھارت اور اس کے اتحادی اب اس بدحواسی کے عالم میں نچلے بیٹھنے والے نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک نئی سازش کے تحت پاکستانی طالبان کے بعض منحرف گروہوں کو داعش کے ساتھ منسلک کر کے افراتفری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی جس کیلئے ان گروہوں نے باقاعدہ داعش کے سربراہ کی بیعت کرنے کا اعلان بھی کیا ہے ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن کی طرف سے ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ایسی

اسٹرٹیجی تیار کی جائے جو بروقت نہ صرف پیشگی مقابلہ کر کے اس کو ناکام بنائے بلکہ دنیا بھر میں اس کی تشہیر بھی کی جائے، اس کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم ان تجربہ کار افراد سے فوری رابطہ کریں جو افغانستان اور ایران کے حوالے سے نہ صرف انتہائی اہم معلومات کا خزینہ اور عسکری تجربہ رکھتے ہیں بلکہ ان دونوں ممالک میں ان کا حد درجہ احترام بھی ہے۔ اس حوالے سے جنرل راحیل شریف کا دورۂ برطانیہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے جہاں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں نہ صرف ان خطرات سے آگاہ کیا بلکہ برطانیہ اور یورپ میں بیٹھ کر پاکستان کی سرزمین کے خلاف دہشتگرد کاروائیوں میں مصروف افراد اور ان کے سرپرستوں کے بارے میں ٹھوس شواہد بھی فراہم کئے۔ امریکا اور مغربی ممالک جو پچھلی ایک دہائی سے زائد پاکستان سے "ڈوموڑ" کی رٹ لگائے ہوئے تھے، عسکری قیادت نے دوٹوک الفاظ میں ان سے "ڈومور" کا مطالبہ کیا ہے۔

بروز جمعۃ المبارک ۳ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۳ جنوری ۲۰۱۵ء

صرف مطالبوں سے بات نہیں بنے گی

بالآخر تلخ حقائق نے اب سرتاج عزیز کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ بھارت پاکستانی طالبان کے ذریعے افغان سرزمین سے پاکستان بھر میں دہشتگردی کا مرتکب ہو رہا ہے اور ملک بھر میں ہونے والی دہشتگردی کے تمام سوتے افغانستان سے پھوٹتے ہیں جہاں بھارتی قونصل خانے "را" کے خفیہ مراکز کی حیثیت سے دہشتگردوں کی آبیاری کر رہے ہیں حالانکہ موصوف تو پشاور سانحے سے بھارت کو بالکل بری الذمہ قرار دینے کا بیان بھی صادر کر چکے ہیں۔اب ان کو ہوش آیا ہے کہ اس دہشتگردی کو فروغ دینے کیلئے بھارتی "را" نہ صرف دولت کے ڈھیر لٹا رہی ہے بلکہ گرانقدر املاک، اسلحہ اور تربیت سے بھی لیس کرنے کا عمل جاری ہے۔اس عمل میں گو کہ افغان انٹیلی جنس "این ڈی ایس" بھی کوئی کم متحرک نہیں مگر "را" کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی کہ پاکستان دشمنی میں بھارتی را اور اس کے سرپرست تمام حدیں پار کر چکے ہیں۔

اس مکار تنظیم کا پاکستان دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت کا عملاً تمام ایجنسیوں کا سربراہ اجیت ڈوول (ڈیول) پاکستان کے خلاف ادھار کھائے بیٹھا ہے اور دہشتگردی کی سرپرستی اور بھرتی کیلئے شام، عراق تک کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔دوسری جانب اس کی ٹانگیں بھی کانپ رہی ہیں کہ افغانستان سے فارغ ہو کر یہ جہادی کہاں کا رخ کریں گے کیونکہ قریب تر راستہ تو یقیناً کشمیر کا ہی رہ جاتا ہے جہاں نریندر مودی نے آگ لگا رکھی ہے اور وہاں کے مسلمان سر سے کفن باندھے کسی مسیحا کے منتظر ہیں۔ایک تاثر یہ بھی ہے کہ بھارت اور افغانستان کی مجال نہیں کہ امریکا کی سرپرستی کے بغیر کوئی قدم اٹھا سکیں۔اس گمبھیر صورتحال میں مولوی فضل اللہ کی پاکستان کو حوالگی، افغانستان سے بھارت کی پاکستان مخالف سرگرمیوں اور مستقبل کے سیکورٹی خدشات کے تناظر میں پاکستان کے کردار کے حوالے سے پاکستان، افغانستان اور امریکا کے درمیان بات چیت کا سلسلہ تیز ہو گیا ہے۔ قبل ازیں پاکستان کے ایک جرگے نے بھی کابل کا دورہ کر کے افغان صدر سے بات کی تھی۔اس پاکستانی سیاسی وفد نے سابق صدر حامد کرزئی کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

گزشتہ دنوں ایک مرتبہ پھر پاکستان سے سیاسی اہم شخصیات افراسیاب خٹک، محمود خان اچکزئی اور آفتاب شیر پاؤ سمیت دیگر ہم قبائلی رہنماؤں کا ایک جرگہ اشرف غنی سے ملنے کیلئے کابل گیا تھا جہاں ایک ملاقات میں حامد کرزئی بھی موجود تھے۔پاکستان کے اس سیاسی جرگے نے افغان قیادت سے دوٹوک مطالبہ کیا کہ وہ مطلوبہ دہشتگردوں کو پاکستان کے حوالے کرے۔اس موقع پر حامد کرزئی کے اثرورسوخ، بھارت کی مدد اور پاکستان کے خلاف وارداتوں کی پشت پناہی کا بھی ذکر آیا۔پاکستان کے پشتون سیاستدانوں نے اپنے افغان میزبانوں سے کھل کر بات کی اور انہیں پیغام دیا کہ حکومت پاکستان کی دوستی اور تعاون کی پیشکش کو کمزوری خیال نہ کیا جائے اور پاکستان کے دشمنوں کی سرپرستی ختم کی جائے۔افغان صدر اشرف غنی نے اس وفد کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور ساتھ ہی یہ تاثر بھی دیا کہ افغان فوج اور انتیلی جنس ان کے کنٹرول میں نہیں ہیں جس پر سیاسی وفد نے حامد کرزئی سے بھی کھل کر بات کی۔

اس ساری بات چیت کے تناظر میں آئی ایس آئی کے سربراہ نے فوری طور پر کابل کا دوسری مرتبہ دورہ کیا جس میں انہی امور پر سرکاری سطح پر توجہ دلائی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بات چیت کی گئی۔ بعض ذرائع کے مطابق آئی ایس آئی کے سربراہ کا یہ دورہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا جبکہ اندرون ملک مصروفیت کے باوجود انہوں نے محض ایک مہینے سے بھی کم مدت میں کابل کا یہ دوسرا دورہ کیا ہے۔اس دوران انہوں نے افغان صدر اشرف غنی سے افغان سرزمین کے پاکستان کے خلاف استعمال ہونے اور مولوی فضل اللہ کی حوالگی میں عدم سنجیدگی سمیت دہشتگردی سے منسلک تمام

معلومات پر بات کی جبکہ افغان صدر نے انہیں ایک مرتبہ پھر تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اپنے اس دورے میں انہوں نے افغان آرمی چیف جنرل رحیمی اور جنرل بسم اللہ سے بھی علیحدہ علیحدہ ملاقات کی جس میں انتہائی اہم امور پر توجہ دلا کر اس پر کاروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

دستیاب اطلاعات کے مطابق انہوں نے اپنے اس دورے میں جہاں انہوں نے مصدقہ انٹیلی جنس کی رپورٹس کی روشنی میں ٹی ٹی پی کے سربراہ مولوی فضل اللہ کی پاکستان حوالگی کا مطالبہ بھی کیا وہاں بھارتی انٹیلی جنس کی جانب سے افغان سرزمین کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے منصوبوں کو ایک بار پھر بے نقاب کیا اور اس سارے نیٹ ورک میں حامد کرزئی کے اثر ورسوخ اور کردار پر بھی کھل کر بات چیت ہوئی۔ چونکہ افغان انٹیلی جنس کی تنظیم نو بھارت نے کی ہے اور اس کا جھکاؤ بھارت کی جانب بہت زیادہ ہے بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ افغان انٹیلی جنس "را" کا ذیلی ادارہ بن چکا ہے لہٰذا انہوں نے افغان صدر اور افغان آرمی چیف سے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ جب تک افغانستان میں بھارتی اور امریکی دہشتگردی کے اڈے ختم نہیں ہو جاتے، نہ صرف یہ کہ پاکستان میں امن نہیں آسکتا بلکہ خطے کی سیکورٹی بھی غیر محفوظ اور غیر مستحکم رہے گی لہٰذا کسی تاخیر کے بغیر اس پر کنٹرول کرنا ہوگا۔ اس پر افغان صدر نے تعاون کا یقین دلایا اور جی ایچ کیو راولپنڈی میں ہونے والے اتفاق رائے کے تناظر میں اپنا کردار ادا کرنے کی حامی بھی بھری۔ اس اہم میٹنگ میں افغان حکام سے سرحدی سیکورٹی سے متعلق باہمی میکانزم بنانے کے حوالے سے بھی بات چیت کی گئی۔ پشاور سانحے پر عسکری قیادت کی انتھک محنت اور سنجیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پشاور کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ہدایت الرحمان نے ۱۸ جنوری ۲۰۱۵ء کو افغانستان کا دورہ کیا جہاں انہوں نے اپنے ہم منصب کے علاوہ افغان بارڈر ایساف کمانڈروں اور افغان بارڈر پولیس کے سربراہ سے ملاقات کی، اسی طرح ٹھیک تین دن بعد جنوبی کمانڈ کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ناصر خان جنجوعہ افغانستان پہنچ گئے جہاں انہوں نے بھی اپنے ہم منصب سے موجودہ حالات پر بات کی۔

پاکستان نے افغانستان اور امریکا پر واضح کر دیا ہے کہ افغانستان میں چھپے دہشتگرد ملا فضل اللہ اور اس کے دیگر ساتھی پاکستان کی اوّلین ترجیح بن چکی ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان، افغانستان اور امریکی فورسز کے درمیان معلومات کا تیز ترین رابطہ اور آپریشنل معلومات کا تبادلہ شروع ہو چکا ہے۔ دونوں اتحادیوں کو اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ پاکستان کے مطالبات مانے بغیر مستقبل میں پاکستان سے تعاون حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

ادھر میاں نواز شریف کی جانب سے جی ایچ کیو کا دورۂ نے عالمی برادری کو باور کرا دیا ہے کہ دہشتگردوں کی گردن ناپنے کے حوالے سے پاکستان کی سیاسی حکومت، تمام فورسز اور پوری قوم ایک ہی جذبے کے ساتھ پر عزم ہیں کہ ملک کو ان مکروہ دہشتگرد درندوں سے ہر قیمت پر نجات دلانی ہے۔ پشاور حملہ کے بعد فضل اللہ کی تلاش پاکستان کی اوّلین ترجیح بن چکی ہے، نہ صرف یہ کہ آرمی چیف نے اپنے ۱۷ دسمبر کے دورۂ کابل کے دوران میزبانوں پر واضح کر دیا تھا بلکہ امریکی اور افغان کمانڈروں کے دورۂ پاکستان کے دوران بھی ان پر واضح کر دیا گیا کہ فضل اللہ کو پناہ دینا پاکستان سے دشمنی کے مترادف ہوگا اور افغان حکومت اور امریکی فورسز نے پاکستان کے اس مطالبے کو انتہائی سنجیدگی سے لیا ہے اور کنڑ میں امریکی فورسز نے اس کے خلاف آپریشن بھی شروع کر دیا ہے جو کئی روز سے جاری ہے اور اس حوالے سے پاکستان کو بھی ساتھ ساتھ آگاہ کیا جارہا ہے اور پاکستان کی جانب سے معلومات کا تبادلہ بھی جاری ہے۔ ایک مغربی سفارتی ذریعے نے بتایا کہ سانحہ پشاور کے بعد ان تینوں فورسز میں مثالی نوعیت کا تعاون دیکھنے میں آرہا ہے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی مگر فضل اللہ کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ وہ زیر زمین جاچکا ہے۔ اس کے حوالے سے آخری اطلاعات ننگرہار کے گاؤں نازیان کے بعد کنڑ کی جانب جانے کی ملی تھیں، اس کے بعد کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ ایک مغربی سفارتی ذریعے کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ فضل اللہ مارا جاچکا ہے، حتمی تصدیق تک اعلان نہیں کیا جائے گا مگر مقامی سطح پر اس کی تصدیق کی بجائے تردید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے

کہ ایسی خبریں الجھانے کی خاطر پیش کی جارہی ہیں۔

ننگرہار اور کنڑ دونوں جگہ اس کی تلاش جاری ہے اور اسے بہت جلد ڈھونڈ نکالا جائے گا مگر اس کیلئے کوئی ٹائم فریم نہیں دیا جاسکتا۔ ایک ذریعے کے مطابق نہ صرف معلومات کا تبادلہ جاری ہے بلکہ افغان صدر پاکستان کو اجازت دے چکے ہیں کہ انہیں فضل اللہ کی موجودگی کا یقین ہو تو وہ از خود کاروائی کر سکتے ہیں۔ بھارتی اخبار ریڈف نے دعویٰ کیا ہے کہ افغان صدر نے پاکستان کو یہ اجازت حامد کرزئی کی پشت پناہی پر اشرف غنی کے خلاف متحرک لابیز کو پاکستان کی مدد سے بے اثر کرنے کی خاطر دی ہے۔ اس اخبار کے مطابق اشرف غنی پاکستان کا مطالبہ مانتے ہوئے افغانستان سے بھارتی اثر ختم کرنے کی خاطر اقدامات کر رہے ہیں مگر افغان انٹیلی جنس اور فوج میں حامد کرزئی کے حامی اور بھارتی انٹیلی جنس اور فوج کے تربیت یافتہ عناصر اب فضل اللہ کی مدد کر رہے ہیں اور ان کی معلومات کے بناء پر فضل اللہ نہ صرف ڈرون حملوں سے بچنے میں کامیاب ہوا بلکہ اسے آپریشن کی اطلاعات بھی مل رہی ہیں۔ یہ عناصر افغانستان سے بھارتی اثر رسوخ کے خاتمے سے خائف ہیں۔

اسلام آباد میں ایک دوسرے ذرائع نے بھی اس خدشے کی تصدیق کی ہے کہ افغان حکومت اور امریکی فورسز کی جانب سے پاکستان سے تعاون کے باوجود بھارتی پشت پناہی کے ساتھ بعض افغان عناصر ان لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ ان کا اصل مقصد فضل اللہ کی مدد کر کے پاک افغان حکومت کے بہتر ہوتے ہوئے تعلقات کو سبوتاژ کرنا ہے۔ اخبار ریڈوف کی ہی ایک رپورٹ کی اسلام آباد سے بھی تصدیق ہوئی ہے کہ افغان صدر نے افغان حکومت کے روگ عناصر کو کنٹرول کرنے کی خاطر پاکستان سے مدد مانگی ہے۔ اسلام آباد کے ایک ذریعے کا کہنا ہے کہ اشرف غنی بھارتی ایجنٹوں کی چالوں سے عاجز آچکے ہیں۔ دفتر خارجہ کے ایک ذریعے نے کہا ہے کہ پاکستان ہر حال میں فضل اللہ اور اس کے دیگر ساتھیوں اور ان کے تمام غیر ملکی سرپرستوں کے خلاف کاروائی چاہتا ہے اور پاکستان میں دہشتگردی کرنے والوں کے خلاف فوری کاروائی کی شدید خواہش رکھتا ہے مگر پاکستان کسی دوسرے ملک میں عدم مداخلت کے اپنے اصول پر قائم ہے۔ پاکستان نہ کسی دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کی اجازت دے گا، مصدقہ ذرائع سے بھی پتہ چلا ہے کہ اشرف غنی نے اس سازش کو ناکام بنانے کی خاطر فضل اللہ کی اطلاع ملنے پر افغان فورسز کو پاکستان سے مل کر فوری کاروائی کا نہ صرف حکم دیا ہے بلکہ پاکستان کو بھی اجازت دی ہے کہ اگر مشترکہ کاروائی ممکن دکھائی نہ دے تو پاکستان اسے از خود بھی اڑا سکتا ہے۔

اسلام آباد سیکورٹی ذرائع نے کہا ہے کہ پاکستان حکومت اور فورسز ہر قسم کی دہشتگردی کے حوالے سے "زیرو ٹالرنس" پر آچکے ہیں اور اب کسی بھی دہشتگرد کو نہیں بخشا جائے گا، اس حوالے سے ملک بھر میں سیکورٹی ادارے، انٹیلی جنس ایجنسیاں متحرک ہیں اور انٹیلی جنس کی بنیاد پر چھاپہ مار کاروائیاں بڑھادی گئیں ہیں۔ سیاسی قیادت کی رہنمائی میں عسکری قیادت تمام اقدامات کر رہی ہے اور دہشتگردی کے خلاف حکومتی اور عسکری اقدامات میں کسی سطح پر مفاہمت میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ پاکستان کی افغانستان میں ہونے والی کاروائیوں پر پوری طرح سے نظر ہے کہ افغان فورسز کنڑ میں کس طرح کی کاروائیاں کر رہی ہیں۔ امریکی یا افغان فورسز فضل اللہ اور اس کے ساتھیوں کو تحفظ دیں گی تو اسے کسی قیمت پر برداشت نہیں

کیا جائے گا۔

پاکستان نے امریکی وزیر خارجہ کو بھی بھارتی دہشتگردی کے حوالے سے مکمل شواہد کے ساتھ بریف کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ بھارت کو جارحیت سے روکا جائے کیونکہ پاکستان کی اطاعات کے مطابق نریندر مودی نے حلف اٹھانے سے بھی پہلے بھارتی آرمی چیف کو ایل او سی پر دباؤ بڑھانے اور بھارتی انٹیلی جنس اداروں کے انچارج ایڈوائزر اجیت ڈوول کو پاکستان کے اندر سبوتاژ کی کاروائیاں بڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ نریندر مودی پاکستان کے اندرونی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سرحدوں پر بھارتی دہشتگردی قائم کر کے اپنے ملک میں جنگی بخار کی ہیجانی کیفیت لانا چاہتے ہیں تاکہ انہیں اقلیتوں کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے ملک کو انتہا پسند ہندو ریاست بدلنے میں آسانی رہے اور وسائل کا رخ ہندوتوا کی طرف موڑنے کے سبب اقتصادی دباؤ کو جنگی جنون میں دبایا جاسکے۔ اسلام آباد میں باخبر ذرائع کا دعویٰ ہے کہ پاکستان کے خلاف دہشتگردی کو منظم کرنے کی خاطر گزشتہ مہینوں میں اجیت ڈوول نے نہ صرف افغانستان کا دورہ کیا اور قندھار کے قونصل خانے ہیں عمر خراسانی سے سانحہ پشاور سے ایک ہفتہ قبل تین گھنٹے کی ملاقات بھی کی بلکہ لندن دبئی کے دورے بھی کئے اور وہاں سفارت خانوں میں اور آزادانہ طور پر را اور دیگر اداروں کے افسروں کا تقرر کیا گیا ہے جو وہاں پر پاکستانیوں اور پاکستان مخالف عناصر کو بھرپور مالی و اخلاقی مدد کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں بھارتی نژاد مالکان کے ٹی وی چینلز کے توسط سے پاکستان کے خلاف من گھڑت اور جھوٹے پروپیگنڈے سے بھرپور "دور درشن" کی تیار کردہ رپورٹس بھی نشر کی جارہی ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان کو ایک دوست ملک کے ذریعے اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ اجیت ڈوول عراق اور شام میں دہشتگرد گروپس سے رابطے میں ہیں اور انہیں پاکستان کے اندر حالات خراب کرنے کیلئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

دوسری جانب امریکی وزیر خارجہ جان کیری کے دورۂ پاکستان کو ایک مذاکراتی دورہ کہا جارہا ہے تاہم اس میں بھی بنیادی مطالبہ سیکورٹی کے حوالے سے رہا اور انہی امور کی طرف ان کی بھی خصوصی توجہ دلائی گئی۔ پاکستان چاہتا تھا کہ امریکا سے باہمی دفاعی تعاون کا معاہدہ کیا جائے اور خطے میں آئندہ کیلئے پاکستان کے کردار کو قبول کیا جائے اور پاکستان کے تحفظات کو دور کرتے ہوئے مستقبل کی پالیسی طے کی جائے۔ بہر حال زرائع کا کہنا ہے کہ امریکا کے افغانستان سے انخلاء کے وقت امریکی وزیر خارجہ جان کیری کا دورۂ پاکستان بعض امور کے حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔

پاکستان امریکا کے جانے کے بعد خطے میں پیدا ہونے والے طاقت کے خلاء میں اپنے کسی دشمن کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ بہر حال جان کیری اپنے دورۂ پاکستان کو صرف اپنے فوجیوں کی محفوظ واپسی کو یقینی بنانے کیلئے پروگرام وضع کرنے میں مصروف رہے اور مولوی فضل اللہ کی حوالگی کا معاملہ بھی جان کیری سے مذاکرات کا اوّلیں اور ترجیحی حصہ رہا جس کے جواب میں فی الحال اسے دہشتگردوں کی اوّلین فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے اور لگتا یہ ہے کہ اسے پاکستان کے حوالے کرنے کی بجائے اس کا کوئی جانشین مقرر کر کے اسے ڈرون حملے میں فارغ کر دیا جائے گا کیونکہ یہی امریکا اور انڈیا کے مفاد میں ہے۔

وریں اثناء افغانستان میں بھارتی دہشتگردی کو امریکی سرپرستی کا ثبوت اسلام آباد میں جان کیری کی پریس کانفرنس سے بھی ملتا ہے کہ جب ان سے سوال کیا گیا کہ بھارت امریکی فوج کی زیرِ نگرانی دہشتگردی کر رہا ہے تو ان کا کہنا تھا کہ یہ آپ کا خیال اور خواب ہے، حقیقت نہیں۔ امریکا کی یہی سرپرستی ہے جس کے سبب بھارت پاکستان کے خلاف مسلسل کاروائی کرتا چلا آرہا ہے، اب پاکستان کو اس کے خلاف مضبوط اسٹینڈ لیکر ہی کوئی سدباب کرنا ہوگا، صرف مطالبوں سے بات بنتی دکھائی نہیں دیتی۔

بروز ہفتہ ۴ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۴ جنوری ۲۰۱۵ء

قیامِ پاکستان کی حقیقت

قائدِ اعظم کی قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کا قیام ہے لیکن پاکستان کے قیام کی حقیقت کیا ہے؟ یہ برصغیر کی سیاسی صورتحال کا اتفاق ہے، کوئی تاریخی حادثہ ہے، برطانوی ہند کی وحدت کو ختم کرنے کی سازش ہے یا انسانی معاشرت کیلئے اللہ تعالٰی کے قوانین کے عمل اور ردِّ عمل کا نتیجہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان دورِ حاضرہ میں عالمگیر امت مسلمہ کی بازیافت کا اعلان ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

۱۹۲۴ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے ساتھ وہ برائے نام مرکزیت جو مسلمانوں کو حاصل تھی وہ بھی ختم ہوگئی اور اس پر مسلمانوں سے دائمی بغض اور عناد رکھنے والی طاقتوں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن اس واقعے کے سولہ برس بعد یعنی ۱۹۴۰ء میں برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے عالمگیر ملی تشخص کا اعلان کرتے ہوئے پاکستان کا مطالبہ کر دیا۔ غور کیجئے تو اندازہ ہو جائے گا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کا مطالبہ کر کے اجتماعی سطح پر اصولی اعتبار سے اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ ہمارے ہادی برحق رسولِ اکرم ﷺ نے ایمانی رشتے کی بنیاد پر ایک عالمگیر امتِ مسلمہ کی تشکیل فرمائی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے دورِ حاضر میں اسی تشخص کی تجدید فرمائی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے یثرب کی سرزمین کو پہلی اسلامی ریاست کیلئے منتخب فرمایا، برصغیر کے مسلمانوں نے اعلان کیا کہ یہاں اپنے اکثریتی علاقوں کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی شکل دیکر وہ اسے دورِ حاضر میں "عمل پذیر اسلام کی تجربہ گاہ" بنائیں گے۔ یثرب مدینتہ النبی ﷺ بنا' یہ خطہ پاکستان بنا۔

ایک اور حیرت انگیز بات یہ کہ دنیا کے دیگر تمام علاقوں کے مقابلے میں برصغیر کے مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور جب پاکستان کا مطالبہ کیا اس وقت یہاں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ کے لگ بھگ تھی لیکن ہندو اکثریت کے مقابلے میں وہ تعداد بہت کم تھی یعنی ایک چوتھائی تھی۔

تعداد کی وہ کمی پیشِ نظر رکھئے اور قرآنِ پاک میں سورۃ الانفال کی ۲۶ ویں آیت مبارکہ پر غور کیجئے جس میں ارشاد ہوا ہے "واذکروا اذانتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاٰوکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون" تم زمین میں تھوڑے تھے، تمہیں بے زور سمجھا جاتا تھا، تمہیں خوف تھا کہ لوگ تمہیں مٹا نہ دیں پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ مہیا کی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں اچھا رزق دیا شائد کہ تم شکر گزار بن سکو"۔

آں کتاب زندہ، قرآن حکیم　　　حکمت ولایزال است وقدیم

پاکستان دورِ حاضر یہں اس ارشادِ قرآنی کی تشریح اور اسلام کی نشاطِ ثانیہ کی علامت کے طور پر وجود میں آیا ہے اور اس تاریخ ساز عمل میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت نے اساسی اور کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ یہ بہت بلند رتبہ ہے اور اسی زاویہ نظر سے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے شخصی کردار پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی اور رسول اکرم محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس سے قلبی وابستگی نے ان کی شخصی اور سیاسی دونوں زندگیوں کو کس طرح باہم مربوط اور منظم کیا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے برطانیہ میں "لنکن ان" میں داخلہ لیا کیونکہ وہاں دنیا کی قانون ساز شخصیات میں سرِ فہرست ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی تحریر تھا اور پھر نصف صدی بعد قیامِ پاکستان کے وقت اقتدار کی منتقلی کرتے ہوئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو ہم پر طنز کیا تھا، یہ کہہ کر "مجھے امید ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا وہی سلوک کیا جائے گا جیسا اکبرِ اعظم کے دور میں کیا گیا تھا۔" تو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فوری جواب میں کہا تھا کہ "مسلمانوں کی رواداری اکبرِ اعظم تک

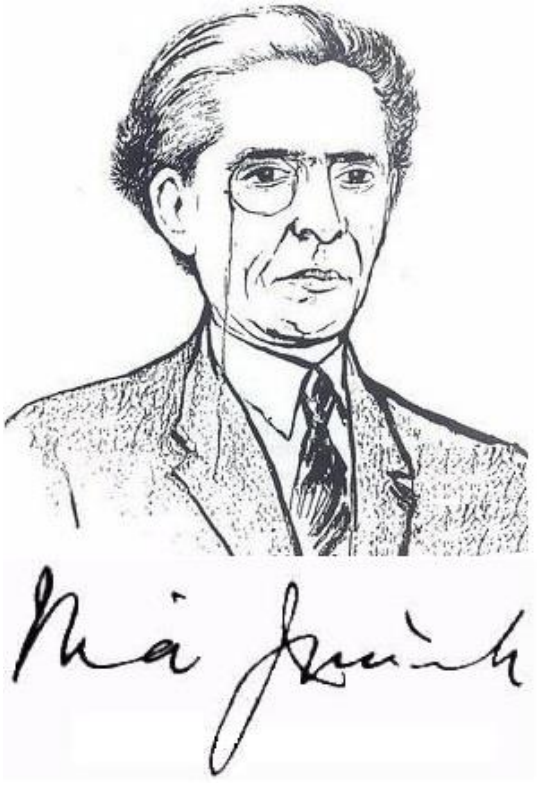

محدود نہیں ہے بلکہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ہمارے پیارے رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو فتح کر کے ان سے نہ صرف منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک کیا تھا"۔

نوجوان قائداعظم محمد علی جناح کے قلب میں رسول اکرم ﷺ سے وابستگی کی جو ایک روشن کرن تھی، اسی کرن کی روشنی ان کیلئے سیاست کی راہ کے انتہائی صبر آزما سفر میں بھی زادِ راہ بنی رہی ۔ شخصی اعتبار سے قائداعظم محمد علی جناح میں خامیاں بھی رہی ہونگی لیکن ان خامیوں کے اثرات ان کی ذات پر یا اس سے متعلق افراد تک رہے جبکہ ان کی خوبیوں کے اثرات ان کی قیادت میں نمایاں ہوئے جس کی توانائی نے برِ صغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر دیرپا اور تاریخ ساز اثرات مرتب کئے۔

ربّ العزت کی دی ہوئی توفیق سے قائداعظم محمد علی جناح نے قیامِ پاکستان کیلئے جو کارنامہ انجام دیا وہ اس اعتماد کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا تھا جو پورے برِ صغیر کے آباد مسلمانوں نے ان کی قیادت پر کیا۔ انہوں نے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو کبھی کسی غلط فہمی میں نہیں رکھا بلکہ بالکل واضح طور پر بار بار اعلان کیا کہ پاکستان اکثریتی صوبوں میں بنے گا اور اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اس عظیم مقصد کیلئے قربانیاں دینی ہوں گی۔ سرزمین پاکستان کی آزادی کی یہ انفرادیت ہے کہ اس سرزمین کی آزادی کیلئے ان مسلمانوں نے بھی سوچ سمجھ کر قربانیاں دیں جن کا اس سرزمین سے کوئی براہِ راست کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن یہاں آباد مسلمانوں سے ایمانی رشتے کے تقاضے کا ان کو پورا شعور تھا، تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال موجو نہیں ہے۔ یہ قائداعظم کی قیادت کی سحر انگیزی تھی اور وہ سحر انگیزی سچائی کی تھی، امانت و دیانت کی تھی۔ انہوں نے جذباتی نعرے بازیاں کبھی اختیار نہیں کیں۔ ان کو دو بہت بڑی طاقتوں کا سامنا تھا، ایک ہندو کانگریسی قیادت اور دوسری برطانوی حکومت۔ مادی اعتبار سے صورتحال بے سروسامانی کی تھی، مسلمان منتشر تھے، بکھرے ہوئے تھے لیکن ایمانی توانائی مسلمانوں کو بہر حال حاصل تھی۔ قائداعظم کی قیادت کی صداقت نے اسی ایمانی توانائی کا شعور مسلمانوں میں بیدار کر دیا۔ اصل توانائی ان دیکھی طاقتوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایمان ان دیکھی توانائی ہے لیکن ساری نظر آنے والی طاقتوں پر غالب آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ۔۔۔۔۔۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

قیامِ پاکستان کی راہ کی رکاوٹیں سامنے لایئے، مخالفین کی بھرپور سازشی منصوبہ بندیاں پیشِ نظر رکھئے، اس قتل و غارت گری کا تصور کیجئے جو صرف اس لئے برپا کی گئیں کہ پاکستان مستحکم بنیادوں پر قائم نہ ہو سکے اور وہ پھر جذبہ، وہ عزم اور تعمیر کا فیصلہ کن انداز جس سے جو کچھ بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا، اسے ممکن بنا دیا۔ پاکستان کا قیام دورِ حاضر میں اسلام کے احیاء کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا ہے "و یمکرون ویمکر اللہ، واللہ خیر المکرین" وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے ۔"اور سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہے "و قد مکرو مکرھم و عنداللہ مکرھم، وان کان مکرھم لتذول منہ الجبال(۴۶) کافروں نے اپنی ساری چالیں چل دیکھیں لیکن ان کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا حالانکہ ان کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ۔۔۔۔

جہاں ہوں سعی بشر کی تمام راہیں بند　　دیار دوست کا رستہ وہیں سے کھلتا ہے

ارشاداتِ قرآنی پیش نظر رکھئے اور پاکستان کے قیام سے لیکر پاکستان کے ایٹمی طاقت بن جانے تک کے واقعات پر غور کیجئے، انسانی معاشرت کیلئے قدرت کی منصوبہ بندی کی کارفرمائیاں واضح ہوتی چلی جائیں گی۔ قیامِ پاکستان کی ایک وجہ ہمارے مخالفوں کا شدید تعصب اور سیاسی ریشہ دوانیاں بھی بنیں۔ قیامِ پاکستان کو متزلزل کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی گئیں اور ہر کوشش ناکام ہوئی اور ایٹمی طاقت کی حیثیت سے نمایاں ہونے میں جس عمل نے ہمارے لئے سب سے بہتر دلیل فراہم کی وہ بھارت کا ایٹمی دھماکہ تھا۔ پاکستان کی داخلی صورتحال اور اس کے وجود کے علاقائی اور عالمی اثرات پر مسلسل تدبر اور تفکر کی ضرورت ہے۔ جہاں ہم داخلی سطح پر سماجی تطہیر کے مرحلوں سے گزرے ہیں (وہاں نائن الیون کے بعد اس خطے کی صورتحال بالکل بدل چکی ہے۔ پاکستان دشمن قوتیں بھوکے بھیڑیوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑی ہیں اور ایک فاسق و فاجر جنرل ہمیں خطرات کے بھنور میں پھینک کر خود مزے کی زندگی گزار رہا ہے، دوسرا زرداری حکومت تو اس سے بھی دس قدم آگے چلی گئی تھی، اس لئے اس وقت دشواریاں پہاڑوں جیسی معلوم ہوتی ہیں)۔ قیامِ پاکستان کا علاقائی اثر یہ ہوا کہ بھارت اس سارے علاقے پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکا اور عالمی اثر یہ ہوا کہ اسلام عالمی سطح پر نمایاں سے نمایاں تر ہوتا چلا گیا۔

وقت کے دو پیمانے ہیں، شب و روز اور ماہ و سال، ایک پیمانہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کاموں کیلئے مقرر کیا ہے۔ دوسرا پیمانہ اللہ تعالیٰ کے اپنے حساب کا ہے جس کا ایک "یوم" ہمارے ایک ہزار سال کے برابر یا اس سے بھی زیادہ کا ہے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ میں انسانی معاشرت کیلئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین اور انسانی اعمال میں مکمل ہم آہنگی، مثالی ہم آہنگی ہو گئی تھی لہٰذا تاریخ کی مکمل روشنی میں ایک مثالی معاشرہ، ایک مثالی مملکت وجود میں آ گئی۔ اس مثالی معاشرے کی روشنی جہاں تک پہنچائی جا سکتی تھی مسلمانوں نے پہنچائی۔ زمانے کا، انسانی معاشرہ کا، سفر تو اب بھی اسی سمت ہے لیکن اس راہ پر ہم مسلمانوں کو اپنے ایمان و عمل سے جو روشنی پھیلانی چاہئے تھی کہ سفر میں تیزی آ جائے، ہم صدیوں سے اپنا وہ فریضہ بھلا بیٹھے ہیں۔ قیامِ پاکستان نے ہمیں دورِ حاضر میں اپنے ایمانی کردار کی ادائیگی کا ایک اور موقع فراہم کیا ہے۔ پاکستان میں ہم گزشتہ ۶۷ سالوں میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے یا اس کے شعور سے محروم ہو کر جو وقت ضائع کر چکے ہیں اور اس سے نسلِ انسانی کا جو خسارہ ہوا ہے ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے اللہ کے سامنے اس کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ کیا واقعی ہمارا ایمان ہے کہ جوابدہی ہو گی؟ کیا ہم کو اس حقیقت کا شعور بھی ہے کہ وہ جوابدہی ہونی ہے اور ضرور ہونی ہے؟ قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی ہم نے بہت بڑی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

بے خبر تو جوہر آئینہ پیام ہے　　تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

لیکن سورۃ محمد کی آخری آیاتِ مبارکہ کے اختتامی الفاظ بھی کہہ رہے ہیں؛

"وان تتولوا یستبدل قوم غیرکم ثم لایکونوا امثالکم" اگر تم اللہ کے حکم سے منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہیں ہوں گے"۔ اس وقت ہمارا سب سے بڑا امتحان یہی ہے۔ ہم نے پاکستان بناتے وقت اپنے رب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس سرزمین کو ریاست مدینہ کی طرز پر بنائیں گے جہاں صرف اور صرف قرآن ہی ہمارا آئین ہو گا لیکن صد افسوس ہم ابھی تک وعدہ خلافی کی بناء پر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کا خوف ہمارے دل میں جاگزیں ہو جائے اور اس سے وعدہ خلافی کے عمل کی سچے دل سے معافی طلب کریں۔ کاش! ہمیں اس سچائی کا ادراک ہو جائے کہ اللہ کے خوف سے محرومی سب سے بڑی محرومی، سب سے تباہ کن محرومی ہے جس کا کوئی ازالہ کسی بھی صورت ممکن نہیں ہے!!!

بروز اتوار ۵ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۲۵ جنوری ۲۰۱۵ء

اپنے اپنے بے وفاؤں نے یکجا کیا

بھارت کے یومِ جمہوریہ میں بارک اوباما کی شمولیت سے نریندر مودی جہاں خود کو سکندر اعظم ثانی سمجھ رہے ہیں وہاں اوباما کے ساتھ گرمجوشی کے ساتھ گلے ملنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے چائے پیش کرتے ہوئے وہ خود کو ایک خیالی دنیا کا ہیرو سمجھ رہے ہیں حالانکہ یہ وہی اوباما ہیں جنہوں نے انہیں امریکی ویزہ دینے سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ مودی کے ہاتھ ہزاروں بے گناہ گجراتی مسلمانوں کے ہاتھ سے رنگے ہوئے ہیں لیکن دو طرفہ مفادات نے تمام اخلاقی اور انسانی حدود کو ٹھوکر مار کر ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اوباما دہلی پہنچے تو پروٹوکول کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خود وزیر اعظم نریندر مودی ان کے استقبال میں کھڑے تھے، دونوں نے گلے مل کر کچھ اس انداز میں ایک دوسرے کی پیٹھ تھپتھپائی کہ گویا برسوں کے بعد محبوب سے ملن ہو رہا ہے۔

باراک اوباما نے نریندر مودی کے ساتھ مذاکرات کے بعد اعلان کیا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان سول جوہری معاہدے کی راہ میں حائل اختلافات پر سمجھوتہ ہو گیا ہے جس کے بعد اب امریکی کمپنیاں بھارت کو غیر فوجی جوہری ٹیکنالوجی فراہم کر سکیں گی۔ اگرچہ سول نیوکلیر ڈیل کے اعلان کو بڑی پیش رفت مانا جا رہا ہے لیکن یہ کہنا شاید ابھی قبل از وقت ہو گا کہ ہندوستان میں اب امریکی کمپنیاں بے جھجک جوہری بجلی گھر قائم کر سکیں گی۔ اوباما نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھارت کی مستقل رکنیت کی حمایت کا جو اعلان کیا، اس سے قبل بھی بھارت کے سامنے یہ راتب پھینکا گیا تھا۔ بہر حال بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی دونوں ممالک کے درمیان اس تعاون کو نئے سفر سے تعبیر کر رہے ہیں۔

لیکن کیا واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ دکھایا جا رہا ہے؟ چین کے مشہور خبار گلوبل ٹائمز نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دراصل اوباما کے دورے کا مقصد بھارت کو چین کے خلاف استعمال کرنے کی مزید ایک کوشش ہے۔ نئی دہلی میں بھارتی وزیر اعظم اور امریکی صدر کے ایک دوسرے کے گلے ملنے کی بات کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کے پس پشت میڈیا کی وہی فرسودہ ذہنیت کارفرما ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کیلئے چین کے ڈریگن اور بھارتی ہاتھی کو ایک دوسرے کا روایتی اور مستقل حریف دکھا کر دونوں ملکوں کو آپس میں الجھا دیا جائے تاکہ ان کی بڑھتی ہوئی ترقی کا پہیہ واپس چلنا شروع ہو جائے۔ گلوبل ٹائمز نے اپنے ایک مضمون میں بھارت اور چین کو یہ کہتے ہوئے خبردار کیا گیا ہے کہ وہ مغرب کے بچھائے جال میں نہ بالکل نہ پھنسیں اور امریکا اور مغرب کی چالوں سے خبردار رہیں۔ اپنے تبصرہ میں اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ مودی اور اوباما صرف ظاہری طور پر ایک ساتھ ہیں کیونکہ دونوں رہنماؤں کے درمیان اب بھی کئی مسائل پر زبردست اختلافات برقرار ہیں۔

چین کی مشہور شنہوا نیوز ایجنسی نے امریکہ اور بھارت کے درمیان ابھرنے والے سفارتی اختلافات کو یاد کرتے ہوئے مودی اور اوباما کی دوستی اور گرمجوشی کو سطحی بتایا ہے اور کہا ہے کہ ابھی تک دونوں ممالک کے بڑے رہنماؤں کے درمیان زبردست اختلافات موجود ہیں۔ یہ ایک سطحی مصالحت ہے جسے ایک سودے کی طرح دیکھا جانا چاہئے کیونکہ اوباما کو بھارت کی ضرورت ہے تاکہ امریکی سیاست میں وہ اپنی کامیابیاں گنوا سکیں۔

ایک دوسری جگہ چینی میڈیا نے اوباما اور مودی کی ملاقات کے درمیان آنے والے مسائل میں ماحولیات، زراعت سے متعلق تنازع اور جوہری توانائی میں تعاون کی جو بات کی ہے، یہ بھی کوئی نئی بات نہیں کیونکہ آج سے چار سال پہلے بھی اسی تعاون کی باتیں کی گئی تھیں جس پر آج تک کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ مضمون کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اختلافات کی اتنی طویل فہرست کے ہوتے ہوئے ہندوستان کو پکا دوست قرار دینا خوش فہمی سے زیادہ نہیں۔

بھارتی میڈیا کے مطابق باراک اوباما اور نریندر مودی نے دوطرفہ گفتگو کے دوران خاصا وقت افغانستان کے معاملات کو دیا اور اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ بھارت کی شکل میں ہمیں افغانستان میں ایک قابل اعتماد شراکت دار مل گیا ہے تاہم پاکستان کیلئے اس میں قطعاً تشویش کی بات اس لئے نہیں کہ یہ فیصلہ تو افغانستان نے کرنا ہے کہ مستقبل میں اس کو دوستی کیلئے کس کا ہاتھ تھامنا ہے نہ کہ امریکا جو ایک دہائی سے زیادہ اپنے تمام اتحادیوں سمیت پورے جبر کے ساتھ افغانستان کو فتح کرنے میں ناکام رہا اور بدترین شکست کے بعد اس خطے سے نکل رہا ہے۔ پاکستان اور افغانستان کو معلوم ہے کہ پڑوسی اور سارک ممالک کے ساتھ تعلقات کے باوجود افغانستان کے لیے جو اہمیت پاکستان کی ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا ملک نہیں لے سکتا۔ افغانستان کے علاوہ بھی امریکہ اور بھارت کے درمیان اس دوروزہ دورے کے دوران جو معاہدے ہوئے یا وعدے کیے گئے اس میں کوئی نیا یا قابل ذکر معاہدہ نہیں ہوا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی قربانیوں کے باوجود بھارت کو غیر معمولی اور غیر ضروری اہمیت دینے کا تاثر بھی بے معنی ہے کیونکہ ہم نے کبھی تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ امریکا کے بارے میں تو مشہور ہے کہ یہ اپنے مفادات کی تکمیل پر سب سے پہلے اپنے ہی دوستوں کو ختم کرتا چلا آیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے پہلے فوجی فیلڈ مارشل ایوب خان کو بھی "فرینڈز ناٹ ماسٹر" کتاب لکھنے کی حاجت پیش آگئی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کا کردار بھی اب مخفی نہیں رہا کہ کس طرح اس نے معاہدے کے باوجود پاکستان کو اسلحے کی ترسیل روک دی، ۱۹۷۱ء میں بھی مشرقی پاکستان میں امریکا کا چھٹا بحری بیڑہ نہ پہنچ سکا اور پھر افغانستان میں عالمی ایٹمی طاقت سوویت یونین کا جو حشر ہوا کہ جہاں آج اسی کے بطن سے چھ مسلمان ریاستیں آزاد ہوئی، یہ بھی پاکستان کی قربانیوں کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ وہی امریکا دنیا کی واحد عالمی طاقت کے طور پر اب دندناتا پھر رہا ہے، لیکن امریکا فوری طور پر اپنا بوریا بستر لپیٹ کر سارا ملبہ پاکستان پر ڈال کر خود رفوچکر ہو گیا اور بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں اس لئے بڑھانا شروع کر دیں کہ روس کی شکست وریخت کے بعد اس کو اپنے لئے سب سے بڑا معاشی خطرہ چین سے لاحق ہے۔ اس وقت امریکا دنیا کا سب سے بڑا مقروض ملک ہے۔ امریکی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق نومبر ۲۰۱۴ء تک ۱۷/۳۵ ٹریلین ڈالر کا مقروض ہے جس میں سے صرف چین کا ۱۲/۵ ٹریلین ڈالر کا قرضہ ہے جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے جبکہ امریکا دوسرے ممالک کا بھی ۶/۱ ٹریلین ڈالرز کا مقروض ہے۔

بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کا سب سے بڑا مقصد چین کی معاشی ترقی جو چین کو جلد ہی امریکا کے خلاف ایک عسکری قوت بنے میں مددگار ثابت ہو گی، کا راستہ روکنا ہے۔ حالیہ گوادر بندرگاہ کے معاہدے کے بعد چین کے ساتھ ساتھ پاکستان کی معاشی ترقی کے راستے پر قدغن لگانے کیلئے اوباما بھارت پر اس قدر فریفتہ ہو رہا ہے اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس وقت اوباما امریکا کے ایک ناکام صدر کے طور پر جانے جا رہے ہیں اور تمام معاملات ان کے ہاتھ سے نکل کر دوسری نادیدہ قوتوں نے سنبھال رکھے ہیں جن کے اشاروں پر اوباما ناچ رہے ہیں تاہم مجھے سرتاج عزیز کا بیان بے چین اور تشویش میں مبتلا کر رہا ہے جس میں انہوں نے اپنی ناکامی کو چھپاتے ہوئے یہ بیان دیا تھا کہ امریکی صدر کے بھارتی دورے سے خطے میں امن کے قیام میں مدد ملے گی جس سے پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات میں بہتری آئے گی جبکہ امریکا نے افغانستان میں بھارت کو اپنا

دوست قرار دیکر پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کارکردگی کا بھانڈہ ضرور پھوڑ دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت جنرل راحیل شریف امریکا اور برطانیہ کے دورے میں دوٹوک الفاظ میں پاکستان کا مقدمہ پیش کرنے میں انتہائی کامیاب رہے ہیں اور اب اس موقع پر چین کے دورے میں چین کی عسکری قوت نے پاکستان کے خدشات کو اپنے خدشہ قرار دیکر بڑا معنی خیز بیان جاری کیا ہے لیکن دوسری طرف جہاں کشمیری بھارت کے یوم جمہوریہ پر سوگ منا رہے تھے وہاں ہمارے وزیر اعظم نواز شریف اپنے خط میں بھارت کے ساتھ دوستانہ خوشگوار تعلقات کے کوشاں ہیں۔

اپنے اپنے بے وفاؤں نے یکجا کیا

ورنہ میں تیرا نہ تھا تو میرا نہ تھا

بروز جمعۃ المبارک ۱۰ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۳۰ جنوری ۲۰۱۵ء

برہمن سیاست میں صفِ ماتم

افغان ایوانِ صدر کے مطابق اشرف غنی اور ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر کی حالیہ ملاقات میں ایک مرتبہ پھر دہشتگردوں اور انتہاپسندوں کے خلاف مشترکہ کاروائیوں کو مزید مؤثر بنانے کیلئے کلی اتفاق کا اعادہ ہوا ہے۔ افغان ایوانِ صدر کے مطابق ڈی جی آئی ایس آئی ۱۸ جنوری کو مختصر دورے پر کابل پہنچے اور اس ملاقات میں پاکستان اور افغانستان سرحد سیکورٹی کی صورتحال دہشتگردوں کی نقل و حرکت اور خطے میں سیکورٹی کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ڈی جی آئی ایس آئی کا یہ تیسرا دورہٗ ہے جو انہوں نے افغانستان میں نئی حکومت آنے کے بعد کیا۔ ان کے پہلے دورے میں افغان حکومت سے ملا فضل اللہ اور عمر خالد خراسانی کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا گیا تھا۔ پاک فوج کے سربراہ بھی اس سلسلے میں دو مرتبہ ہنگامی دورہٗ کر چکے ہیں جبکہ افغان صدر اشرف غنی نے بھی پاکستان کے دورہٗ کا آغاز جی ایچ کیو سے ہی کیا تھا جہاں انہوں نے فوج اور سول سربراہوں سے ملاقات میں پاک افغان تعلقات کے مستقبل پر خوش کن اثرات کی نوید سنائی گئی تھی۔

کابل سے دوسری خبر یہ موصول ہوئی ہے کہ افغانستان کے چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ اگلے چند دنوں میں پاکستان آرہے ہیں۔ خطے میں جاری دہشتگردی کی لہر میں کمی کیلئے پاک افغان حکومتوں میں روابط مضبوط کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ عبداللہ عبداللہ کا دورہٗ اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے جس میں دہشتگردی کے خلاف جاری جنگ میں مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے، پاک افغان بارڈر کو جدید سہولیات سے آراستہ کرنے، تجارت کو فروغ دینے بالخصوص پاکستان میں مہاجرین کے قیام کے حوالے سے بات ہوگی۔ افغانستان میں نئی حکومت کے آتے ہی دونوں حکومتوں میں تعلقات بہتری کی جانب گامزن تھے۔ سانحہ پشاور کے بعد سیاسی سطح کے علاوہ عسکری قیادت کے بھی روابط بڑے ہیں۔

افغان صدر اشرف غنی کے بعد چند روز قبل افغانستان کا ایک تجارتی وفد اعلیٰ قیادت کے ساتھ پاکستان آیا تو دوسرا وفد افغانستان کی خارجہ کمیٹی کے سربراہ عبدالقادر زئی کی قیادت میں آیا جس نے میاں نواز شریف اور وزیر خارجہ کے ساتھ ملاقات کی۔ اب افغانستان کی اہم شخصیت عبداللہ عبداللہ کے دورہٗ بھی بہت جلد متوقع ہے۔ پچھلے دنوں امریکی وزیر خارجہ جان کیری بھی پاکستان کا مختصر دورہٗ کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔ پاکستان اور افغانستان میں بڑھتے ہوئے تعلقات بھی یقیناً زیر موضوع اور خاصی اہمیت کے حامل رہے کیونکہ یہ دورہٗ ایسے وقت میں ہوا جب امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان میں شرمناک ہزیمت کے بعد جزوی واپسی کی اہم ضرورت کی تکمیل کیلئے پاکستان کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے بھارت کو کسی قدر پس منظر میں دھکیل کر پاکستان سے "دوستی" بڑھانے کیلئے از سرِ نو مساعی شروع کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے اور اس بات کے واضح اشارے موجود ہیں کہ ملا فضل اللہ اور اس کے ساتھیوں کے گرد گھیرا تنگ ہونے کے تمام اسباب پیدا ہو چکے ہیں جبکہ بھارت کی پاکستان کے خلاف صریح عداوت بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

ذرائع کے مطابق پاکستان کے خلاف دہشتگردی کو منظم کرنے کی خاطر گزشتہ مہینوں میں اجیت دوول نے نہ صرف افغانستان کا دورہٗ کیا اور قندھار کے بھارتی قونصل خانے میں عمر خراسانی سے سانحہ پشاور سے ایک ہفتہ قبل تین گھنٹے کی ملاقات کی، اس نے لندن اور دبئی کے بھی دورے کئے اور وہاں بھارتی سفارت خانوں میں "را" اور دیگر اداروں کے افسروں کا تقرر کیا گیا ہے جو وہاں موجود پاکستانیوں اور پاکستان مخالف عناصر کو مالی اور اخلاقی ہر طرح کی مدد دے رہے ہیں۔ پاکستان کو ایک دوست ملک کے ذریعے اطلاع ملی ہے کہ اجیت دوول عراق اور شام میں دہشت گردوں سے رابطے میں ہیں اور انہیں پاکستان کے اندر حالات خراب کرنے کیلئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ پاکستان میں داعش کی

سرگرمیوں کی خبریں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں جبکہ "را" نے ایک مسلم نام سے بھارت میں ایک داعش کا ٹوئٹر بھی چلا رکھا ہے۔

بھارت اپنے اس سارے عالمی نیٹ ورک کو افغانستان کے راستے سے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا، سانحہ پشاور کے بعد آرمی چیف کے جارحانہ ردعمل کے باعث اب افغانستان میں انہیں مکمل آزادی نہیں رہی۔ دوسری جانب فاٹا میں مختلف علاقوں میں جاری آپریشن بھی بھارتی عزائم میں شدید رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ان حالات میں بھارتی حکومت نے یہ دیکھتے ہوئے کہ پاکستانی فوج پوری طرح سے مغربی سرحدوں پر مصروف ہیں اور اندرون ملک بھی عدم استحکام والی صورتحال ہے لہٰذا پاک فوج کو نفسیاتی طور پر الجھانے اور ملک میں عدم استحکام پیدا کرنے کی خاطر پہلے شکر گڑھ میں بلا اشتعال کاروائی کی جس کے بعد اب سرحدوں میں چیک پوسٹوں پر فائرنگ اور گولہ باری سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں تناؤ شدت اختیار کر رہا ہے۔ گزشتہ دنوں بھی بھارتی بارڈر فورسز نے شکر گڑھ اور ظفروال سیکٹر پر بلا اشتعال فائرنگ کی جس سے ایک رینجرز اہلکار زخمی ہوا جبکہ سرحدی دیہات میں سخت پریشانی پھیل گئی، چناب رینجرز کی جوابی کاروائی سے بھارتی فائرنگ وقتی طور پر تھم گئی تاہم جس طرح سے بھارتی افواج نے سیز فائر معاہدے کی سنگین خلاف ورزیاں شروع کر رکھی ہیں اس کی بنیاد پر فی الحال بھارتی اشتعال انگیزی کے رکنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی۔

بھارت میں ہونے والے حالیہ عام انتخابات کے بعد جب سے بی جے پی سرکار برسر اقتدار آئی ہے پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزیوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ دونوں ملکوں کے بعض تجزیہ نگاروں نے وزیراعظم مودی کی تقریب حلف برداری میں وزیراعظم نواز شریف کی شرکت سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہتری کی امید سے زیادہ توقعات وابستہ کر لی تھیں لیکن میں نے اپنے کالموں میں مسلسل برہمن کی ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کا دلائل سے تذکرہ کیا تھا جو آج حرف بحرف پورا ہوا ہے اور یقیناً امن کی آشا کا ڈھول پیٹنے والوں کی امیدیں برہمن کی مکار لہریں بہا کر کہیں دور لے گئی ہیں۔ مودی سرکار ایک مخصوص ایجنڈے کے تحت مشترکہ سرحد اور لائن آف کنٹرول پر شر انگیز کاروائیاں کر رہی ہے۔ ایسے حالات میں جب افواج پاکستان ملک کی شمالی سرحدوں پر دہشتگردوں کی سرکوبی کیلئے ضربِ عضب میں مصروف ہے، پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت علاقائی سلامتی اور عالمی امن کیلئے ملک کے اندر بھی شر پسندوں کے خلاف فیصلہ کن اقدامات کر رہی ہے۔ ایک ذمہ دار ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے بھارت کو ہر اس کاروائی سے گریز کرنا چاہئے تھا جس سے علاقائی حالات پر منفی اثرات مرتب ہوں، ویسے بھی بھارتی قیادت خود کو امن پسند خطے کے عوام کی خوشحالی اور جمہوریت کی علمبردار ہونے کی دعوے دار ہے تو اسے ہماری مشرقی سرحد پر چھیڑ خانی سے گریز کرنا چاہئے تھا خصوصاً جب سرحد پار سے ایسی کسی سوچ کا اظہار نہیں ہو رہا۔

پاکستان نے ہمیشہ بھارت کے ساتھ مذاکرات سے پہلے کشمیری قیادت کا اعتماد میں لیا ہے۔ وزیراعظم میاں نواز شریف کی اپنے بھارتی ہم منصب سے ملاقات کے بعد دونوں ملکوں میں خارجہ سیکریٹریوں کی سطح پر مذاکرات پر اتفاق ہوا تو پاکستانی ہائی کمشنر نے نئی دہلی میں کشمیری قیادت سے ملاقات کی جس کے بعد بھارت نے ۲۵/ اگست کو ہونے والے مذاکرات میں ایسی رکاوٹ ڈالی کہ ابھی تک دونوں ملک سفارتی سطح پر ایک دوسرے کے قریب نہیں آسکے اور مستقبل میں بھی ایسی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ پاکستان سے مذاکرات شروع نہ کرنے کی بھارتی سوچ کو مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد انتخابات میں بی جے پی کی بھرپور شرکت سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بھارتی حکمران پارٹی نے سرحدی کشیدگی کے ذریعے مقبوضہ کشمیر میں اکثریت کے ذریعے اس کی خود مختار حیثیت ختم کرنے کی جو سازش کی، اسے اس میں تو کامیابی نہیں مل سکی تاہم کشمیر میں گورنر راج لگا کر بالواسطہ حکومت کرنے کا موقع ضرور حاصل کر لیا ہے اور اسی گورنر راج کے سایہ تلے آئندہ انتخابات میں مطلوبہ مقاصد کے حصول کیلئے درپردہ کوششیں

جاری ہیں۔ اب ہماری مشرقی سرحدوں پر اشتعال انگیزی کے ذریعے سے دہشتگردی کے خلاف جنگ کو ناکام بنانے کی امن دشمن سوچ پر عمل پیرا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو سرحدی جھڑپوں میں الجھا کر خطے کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کے بھارتی عزائم کو دنیا کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ وزارتِ خارجہ کی طرف سے سیز فائر معاہدے کی بھارتی خلاف ورزیوں کو عالمی برادری کے سامنے لانے کا بیان جاری کیا گیا ہے۔ چند دن پہلے سلامتی اور خارجہ امور کے مشیر سرتاج عزیز نے اسی حوالے سے بھارتی وزیر خارجہ کو خط بھی لکھا تھا تاہم یہ معاملہ سفارتی سطح پر محض خط لکھنے سے حل نہیں ہوگا، وزارتِ خارجہ کو فوری طور پر یہ معاملہ اقوام متحدہ میں اٹھانا چاہئے اور سفارتی سطح پر متحرک ہو کر عالمی برادری کو بھارتی جارحیت سے آگاہ کرنا چاہئے۔ امریکی صدر اوباما بھارت کے یوم جمہوریہ کی تقریبات میں شامل ہو رہے ہیں اس لئے پاکستان کو امریکا پر بھی واضح کرنا ہوگا کہ بھارتی اشتعال انگیزی کے خطے اور امن عالم کے مستقبل پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ امریکا اگر پاکستان، جنوب مغربی ایشیا اور دنیا بھر سے دہشتگردی کے خاتمے میں سنجیدہ ہے تو اسے بھارت کی جانب سے سیز فائر معاہدے کی سنگین خلاف ورزیوں کا نوٹس لینا ہوگا۔

امریکا پر واضح کرنا ہوگا کہ اس نے بھارتی شر انگیزیوں پر آنکھیں بند کرنے کی جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے اس سے نہ صرف پاکستان بلکہ افغانستان اور پوری دنیا کا امن متاثر ہوگا۔ امریکا، عالمی برادری اور اقوام متحدہ کے ساتھ ساتھ انتہائی اعلیٰ سطح پر بھارتی قیادت کو بھی باور کرا دیا جائے کہ ایسی روش سے کشمیری عوام کو حق خود ارادیت سے محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دہشتگردوں کے مقابلے میں پاکستان کو کمزور کرنے کی چال کامیاب ہوگی۔

بی جے پی کی حکومت اس خام خیالی سے جتنی جلد نکل آئے خود اس کیلئے بہتر ہوگا کہ وہ پاکستانی فوج کو سرحدی جھڑپوں میں الجھا کر دہشتگردوں کو مضبوط بنانے اور پھر خطے میں مسئلہ کشمیر سمیت تمام معاملات پر من مانی کر سکے گی۔ اس کیلئے بہتر ہوگا کہ ہمسایوں سے احترام اور برابری کے تعلقات کے واجپائی فلسفے کی پیروی کرے نہ کہ ہندو انتہا پسندوں کی اکھنڈ بھارت سوچ کو بڑھاوا دے کر خطے کے مستقبل کو تاریکیوں میں گم کر ڈالے۔ مودی حکومت بھارت کو سیاسی اور معاشی استحکام دے کر خطے کی اہم ریاست میں تبدیلی کرنے کی خواہاں ہے تو اسے کشمیر سمیت تمام تنازعات پر غیر مشروط مذاکرات اور دہشتگردوں کے خلاف پاکستان کی جدوجہد کو مضبوط بنانا ہوگا۔ بہتر یہی ہوگا کہ بھارتی قیادت خود ہی حقیقت پسندی کی راہ اختیار کر لے، ضروری نہیں کہ پاکستان کی جانب سے بھارت کو اسی زبان میں جواب دیکر اپنی طاقت کا لوہا منوانا پڑے۔

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں جنہوں نے کرزئی کے دور میں مضبوطی سے قدم جما لئے تھے آج بھی پاکستان کیلئے دردِ سر بنی ہوئی ہیں۔ حال ہی میں افغانستان کے صوبے ہرات میں پاکستانی قونصل خانے پر دستی بم سے حملہ کیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق دو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے قونصلیٹ کے بڑے دروازے پر ہینڈ گرینیڈ پھینکا اور فرار ہو گئے۔ حملے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ پاکستان کے پاس انٹیلی جنس شواہد موجود ہیں کہ اس حملے کی پلاننگ بھارتی قونصلیٹ میں ہوئی اور "را" نے اس میں اپنا کردار ادا کیا۔ ماضی میں بھی بھارتی ایسے بزدلانہ کارنامے سرانجام دے چکے ہیں۔ بھارت کیلئے دراصل یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ موجودہ افغان صدر اشرف غنی نے امریکی و بھارتی بدترین کٹھ پتلی کرزئی کی پالیسی ترک کر دی

ہے۔ کرزئی انتظامیہ کے دور میں افغانستان میں بھارتی اثرورسوخ بڑھنے کے بعد پاکستان کے ساتھ مخالفت میں اضافہ ہوا۔ اس امر کے شواہد موجود ہیں کہ بھارت ایسے حملوں کی پشت پناہی کرتا رہا ہے۔ بعید نہیں کہ گزشتہ ہفتے کے روز کئے گئے قونصل خانے پر حملے کے پس منظر میں بھارت ہی کارفرما ہو۔ جب سے امریکی صدر اوباما نے ۲۰۱۴ء کے آخر تک افغانستان چھوڑنے کا فیصلہ کیا، افغانستان اور پاکستان دونوں کو اس واقعے سے گہری تشویش لاحق ہے کہ وہ ٹی ٹی پی کی وبا سے کیسے نمٹیں گے۔ اس تشویش نے گزشتہ ماہ اس وقت ہنگامی شکل اختیار کرلی جب دہشتگردوں نے پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر حملہ کرکے ۱۵۰ کے قریب طلبہ اور ان کے اساتذہ کو شہید کردیا گیا۔ اسلام آباد اور کابل کو بالآخر اس حقیقت کا احساس کیا ہے کہ دہشتگردی کے خاتمے کی اصل ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ اس کا اظہار طالبان کے خلاف دونوں ملکوں کے رویے اور باہمی تعلقات میں تبدیلی سے ہوتا ہے۔

امریکی اور برطانوی افواج کے انخلاء سے پیدا ہونے والا خلاء افغان نیشنل آرمی نے پُر کیا ہے لیکن گزشتہ صرف ایک برس کے دوران میں اس کے ۴۵۰۰ فوجی ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تعداد ۱۳ برس کے دوران نیٹو فورسز کی مجموعی ہلاکتوں سے بھی زیادہ ہے۔ نیٹو نے افغانستان میں اپنی جنگ ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اب طالبان کے خلاف لڑنے کی پوری ذمہ داری دو لاکھ افسروں اور اور جوانوں پر مشتمل افغان فوج پر آپڑی ہے۔ اب ایک بڑا سوال اٹھایا جارہا ہے کہ آیا سرحد کے دونوں جانب شدت پسندی اور دہشتگردی ختم کرنے کی جنگ اسلام آباد اور کابل کے تعلقات میں بہتری لاسکے گی؟ افغان صدر اشرف غنی اور وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف ماضی کی ان کشیدگیوں کو ختم کرنے کی پرخلوص کوششیں کر رہے ہیں جو دہشتگردی کے خلاف مؤثر کاروائیوں کی راہ میں حائل رہیں۔ حامد کرزئی کے برعکس صدر افغانستان اشرف غنی کا کہنا ہے کہ وہ زیادہ عملیت پسندی اختیار کریں گے، وہ زیادہ عملی تدابیر اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ دہشتگردی سے نمٹنے کیلئے پاکستان کی حکومت، فوج اور اہل سیاست کے رویے میں مثبت تبدیلی واضح طور پر دکھائی دے رہی ہے اور ظاہر ہے بھارت اس پر تلملا رہا ہے کہ اب افغانستان میں اس کا کردار ختم ہوگیا ہے جس کی وجہ سے برہمن سیاست میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔

بروز ہفتہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۳۱ جنوری ۲۰۱۵ء

یہ غسلِ خون بھی رائیگاں نہ چلا جائے

اسے پہلے بھی اپنے ہی خون میں نہلایا گیا تھا تب بغداد واقعی عروس البلاد تھا۔ مشہور مورخ فلپ کے ہٹی تاریخِ عرب میں لکھتا ہے کہ جب ہلاکو خان اسماعیلی حشیشین جو حسن بن صباح کے پیروکار تھے کی سرکوبی کیلئے قلعہ الموت کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس نے خلیفہ المستعصم (۱۲۴۲ء۔۱۲۵۸ء) کو اس مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ خلیفہ نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ہلاکو نے نہ صرف قلعہ الموت فتح کر لیا تھا بلکہ جس بستی نے بھی مزاحمت کی اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی۔ ستمبر ۱۲۵۷ء میں وہ شاہراہ خراساں پر بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا، اب اس نے خلیفہ کو الٹی میٹم بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔ اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر دے اور شہر کی بیرونی فصیل گرا دے۔ تسلی بخش جواب نہ پا کر منگولوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

جنوری ۱۲۵۸ء میں حملہ آور فوج کی منجنیقیں بغداد کی فصیل پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ جلد ہی ایک مینار ٹوٹ چکا تھا اور فصیل ٹوٹ گئی تھی۔ حملہ آور شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ اب ہلاکو خان کو "شہر امن" میں خلل نہ ڈالنے کا صائب مشورہ دیا گیا۔ اسے بتایا گیا کہ "اگر خلیفہ مارا گیا تو ساری کائنات دگرگوں ہو جائے گی، سورج اپنا چہرہ چھپا لے گا، بادل برسنا چھوڑ دیں گے اور سبزہ اگنا بند ہو جائے گا۔" ہلاکو خان نے ان خدشات پر ذرہ بھر دھیان نہیں دیا۔ دس فروری تک منگول بغداد پر قابض ہو چکے تھے۔ خلیفہ اپنے تین ہزار درباریوں کے ہمراہ غیر مشروط طور پر فاتح کے حضور پیش ہوا۔ دس دنوں میں وہ سب تہہ تیغ ہو چکے تھے۔ شہر لوٹ مار کی نذر ہوا پھر اسے آگ لگا دی گئی۔ نصف سے زیادہ آبادی قتل ہوئی، لاشوں کی سڑاند اور بدبو اتنی تیز تھی کہ ہلاکو خان کو چند روز کیلئے بغداد سے باہر جا کر رہنا پڑا۔

سیّد امیر علی نے ابن خلدون کے حوالے سے لکھا ہے کہ چھ ہفتوں پر محیط قتل و غارت میں سولہ لاکھ انسان رزقِ خاک ہو گئے۔ خدا معلوم تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے یا نہیں، بعض واقعات تو گزرے ہوئے سانحات کا عکس نظر آتے ہیں۔ موجودہ بغداد کا حشر دیکھئے، ہلاکو خان دور دراز سے وارد ہوا تھا، اسے بغداد سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تاخت و تاراج، لوٹ مار اور ہوس گیری ہی چڑھائی کے اسباب تھے۔ اکیسویں صدی کا ہلاکو خان سات سمندر سے تشریف لایا ہے۔ اس نے صرف بغداد اور کابل کو تاراج نہیں کیا بلکہ اسلام آباد میں بھی ڈیرے ڈال لئے۔ بغداد اور کابل والوں کے میزائل کیا آہیں بھی وہاں نہیں پہنچ سکتیں تھیں مگر پھر بھی گرجتا برستا چلا آیا۔ ویسا ہی الٹی میٹم دیا۔ صدام نے بھی حاکمِ وقت خلیفہ المستعصم کی طرح لیت و لعل سے کام لیا۔ ہو سکتا ہے میدانِ کربلا میں برپا ہونے والے معرکہ حق و باطل کا منظر بھی اس کے پیشِ نظر رہا ہو، خلیفہ کو زندگی سے پیار تھا، کسے نہیں ہوتا، زندگی کا تو تقاضہ ہی جیئے جانا ہے مگر شرفِ انسانی کا اپنا معیار ہے۔ اس کی میزان میں شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو ٹیپو سلطان شہید کا نام کب سے مٹ چکا ہو۔ وہ نہ صرف آج بھی تاریخ کی کتابوں میں زندہ اور کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں بس رہا ہے بلکہ ان کی قبر بھی زندۂ جاوید ہے۔ حضرت سلطان باہو نے فلاح اور کامیابی کی پہچان ہی یہ بتائی ہے کہ ہاتھ انہیں کے کچھ لگا "قبر جنہاں دی زندہ ہو" سرنگاپٹم کے قریب چھوٹی سی ندی کے کنارے واقع مزار شہید پر جنہیں حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ شہید نے طوقِ غلامی کے عوض طوالتِ عمر کا سودا نہ کرتے ہوئے صحیح فیصلہ کیا تھا۔

یہ سنہری روایت بھی کتنی شاندار تھی۔ نواسۂ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اور اپنے خانوادۂ کے خونِ مطہر سے قرطاسِ عالم پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جان جاتی ہے تو جائے، مومن کا ہاتھ "یزید کے ہاتھ" میں نہیں جائے گا۔ سچ ہی تو ہے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ کربلا کیا ہے، یہ فیصلے کی وہ

گھڑی ہے جو غیور انسانوں سے اپنی جان اور اس سے بھی عزیز تر متاع کی قربانی مانگتی ہے تاکہ سب کچھ دینے والے کا حق ادا ہو سکے۔ فنا ہو جانا بچوں کا کھیل نہیں، زندگی دوام چاہتی ہے۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ ہزاروں سال جیئے اور ہر سال کے دن ہوں پچاس ہزار۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح سرنگاپٹم کے قلعے میں محصور ٹیپو سلطان نے بھی یہی چاہا ہوگا۔ اس کی عمر ہی کیا تھی! اس وقت ۴۸ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن 'جوانی بھی نہیں ڈھلی تھی، بہار جوبن پر تھی۔ ہنگامِ سفر ٹل بھی سکتا تھا۔ جنرل ہارس نے ۲۲ اپریل ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم پر گولہ باری شروع کرنے سے پہلے مصالحت کی پیشکش کی تھی، شرائط البتہ کڑی تھیں۔ سلطان سے کہا گیا تھا کہ "آدھی سلطنت چھوڑ دو' دو کروڑ تاوان ادا کرو، چار بیٹے اور چار جرنیل یرغمال دو۔" جواب چوبیس گھنٹے کے اندر مانگا گیا تھا۔ طاقت کے نشے میں چور حملہ آور ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار آتے ہیں جو شکار کو چند سانسوں کی مہلت دینا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ تہذیب و تمدن نے لاکھ ترقی کی ہو مگر نہ طاقت کے نشہ میں کوئی کمی آئی ہے اور نہ اس کے طور طریقے بدلے ہیں۔

سلطان کی غیرت نے گردن جھکا دینے کی اجازت نہ دی، مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انگریز چومکھی لڑتا تھا، جنگ میں سب کچھ روا تھا۔ دشمن کے عمائدین پر ڈورے ڈالنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ بشری کمزوریوں کا جائزہ لینے کے بعد وہ طے کرتا کہ کس کس پنچھی پر جال پھینکا جائے۔ ان کی چالیں بالکل اسی طرح کامیاب رہتیں جس طرح آج کے دور میں امریکہ بہادر کی بڑے لوگوں کو خرید لینے کی مہم کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ مئی کی صبح کو بھی یہی ہوا۔ "پورنیا" دشمن کے پاس بک گیا تھا۔ انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو گئی تھی۔ سلطان دوپہر کے کھانے کیلئے ابھی بیٹھا ہی تھا، کہتے ہیں پہلا لقمہ اٹھایا تھا کہ دشمن کے قلعے میں داخل ہونے کی اطلاع ملی۔ ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا "ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں"۔ اٹھے اور چند جانبازوں کے ہمراہ حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ طاقت کے غیر معمولی عدمِ توازن سے کیسے نپٹا جا سکتا ہے۔ دفاع کرتے کرتے جامِ شہادت نوش کیا۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

بے پناہ ننگی جارحیت ایک ایسا سیلابِ بلا ہے جس کا دھارا رکے نہیں رکتا جب تک اس کے مدمقابل اس سے بڑی طاقت خم ٹھونک کر کھڑی نہ ہو جائے۔ مستقبل قریب میں ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ جن میں دم خم ہے وہ اپنی اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ تیسری دنیا بیچاری تو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہے جس پر مغربی استعمار نے چند "گڈریئے" مقرر کر رکھے ہیں جن میں سے کئی ایک رکھوالوں کے روپ میں بھیڑیئے ہیں۔ ریوڑ میں سے جو بھیڑ بکری ذرا سا بھی سر اٹھائے اس کی وہ درگت بنتی ہے یہ آنیوالی نسلوں کیلئے بھی نشانِ عبرت بن جاتی ہے۔ یہی الزام پہلے افغانستان پر تھا پھر عراق اس الزام میں دھر لیا گیا اور درپردہ ابھی تک پاکستان پر اپنے خوں آشام دانت گاڑنے کے منصوبے جاری و ساری ہیں۔ کہنے کو تو فاتحین کرام ببانگِ دہل یہ ارشاد فرما کر افغانستان میں داخل ہوئے تھے کہ عالمی امن کو ان دہشت گردوں سے خطرہ ہے اور عراق میں داخل ہوتے وقت یہ نعرہ لگایا تھا کہ وہ محکوم و مجبور اہلِ عراق کو آزادی کا تحفہ عطا کرنے آئے ہیں، حکومت بدلتے ہی وہ آزاد شہری ہونگے، ان کی اپنی حکومت ہو گی، وہ عراق کی دولت کے خود مالک ہونگے، اپنی تقدیر خود بنا سکیں گے، اپنے بچوں کا مستقبل خود سنوار سکیں گے اور جبکہ پاکستان کو اس بات سے ڈرایا گیا کہ یہ دہشت گرد کہیں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کر کے ساری دنیا کا امن نہ تباہ کر دیں۔ ہم جہاں پاکستان کو اس خطرے سے نکلنے میں مدد کریں گے وہاں پاکستان کے غریب عوام کی تقدیر بدلنے میں بھی ان کی مدد کریں گے۔ آہ! کتنے شیریں ہیں تیرے لب؟ پھول ہی پھول جھڑتے ہیں ان سے!

تاریخ کی گواہی البتہ ایسے خوشنما وعدوں پر اعتبار کر لینے میں مانع ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد فاتح انگریز جرنیل نے بھی بغداد میں مژدہ سنایا تھا کہ وہ عراق پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ فقط اس پر موقوف نہیں ہے، جس فاتح نے بھی وہاں قدم رنجہ فرمایا اس نے وہیں اپنے خونی پنجے گاڑ دیئے۔

کون جابر اپنی مرضی سے کبھی مفتوحہ علاقوں سے گیا ہے؟ ہاں، حالات اور مقامی آبادی کا جذبۂ حریت انہیں تشریف لیجانے پر مجبور کردے تو اور بات ہے؟

بڑی پریشانی کا دور ہے، بے گناہوں کو تڑپ تڑپ کر جان دیتے بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کہ وہ اپنے وطنِ عزیز کا دفاع نہ کریں ۔ الجھن ہی الجھن ہے، بیکس انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کیا کرے؟ کدھر جائے؟ حالیہ انتخابات میں بشمول بلوچستان کروڑں لوگ سڑکوں پر امڈ آئے اور اپنی اس ناکامی کے بعد اب ان مٹھی بھر ملت فروش اور عیار دشمن کے مسلط کردہ ایجنٹوں کو ایک نئے ایجنڈے کے ساتھ سر گرم کردیا گیا ہے۔ حافظ شیرازی کا بھی ایسے ہی حالات میں دل دکھا ہوگا۔ وہ لسان الغیب بڑے غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" (اپنی سلطنت کے راز بادشاہ ہی جانتے ہیں) اس لئے کسی "گدائے گوشۂ نشیں" (جھگی والے فقیر) کو شور وغوغا نہیں کرنا چاہئے لیکن ہم کب تک جھگی والے فقیر بنے بیٹھے رہیں گے۔ بیداری کا احساس جن مربی دوستوں کو ہے وہ تو برملا ان سانپوں کا سر کچلنے کا مشورہ دے رہے ہیں بہر حال اشرافیہ اگر اب بھی نہیں سمجھتی تو جان لے کہ "تیری بربادی کے مشورے ہیں آسمانوں میں"۔

اب تو یہ بھی طشت از بام ہو چکا ہے کہ را، سی آئی اے اور موساد نے کس تیزی کے ساتھ عراق اور افغانستان کے بعد بالخصوص بلوچستان میں عراق اور افغانستان سے کہیں زیادہ سرمایہ کاری کرکے کن خطرناک ارادوں سے اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کیلئے خونی پنجے گاڑنے کی ازحد کوشش کی تھی اور بعض اوقات تو یوں لگ رہا تھا کہ اس بار جو میدانِ جنگ سجنے جارہا ہے اس میں ان بے سروسامان پاکستانیوں کو شائد خود ہی اس سیلاب کے سامنے بند باندھنا پڑے، انہیں خود ہی ان بن بلائے مہمانوں کو دربدر کرنا پڑے اور فلوجہ، نجف، بغداد اور کابل 'قندھار اور غزنی کے عوام کی طرح لڑنا ہمارا مقدر ٹھہرے گا بہر حال بلوچستان میں لوکل باڈی الیکشن میں ایک مرتبہ پھر عوام نے ان کا بستر تو گول کردیا ہے لیکن بلوچستان میں حالیہ دہشت گردی کی لہر نے وطن دشمن طاقتوں کے عزائم کا پول کھول دیا ہے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ اس سے پہلے کہ شکاری اپنی مچان بنانے میں پوری طرح کامیاب ہو جائے، اسے پوری قوت کے ساتھ اس دھرتی سے دربدر کرنا ہوگا ورنہ پھر کسے علم اس کے نشانے کی زد پر کس کا گھر ہو، کس کا بیٹا ہو، باپ، ماں یا بہن ہو۔ ماتم کرنے سے پہلے سیلاب کو روکنا بہت ضروری ہے وگرنہ وہی سحر جو خونِ صد ہزار انجم سے پیدا ہوتی ہے، ڈر ہے کہیں یہ غسلِ خون بھی رائیگاں نہ چلا جائے!!!

ادھر قصرِ سفید کے فرعون نے حالیہ بھارتی دورے میں اپنے کاروباری اور سیاسی مفادات کے پیش نظر ایسی انہونی پیشکش کا بھی ذکر کیا ہے جس کے متعلق خود بھارت بھی جانتا ہے کہ جب تک سلامتی کونسل میں کشمیر کے معاملے پر قرار دادیں موجود ہیں، لاکھ کوشش کے باوجود سیکورٹی کونسل کی مستقل سیٹ حاصل کرنا ایک دیوانے کے خواب سے بڑھ کر نہیں اور جہاں تک قصر سفید کے فرعون نے افغانستان کیلئے بھارت کو اپنا مشترکہ

دوست قرار دیا ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں لیکن زمینی حقائق تو یہ ہیں کہ امریکا اپنے اتحادیوں سمیت افغانستان سے شکست فاش کے کلنک کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر سجائے رخصت ہو رہا ہے اور دوستی کا فیصلہ اب افغانستان کی ان طاقتوں نے کرنا ہے جن کی پامردی اور ثابت قدمی نے امریکا کو اس کے ساتھیوں سمیت اس خطے سے نکال باہر کیا ہے اور امریکا کی فوجی قوت کا غرور پاش پاش کر دیا ہے۔ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور عیار دشمن کو اس کی خبر ہے کہ پاکستان کی قسمت کا پانسہ پلٹنے والا ہے لیکن کیا موجودہ حکومت نے اس کی تیاری کر رکھی ہے؟

بروز اتوار ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ یکم فروری ۲۰۱۵ء

دشمن شکاری اور مسقل مچان

جب سے افغان صدر اشرف غنی نے پاکستان کے ساتھ از سر نو اپنے تعلقات کو سنوارنے کی کوششیں شروع کی ہیں، اسی دن سے پاک افغان بہتر تعلقات سے خائف بھارت اور امریکا نے دباؤ ڈال کر اشرف غنی کی نامزد کابینہ میں شمالی اتحاد کے سربراہ عبداللہ عبداللہ کے توسط سے اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی ہے۔ پاکستان کے ساتھ تعلقات کے حامی کئی نامزد وزراء کو افغان پارلیمان نے توثیقی ووٹ دینے سے انکار کر دیا ہے جبکہ بھارت کی ایماء پر افغانستان کے چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ نے پاکستان دشمن عناصر کو اہم وزارتیں دلوانے کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے افغان صدر اشرف غنی کی جانب سے پاکستان کو مطلوب افراد کی حوالگی کے منصوبے کو ناکام بنانے کیلئے سابق انٹیلی جنس چیف اور پاکستان کے کٹر مخالف شمالی اتحاد کے رہنماء امر اللہ صالح کو وزیر خارجہ اور جنرل باباجان کو وزیر داخلہ کیلئے نامزد کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ افغان صدر اشرف غنی نے مصالحتی کمیشن کے سربراہ صلاح الدین ربانی کو وزیر خارجہ اور جنرل علوی کو وزیر داخلہ کیلئے نامزد کیا تھا تاہم ارکانِ پارلیمان نے انہیں ووٹ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ ماہ بھارت کے عملاً تمام ایجنسیوں کا سربراہ اجیت ڈوول (ڈیول) کے دورۂ افغانستان میں شمالی اتحاد کے اہم رہنماؤں سے ایک خفیہ ملاقات میں افغانستان کی ممکنہ کابینہ کے بارے میں کھل کر کئی فیصلے کئے گئے تھے اسی لئے پارلیمان کے کئی اراکین نے امریکی اور بھارتی سفارت خانوں کی جانب سے واضح ہدایات کے بعد پاکستان نواز افغان سیاستدانوں کی بحیثیت وزراء توثیق نہیں کی جس کے بعد صدر اشرف غنی کی جانب سے نامزد وزراء کی جگہ افغانستان کے چیف ایگزیکٹو ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کھل کر میدان میں کود پڑے اور ان مذکورہ بھارتی حمائت یافتہ افغان افراد کو بحیثیت وزراء نامزد کر دیا۔

ذرائع نے یہ بھی بتایا کہ بھارت نے اشرف غنی کے نامزد کابینہ ارکان کو اراکین پارلیمان سے مسترد کرانے کیلئے ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ اور ان کے اہل خانہ کو استعمال کیا جن میں بیشتر بھارت میں مقیم پر تعیش آسائشوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ بھارتی حکام کو خدشہ تھا کہ اگر افغانستان کی وزارتِ داخلہ اور وزارتِ خارجہ پاکستان کے حامی افغان سیاستدانوں کے ہاتھ میں آگئی تو افغانستان میں بھارت کی پاکستان مخالف سرگرمیاں بے نقاب ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے پارلیمان سے اشرف غنی کے نامزد کردہ وزراء کی توثیق رکوانے کیلئے اپنا اثر و رسوخ اور امریکی اور بھارتی خطیر سرمایہ بھی استعمال کیا جس کے نتیجے میں صلاح الدین ربانی اور جنرل علوی کو دستبردار ہونا پڑا۔ سابق انٹیلی جنس چیف اور پاکستان کے کٹر مخالف شمالی اتحاد کے رہنماء امر اللہ صالح کی بھارتی "را" اور نریندر مودی سے قربت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور ماضی میں پاکستان کے خلاف بلوچ علیحدگی پسندوں کو رقوم اور اسلحے کی فراہمی سمیت افغانستان میں تربیت اور پناہ گاہیں مہیا کرنے میں بھی امر اللہ صالح کا بنیادی کردار ہے جبکہ پاکستان کے خلاف سرحدی جھڑپوں میں بھی امر اللہ صالح کی بھارتی "را" کے ساتھ مل کر پلاننگ کے مبینہ اور مصدقہ شواہد بھی موجود ہیں۔ ان ہی کے دور میں پاکستان کی سرحد پر افغان سرحدی ملیشیا تعینات کی گئی تھی۔ سابقہ خدمات کی بناء پر ہی امریکا اور بھارت نے اپنے منظور نظر ایجنٹ امر اللہ صالح کا نام بطور وزیر خارجہ تجویز کیا ہے تاکہ مستقبل میں امریکی اور بھارتی مفادات کو پروان چڑھایا جاسکے۔

ذرائع کے مطابق اس طرح امریکی صدر باراک اوباما کے بھارتی دورے سے قبل ہی بھارت کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی۔ دراصل پشاور سانحے کے بعد پاکستان آرمی چیف جنرل راحیل، موجودہ سیاسی حکومت، اور تمام سیاستدانوں کے ساتھ ساتھ پوری قوم کا ایک صف میں یکجا ہو کر اس دہشتگردی کے تمام مجرموں کے ساتھ ان کے مددگاروں اور پناہ گاہوں کا قلعہ قمع کرنے پر مکمل اتفاق اور ہر قسم کی قربانی دینے کا عزم صمیم کے بعد

افغان صدر اشرف غنی اور ایساف کے کمانڈر جنرل کیمبل کے سامنے اس دہشتگردی کے مکمل شواہد مہیا کر کے ان مجرموں کی جلد از جلد حوالگی کا مطالبہ رکھا گیا جنہوں نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس معاملے پر نہ صرف کاروائی کی یقین دہانی کروائی بلکہ افغانستان میں ہونے والی تمام کاروائی سے پاکستان کو پیشگی مطلع رکھنے کا نیٹ ورک بھی عمل میں لایا گیا۔اس سلسلے میں ملا فضل اللہ اور دیگر دہشت گردوں پر نہ صرف ڈرون حملوں کا آغاز ہو گیا ہے بلکہ امریکا نے سرکاری طور پر ملا فضل اللہ کو دہشتگرد قرار دیکر اس کے گرد گھیرا بھی تنگ کر دیا ہے لیکن بھارت نواز شمالی اتحاد کے یہی رہنماء ان دہشتگردوں کو نہ صرف ڈرون حملوں اور دیگر کاروائیوں سے تحفظ فراہم کر رہے ہیں بلکہ افغان صدر اشرف غنی کے پاکستان کے مطلوب افراد کی حوالگی کے منصوبے کو ناکام بنانے کیلئے کابینہ میں افغان صدر کی جانب سے نامزد وزراء کی نامزدگی کی توثیق کو ناکام بنا کر بھارت اور امریکا نواز افراد کی تقرری کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

ذرائع کے بقول امر اللہ صالح پاکستان کو مطلوب افراد کی حوالگی کے سخت مخالف ہیں کیونکہ مطلوبہ افراد کی حوالگی سے بھارت، امریکا اور شمالی اتحاد کی ان افراد کو دی جانے والی معاونت سامنے آجائے گی۔ذرائع کے مطابق جنرل باباخان کو وزیر داخلہ بنانے کا مقصد افغانستان سے "را" سی آئی اے اور موساد کے مشترکہ پلان پر عملدرآمد کر کے پاکستان کے مفادات کو نہ صرف نقصان پہنچانا ہے بلکہ بلوچستان کو غیر مستحکم کر کے پاک چین کے مشترکہ مفادات کو گوادر میں ناکام کرنا مقصود ہے اور وسطی ایشیا کی تمام ریاستوں سے براستہ افغانستان اور ایران کی چاہ بہار بندر گاہ کو اپنے کاروباری مفادات کو توسیع دینا ہے۔سب کو علم ہے کہ جنرل بابا، جنرل دوستم کے انتہائی قریبی ساتھی ہے اور کیمونسٹ جنرلوں میں ان کا نمایاں مقام ہے۔ جنرل باباجان کے وزیر داخلہ بننے سے بلوچستان کے باغیوں اور مولوی فضل اللہ گروپ کو افغانستان میں اپنی مذموم سرگرمیاں جاری رکھنے کیلئے ایک مضبوط سہارا مل جائے گا۔

ذرائع کے مطابق امر اللہ صالح اور جنرل باباجان کی افغان کابینہ میں شمولیت سے مولوی فضل اللہ، مولوی فقیر محمد، برہمداغ بگٹی کے حامیوں اور دیگر بلوچ باغیوں کی پاکستان حوالگی ناممکن ہو جائے گی۔سانحہ پشاور کے بعد افغانستان اور پاکستان کے درمیان کئی معاملات پر خاصی پیش رفت ہو چکی تھی لیکن عبداللہ عبداللہ کی جانب سے مولوی فضل اللہ کی افغانستان موجودگی سے انکار کے بعد معاملات میں رکاوٹ آگئی ہے۔ذرائع کے مطابق افغان صدر اشرف غنی کے نامزد افراد کو پارلیمان سے مسترد کرانے کی کوششوں میں سابق صدر چغہ پوش مسخرے حامد کرزئی، عبداللہ عبداللہ اور شمالی اتحاد کے بھارتی حامی ملوث ہیں۔اب موجودہ حالات کے مطابق امر اللہ صالح اور جنرل باباجان کی نامزدگی سے اشرف غنی کی کمزوری ظاہر ہو رہی ہے۔

امریکی اور بھارتی حکام اشرف غنی کی جانب سے پاکستان کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات کو انتہائی تشویش سے دیکھ رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کیلئے ہر اس کام میں جس میں پاکستان کے ساتھ تعاون کا منصوبہ ہو، اس میں مشکلات کھڑی کر کے ناکام بنانے کی پرزور کوششیں جاری ہیں۔چونکہ اشرف غنی کو سیاسی جماعتوں کی حمائت

حاصل نہیں جبکہ بھارت کے پروردہ اور ٹرائیکا کی طرف مکمل جھکاؤ رکھنے والے شمالی اتحاد کے عبداللہ عبداللہ ٹرائیکا کی مہیا کردہ "کثیر سرمایہ کاری" کی وجہ سے کئی جماعتوں کی حمائت حاصل کر چکے ہیں اس لئے انہوں نے امر اللہ صالح کی نامزدگی مسترد ہونے کی صورت میں احمد شاہ مسعود کے چھوٹے بھائی احمد ولی مسعود، کریمی خلیلی کے قریبی عزیز مسعود خلیلی اور عبدالستار مراد کو متبادل کے طور پر نامزد کر دیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کے قریبی ذرائع نے بتایا کہ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے کرزئی کو خوش کرنے کیلئے ان کے قریبی ساتھی اور امریکا میں سابق سفیر طیب جواد اور حبیبہ سرابی کو اپنا ایڈوائزر مقرر کر دیا ہے۔ طیب جواد کا شمار بھی پاکستان کے شدید مخالفین میں ہوتا ہے۔

ذرائع کے مطابق امریکی صدر کے دورۂ بھارت کے موقع پر عبداللہ عبداللہ کی جانب سے اہم نامزدگیوں کے اعلان کی بنیادی وجہ اشرف غنی کی جانب سے چین کے ذریعے امن کوششوں کو ناکام بنانا ہے جس میں چین نے بھارت اور امریکا کو شامل کئے بغیر خطے کے ممالک کے ساتھ امن ڈائیلاگ شروع کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی تاہم اشرف غنی کی نامزد کردہ کابینہ میں ان تبدیلیوں کے بعد اس منصوبے پر عمل درآمد کافی مشکل نظر آرہا ہے۔ ذرائع کے مطابق حیر بیار مری اور برہمداغ بگٹی کو افغانستان میں بھارتی پاسپورٹ فراہم کرنے میں کرزئی حکومت اور امر اللہ صالح کا بنیادی کردار تھا لہذا اب بلوچ باغیوں اور دیگر مطلوب افراد کے خلاف افغان حکومت کی کاروائی میں تاخیر ہو سکتی ہے جس سے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات پھر خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ حکومت اپنے مشیروں کی بری طرح ناکام خارجہ پالیسیوں کو تسلیم کرتے ہوئے فوری طور پر ایک ایسے مستقل وزیر خارجہ کی تقرری کرے جو دشمن شکاریوں کو افغانستان میں مسقل مچان بنانے سے قبل ہی افغانستان اور ایرانی امور کے ماہرین سے رابطہ کر کے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں ہنگامی اور انقلابی تبدیلیاں کر کے ملک کو مستقبل میں ہونے والے خطرناک اندیشوں کا سدباب کرے۔ پاکستان کی موجودہ سیاسی بحرانوں سے ابھی تک تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ فیصلہ کرنے میں جس سرعت اور عجلت کا اظہار عمران خان کرتے ہیں، اسی قدر فیصلے میں تاخیر اور سستی کا اظہار میاں صاحب سے منسوب ہے لیکن یاد رکھیں اس وقت ذرا سی بھی تاخیر ملک کی سلامتی کیلئے ناقابل تلافی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔

بروز بدھ ۱۵ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۴ فروری ۲۰۱۵ء

انجانی منزل کے بھٹکے مسافر

مجھے آپ کے حوصلے اور بہادری پر رشک آتا ہے مگر آپ جس مقصد کے لئے اپنی جان دے رہے ہیں وہ غلط ہے۔ آپ اپنی بھری جوانی کے چمکتے دنوں کو ایک خاص مشن کی نظر کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے ارادوں سے باخبر رکھا یا نہیں؟ آپ یقیناً سوچتے ہونگے کہ جس ماں نے پیدائش سے پہلے نو ماہ تک آپ کے حسین تصور میں زندگی گزاری، آپ کو سوچا، محسوس کیا، برداشت کیا، پھر آپ کی پہلی آواز سن کر کتنی خوشی ہوئی ہوگی، کتنے برس تک کس طرح سینے سے لگایا ہوگا، بلائیں لی ہوں گی، کتنے خواب بنے ہوں گے، اس کو کیسے بتائیں گے کہ میں اپنی زندگی کا باب خود بند کرنے والا ہوں۔ آپ کو یہ فکر بھی یقیناً لاحق ہوگی کہ جس باپ نے آپ کی آنکھوں میں چمک میں اپنے بڑھاپے کا سہارا دیکھا ہے، جسے آپ کے کڑیل بازوؤں میں اپنے خاندان کے مستقبل کی طاقت نظر آتی ہے، اسے کیسے بتائیں کہ آپ اپنی عمر بھر کی کہانی ادھوری چھوڑنے والے ہیں۔

تنہائی میں آپ کی آنکھوں کے سامنے بار بار وہ مناظر گزرتے ہوں گے جن میں کتنے نوجوان جسم مختلف ملکوں میں گلیوں اور سڑکوں پر کاروں میں موٹر سائیکلوں میں بموں کے ساتھ پھٹ کر بکھر گئے، فدائیت کی خونی داستاں رقم کر گئے۔ یہ بھی آپ یقیناً سوچتے ہوں گے کہ ان کے والدین، بہنوں اور بھائیوں پر کیا گزری ہوگی۔ آپ یقیناً بہت حساس، ذہین ہیں، دردمند ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ آپ کا کس تنظیم سے تعلق ہے اور آپ کون سے ارفع مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ ہمیں ضرور علم ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ کے خلاف ہیں، مسلمانوں پر مظالم سے دل گرفتہ ہیں، مسلمان حکمرانوں کے بے حسی اور مسلمانوں کی بے بسی سے آپ کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔ لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اب تک جتنے خودکش حملہ آور اپنی جانوں پر کھیل گئے اس سے یہود و نصاریٰ کو کتنا نقصان پہنچا؟ کیا اس کے بعد مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ رک گیا؟ نقصان تو عالمِ اسلام کا ہی ہوتا ہے۔

پاکستان جسے آپ اسلام کا قلعہ سمجھتے ہیں، اس کی معیشت برباد ہو جاتی ہے، سرمایہ لگانے والے اپنے اپنے ملک واپس چلے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف مزید پابندیاں لگ جاتی ہیں، مزید نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پاکستان میں اب تک ان خودکش حملوں میں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں جو آپ ہی کی طرح اس استعمار سے نفرت رکھتے تھے۔ اب تک ۵۳۳ بم دھماکے ہو چکے ہیں جس میں ۲۷۲ / افراد سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں۔ سوا رب ڈالر سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے، ایک دفعہ پھر درجن سے زائد انبیائے معظم و صحابہ کرام مسلمان اولیاء کے مزارات کو نشانہ بنا کر ان کے عقیدت مندوں کو موت کے گھاٹ اتار کر آخر کون سی اسلام کی خدمت انجام دی گئی ہے! امریکا اور یورپ میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے پاکستانی بہن بھائی بسلسلہ تعلیم، روزگار مقیم ہیں۔ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی ہیں، ان سب کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ وہاں دوسرے بلکہ تیسرے درجے کے شہری بن کر رہ جاتے ہیں۔ عام طور پر مسلمانوں کو دہشتگرد قرار دے دیا جاتا ہے۔ امن، سلامتی اور رواداری کے مذہب اسلام کو نفرت اور دہشت سے منسوب کیا جاتا ہے اور یقیناً آپ کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ آپ کے اس عمل سے ہمارے امن پسند دین کو برملا برا بھلا کہا یا سمجھا جائے۔

آپ نے یقیناً اسلامی ملکوں اور دوسرے ملکوں میں عام شہریوں کو ملنے والی سہولتوں کا مقابلہ کیا ہوگا۔ اسلامی ملکوں میں رہنے والے زندگی کی آسانیوں سے محروم ہیں، تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، سائنس میں عملی طور پر کوئی مقام نہیں رکھتے، اکثر ملکوں میں شخصی آزادیاں سلب ہو چکی ہیں جب کہ اسلام

کے انتہائی نامور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا بڑا مشہور قول ہے کہ "اللہ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے "لیکن ہم نے ان کو ایک خاص نظام کے تحت غلام بنا رکھا ہے۔ بندوں نے بندوں کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے، کوئی نہیں جو اللہ کے ان بندوں کو، بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دیدے، لوگوں کو اپنی مرضی کے حکمراں چننے کا حق نہیں ہے۔ اپنی اپنی سیاسی جماعتیں بنا رکھی ہیں اور اس کی قیادت بھی موروثی ہے، ان جماعتوں میں مذہبی جماعتیں بھی ہیں اور سیاسی شخصی جماعتیں بھی موجود ہیں۔ شخصی حکومتیں قائم ہیں، وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، جس سے چاہیں معاہدے کرتے ہیں، جو چاہیں ملک کی پالیسی بناتے ہیں اور نام نہاد مذہبی علماء بھی اپنے مفادات کی خاطر ان کے اس عمل میں برابر کے شریک ہیں۔

آپ نے یہ بھی دل کی گہرائی سے ضرور محسوس کیا ہوگا کہ مسلمان بحیثیت قوم اور مسلمان بحیثیت ایک بلاک مغرب کی منفی پالیسیوں کا مشترکہ ہدف ہیں لیکن مسلمان خود متحد ہو کر اس یلغار کا مقابلہ نہیں کرتے ہیں۔ نیویارک میں دہشت گردی کی واردات پر امریکا تمام مغربی ممالک کو اکٹھا کر کے افغانستان پر چڑھ دوڑتا ہے۔ "القاعدہ" کا نام لیکر تمام مسلمان ملکوں میں ایک مہم چلا دیتا ہے لیکن فلسطین میں ہونے والے مسلسل مظالم پر مسلم دنیا اکٹھی ہو کر اسرائیل پر نہیں چڑھ دوڑتی، ایک آواز بلند نہیں کرتی۔ کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر بھارتی فوج مسلسل ظلم و ستم ڈھا رہی ہے، اقوامِ عالم کے سامنے بھارت نے کشمیریوں کو حقِ خود ارادیت دینے کا وعدہ کیا تھا جس کے ضامن دنیا کے یہی بڑے بڑے ممالک تھے جس میں یورپ اور امریکا بھی شامل تھے، اب منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بھارت کے اس مظالم پر خاموش ہیں۔ بھارت اب تک ایک لاکھ سے زائد کشمیریوں کو شہید کر چکا ہے، مسلمان خون دنیا میں کبھی اس قدر ارزاں نہیں تھا جس کا مظاہرہ کشمیر میں ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود اس نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جمایا ہوا ہے اور اس کے خلاف مسلم برادری متحد نہیں ہوتی ہے۔

آپ کو یقیناً قلق ہوتا ہوگا کہ عالمِ اسلام منتشر کیوں ہے، مسلمان پسماندہ کیوں ہیں، مسلمان نت نئی ایجادات کیوں نہیں کرتے، یہ ہتھیاروں کی خریداری کیلئے امریکا اور مغربی ممالک کے محتاج کیوں ہیں، مسلمان ملک ایک دوسرے کیلئے اسلحہ کیوں نہیں بناتے ؟؟؟؟ یہ دکھ، ساری محرومیاں، پچھتاوے، سب دردمند نوجوان مسلمانوں کے مشترکہ ہیں لیکن اپنے سینے پر ہاتھ رکھئے، محبت کا پیکر اپنی ماں، اپنے شفیق باپ، دل و جاں سے زیادہ عزیز اپنے بہن بھائیوں کی صورتیں تصور میں لائیے، خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے تقدس کو دل میں اتاریئے، بیت المقدس کو نگاہ کے روبرو کیجئے۔ نیل سے لیکر تابخاک کاشغر نقشے پر نظر دوڑایئے، اللہ تعالیٰ نے کتنے قدرتی وسائل ان مسلمان ممالک کو عطا کئے ہیں۔ کتنے عظیم ممالک ہیں، اللہ تعالیٰ کی حسین ترین مخلوق انسان، اور سب سے پسندیدہ دین اسلام کے ماننے والے کتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کیا ان کا مقصد مضبوط دفاعی قوت بننا نہیں ہونا چاہئے، کیا ان کی تقدیر میں مستحکم اور خوشحال معیشت نہیں ہونی چاہئے، کیا ان کے تعلیمی مراکز کو سائنسی اور ایٹمی مراکز نہیں ہونا چاہئے، کیا ان کی مارکیٹیں دنیا کے سب سے زیادہ مصروف بازار نہیں ہونے چاہئیں ؟؟؟؟

امریکا و یورپ کا مقابلہ عالمِ اسلام ایک مضبوط دفاعی بلاک، خود کفیل اقتصادی یونٹ، جدید سائنسی تخلیقی مراکز کے ساتھ ہی کر سکتا ہے اور یہ منزل اسے اس وقت مل سکتی ہے جب آپ جیسے توانا جسم، چمکتی ذہانت، جان نثار کر دینے کا جذبہ رکھنے والے نوجوان اپنے ذہن اور بدن کو گولہ و بارود کے

ساتھ اڑانے کے خوفناک ارادے نہ باندھیں۔ آپ مسلم نوجوان ہیں تو تصور کریں کہ آپ اس آسمان کے ستارے ہیں جہاں ابنِ نفیس (تشریح الابدان کے ماہر) ابنِ ماجد (جہازراں) ابوالوفا زجانی (ریاضی داں) احمد کثیر فرغانی (ماہرِ فلکیات) ابو حافظ جاحظ (ماہر حیوانات) جالینوس (جراح) محمد بن موسیٰ خوارزمی (ریاضی داں) ابوریحان البیرونی (ماہر ارضیات وریاضی) ابوالہیثم ، ابن رشد، فارابی، ابن سینا، امام غزالی کے افکار اور ابو یوسف الکندی، ابو عبداللہ تہانی اور ابو اسحاق بطروحی جیسے عظیم سائنسدانوں کی جماعت کی تحقیق کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی کے عزائم کی خوشبو بکھری ہوئی ہے۔ جہاں جمال الدین افغانی، محمد علی جناح اور علامہ اقبال کی جدوجہد کی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں، یہ عظیم ذہن اور سعید روحیں اگر اسی راستے پر چلی جاتیں جس پر آپ جارہے ہیں تو آج عالمِ اسلام کی کیا حالت ہوتی، علم سے کس قدر خالی ہوتا۔ ضرورت تو یہ ہے کہ ان عظیم ہستیوں کی دریافتوں، فلسفے اور فکر کو آپ جیسے نوجوان آج کے علوم اور آج کے مسائل کی روشنی میں آگے بڑھائیں۔ انہی افکار کو بنیاد بنا کر امریکا اور مغرب کہاں نکل گئے اور ہم کیسی پستی میں گم ہوتے جارہے ہیں!

بروز بدھ ۱۵ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۴ فروری ۲۰۱۵ء

"کونوانصاراللہ"

اللہ اکبر....وہ کون سا گھر ہے آپ کی نگاہیں جس کی دیواروں کی بلائیں لیکر پلٹی ہیں........جہاں آپ کا جسم بھی طواف میں تھا اور آپ کا دل بھی ......دنیا کے بت کدوں میں کل بھی وہ پہلا گھر تھا خدا کا اور آج بھی۔دو چار صدیوں کی بات نہیں بلکہ دنیا کا سب سے پہلا عبادت خانہ!بنی آدم میں کسی کے حافظے میں اس وقت کی یادیں محفوظ ہیں.....!!

اس طویل عرصے میں بے حساب مندر تعمیر ہوئے لاتعداد گرجے آباد ہوئے،کیسے کیسے انقلابات سے یہ زمین آشنا ہوئی کیسی کیسی بلندیاں پستیاں ہوئیں،کون کون سی تہذیبیں ابھریں اور مٹیں....چاہے مصر و بابل ہوں یا روم و ایران لیکن عرب کے ریگستانوں میں چٹانوں اور پہاڑوں کے وسط میں سیاہ غلاف میں لپٹی یہ عمارت جس کو رب نے "اپنا گھر" کہا،اس کو زمانے کا کوئی طوفان،کوئی انقلاب،کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا....جو ابرہہ اس کو بدمست طاقتور ہاتھیوں کے ساتھ مٹانے آیا وہ خود چھوٹی چھوٹی ابابیلوں کی چونچوں سے گرنے والے سنگریزوں سے مٹ گیا بلکہ کھایا ہوا بھوسہ بن گیا اس کا سارا لشکر.....!!

اس سفر حجاز میں بار بار طواف کیا ہے آپ کی نظروں نے اس گھر کا....!ہر تکلف و تصنع سے مبرا یہ سیاہ چوکور گھر....آپ کی نگاہ جب پڑی ہو گی تو جم کر رہ گئی ہو گی!!اور اس موقع پر آپ کو موسیٰ کلیم اللہ یاد آئے ہوں گے،جب اس کے گھر کی تجلی پر ہوش و حواس قائم رکھنا مشکل ہے تو اس گھر کے رب کی تجلی نے کیا کیا ہلچل بپا کی ہو گی!جب گھر کی برق پاشیوں کا وہ عالم ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ کچھ اور دیکھنا بھول جاتا ہے اور ہمیشہ کیلئے یہی نظروں میں سما جاتا ہے تو گھر والے کے دیدار کی تاب انسانی بصارت بھلا کہاں لا سکتی ہے.....!

در مصحف روئے او نظر کن خسرو،غزل و کتاب تا کے

" اس کے چہرے کی زیبائی کو دیکھوا ے خسرو،شعر و کتاب میں کب تک مشغول رہو گے".....!

وہ گھر آپ کی نظروں کے سامنے تجلیاں بکھیر رہا تھا جسے کسی انجینئر،کسی ماہر تعمیرات نے نہیں بنایا تھا،نہ لاکھوں روپے کا سامانِ تعمیر اس پر لگا تھا،نہ جدید مشینری استعمال ہوئی تھی!!!اللہ کے گھر کا معمار.......؟؟ہاں وہ معمار بھی لحہ لحہ آپ کے تصور میں رہا ہو گا جو اپنے سر پر بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لا رہا تھا،جس کے ہاتھ چونے،مٹی اور گارے سے بھرے ہوئے تھے۔عرب کی چلچلاتی ہوئی دوپہروں میں ریگستان کی لو کی پرواکیے بغیر روپے پیسے کی مزدوری سے بے نیاز وہ مزدور.....جو گویا اپنے پورے وجود کو اس گھر کی تعمیر میں لگا رہے تھے اور گھر کا مالک بڑے چاؤ سے بڑے پیار سے ذکر کرتا ہے ان "مزدوروں" کا" جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے:

ہاں ساتھی!اس گھر کی زیارت کرتے ہوئے جب نظریں اس پر ٹھہر گئی ہوں گی آپ کو لگا ہو گا کہ جو ہاتھ اب بیت اللہ کی تعمیر میں مشغول ہیں،پتھر پر پتھر رکھ رہے ہیں ہاتھوں میں چونا اور گارا ہے اور چشمِ اشکبار اشکوں سے لبریز.....کہ دل کا سوز و گداز زبان پر آجاتا ہے کہ 'اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے بے شک تو سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے"۔البقرہ ۱۲۷

تو یہ ہے دوستوں کی شان...عشق کی منزلوں سے آگے کی منزلیں....فدائیت کی منزلیں......کہ سب کچھ لگا کر بھی دھڑکا یہی لگا ہوا ہے کہ مٹنا قبول بھی ہو گا کہ نہیں.....؟؟؟

اگر ایسا گھر نہیں دنیا میں تو اس گھر کے سے مزدور کب دیکھے ہیں دنیا نے؟دنیا کے کسی مزدور نے وہ مزدوری مانگی جو بیت اللہ کے مزدوروں نے مانگی

تھی اور مزدوری کی طلب تو دیکھئے، تنہا اپنی ذات کے لئے نہیں ہم بھی شریک تھے اس اجرت کی طلب میں کہ !رَبَّنَاوَاجْعَلْنَامُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَتِنَاأُمَّةً مُسْلِمَةً لَکَ وَاَرِنَاوَمَنَاسِکَنَاوَتُبْ عَلَيْنَاۖ اِنَّکَ اَنْتَ الْتَوَّابُ الرَّحِيْم۔اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرما نبردار بنااور ہماری اولاد سے ایک امت اپنی فرمانبردار بنااور ہمیں ہمارے حج کے اعمال بتااور ہم پر رحمت سے توجہ فرمااور تو بے شک رحمت سے توجہ کرنے والا ہے (البقرہ ۱۲۸)

گھر بنانے والے کو جو مزدوری ملی وہ مزدور جانے یا مالک..... لیکن اس اجرت میں آپ کو جو حصہ ملااور اس گھر کی زیارت کرنے والوں کو، طواف کرنے والوں کو، سفر کرنے والوں کو، اس گھر سے محبت کرنے والوں، اس کی تعظیم کرنے والوں کو..... کیا کچھ نہیں ملا کیا کچھ نہیں مل جاتا، برکتوں اور عزتوں کے اس گھر سے۔ ہر ایک یہی خزانے لے کر پلٹتا ہے اور..... ساتھ آپ کا دل بھی تو انہی خزانوں سے مالا مال ہے۔ ایک شکر سپاس ہے آپ کے پاس بھی اس وقت کہ آپ کا نفس پاک ہو کر اپنی خودی (انا) کو مٹا کر اپنے رب کی معرفت کی منزلوں میں ہے۔ رب کا گھر ہے یہ!!! مقام تفریح تو نہیں؟ یہ آگرہ کے تاج محل یا فرانس کے ایفل ٹاور کا نظارہ تو نہیں تھا..... یہ گھروندے جو سیر تماشے اور دل کے بہلاوے کیلئے صدیوں سے موجود ہیں لیکن وہاں آنے والے لاکھوں لوگ نہ عقیدت مند ہوتے ہیں نہ انہیں چومتے ہیں نہ آنکھوں سے لگاتے ہیں نہ والہانہ طواف کرتے ہیں نہ سجدے کرتے ہیں نہ روتے اور گڑگڑاتے ہیں نہ جھکتے اور گرتے ہیں نہ عشق و فدائیت سے سرشار پکارتے رہتے ہیں کہ "لبیک اللھم لبیک" آگیا ہوں مولا، میں آگیا میرے رب میں حاضر ہو گیا، تو نے بلایا تھا میں کیوں نہ آتا؟ میں آگیا سب کچھ چھوڑ کر آگیا، درویشوں کے روپ میں، کفن کی دو چادروں سے تن ڈھانپ کر تیرے در پہ آیا ہوں، دنیا کی لذتوں کو ٹھوکر مار کر آیا ہوں۔ لاکھوں لوگ.... ایک ہی وقت میں ایک ہی لے ہے، ایک ہی دھن جس کا سودا سر میں سمایا ہے، دیوانہ وار طواف کرتے ہیں، اور عزیز ساتھیو! آپ بھی احرام کا یونیفارم پہنے اس سلطانِ عالم کی فوج کا حصہ تھے اور جب نمازوں کے اوقات میں بھی اور صبح کے تڑکے میں بھی جب ہر بلندی اور ہر پستی پر لبیک کی آوازیں گونجتی تھیں تو آپ بھی ایک نشے میں سرشار ہو جاتے ہوں گے ایک کیفیت میں جذب ہو جاتے ہوں گے اور آپ کو اس خاک پر کبھی اس محبوب علیہ السلام کے قدموں کے نشان نظر آتے ہوں گے جو کبھی آگ میں کودا تو کبھی عزیز از جان نور نظر کے حلقوم پر چھری پھیر دی اور..... ۱۴۳۶ برس پیچھے لے گیا یکدم آپ کا شعور آپ کو کہ اسی خاک پر اس عظیم ہستی ؑ پر قربان، اور یوں طواف کرتے کرتے آپ کی وارفتگی میں یکبارگی اضافہ ہوتا چلا گیا ہو گا کہ یکایک یہ شعر حجاب بن کر آپ کی نظروں کے سامنے آگیا ہو گا کہ :

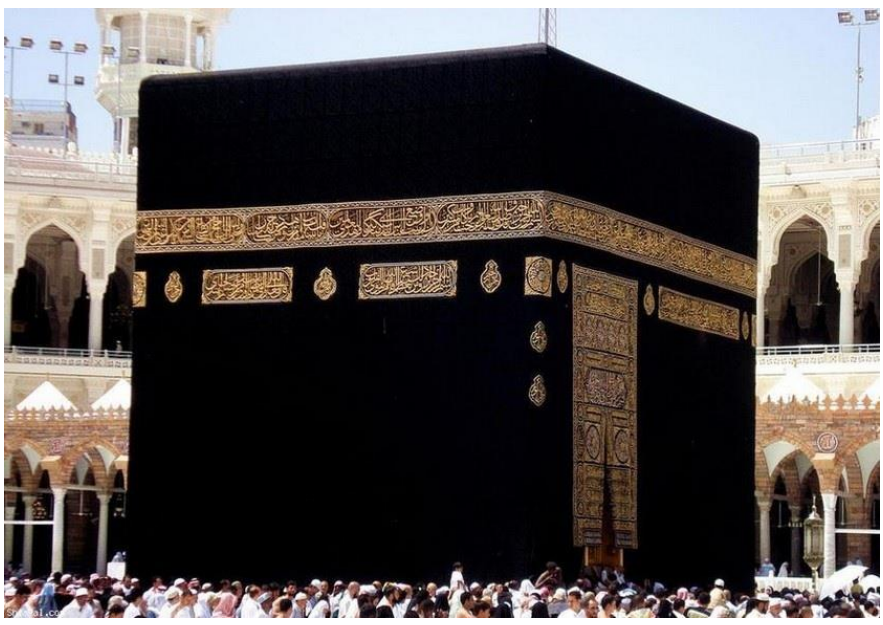

چو بطرف کعبہ رفتم بحرم اہم ندادند
تو بر دن در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

جب میں کعبہ کے طواف کیلئے گیا تو مجھے حرم میں داخل نہ ہونے دیا گیا، کہا گیا کہ تو نے حرم سے باہر تو نافرمانی کی اب بیت اللہ کس منہ سے آیا ہے۔

تب آپ کی سانسیں تھم تھم گئی ہوں گی، گردشِ ایام کے جائزے پر اور توبتہ النصوح کا مفہوم آپ پر آشکار ہوا ہو گا۔

ہاں ساتھی! دوران سعی آپ کو اس خاکِ پاک پر سیدہ ہاجرہ

صدیقہ کے قدموں کے نشان بھی نظر آئے ہوں گے جو نبی کی ماں اور نبی کی بیوی ہونے کے شرف سے مشرف تھیں اور برسہا برس سے قافلے اس عظیم خاتون کے قدموں کے نشانوں پر دوڑ رہے ہیں کیسا شرف ایک عورت کو دیا ہے اس دین نے، امام الانبیاء کو بھی اپنی عظیم ماں کی سنت پوری کرنے کیلئے دوڑنا پڑا.....!

دل کو دہلا دینے والی اس کیفیت سے بھی یقیناً آپ گزرے ہوں گے جب امام کعبہ پر ان آیات نے رقت طاری کر دی: وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا۔

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بیکس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما (سورۃ نساء: ۷۵)۔

قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ اور کشمیر کے باسی تو یاد آئے ہوں گے!

عزیزانِ من! اس سفر حجاز نے ایک پیام ضرور آپ کو دیا ہے وہ اک پیام جو مسجد حرام نے بھی آپ کو دیا ہے اور مسجد نبوی ﷺ نے، وہ ایک صدا جو عرفات کے میدان میں بھی آ رہی تھی اور منیٰ کی قربان گاہ میں بھی، جو زم زم کے قطروں نے بھی آپ سے سرگوشی میں کی ہے اور خاکِ حرم کے ذروں نے بھی آپ کے قدموں سے لپٹ کر کی ہے اور وہ صدا تھی، بس ایک صدا کیسی صدا کہ "کونو انصار اللہ" جب دنیا ظلم سے بھر گئی تو کیا تم اپنے حصے کا کام کرنے نہ اٹھو گے! راستہ بھی موجود ہے اور اس کی دی ہوئی ٹانگیں بھی موجود ہیں اور اس راستے پر چلنے کا قرض بھی موجود ہے۔

مالک نے جو زمین حوالے کی، مزارع نے اس پر ہل نہ چلایا اور زمین زہر آلود جھاڑیوں اور کانٹوں سے بھر گئی۔ سفر حجاز نے یہی تو کہا ہے آپ سے کہ جیسے یہاں کے ہر چپے پر اللہ کی بڑائی اس کا ذکر ہے اللہ کی ساری کائنات یونہی اس کی بڑائی چاہتی ہے۔ معرکہ بدر اور واقعہ کربلا آج بھی بپا ہے۔

ہمارے اندر کتنا عزم ہے اس دین کے نفاذ کی سختیاں جھیلنے کی... سفر حجاز کی یادیں آپ سے سوال کرتی ہیں۔

کچھ بھی تو نہیں رہے گا، کچھ بھی تو نہیں بس نام رہے گا اللہ کا!

بروز جمعۃ المبارک ۱۷ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۶ فروری ۲۰۱۵ء

آنکھیں نہیں پورا بدن روتا ہے

لڑائی کی وجہ بہت دلچسپ تھی۔ایک صاحب ریڑھی پر کھڑے پکوڑے کھا رہے تھے۔انہوں نے اچانک لفافہ نیچے رکھا اور بھاگ کر پان فروش لڑکے کو گریبان سے پکڑ لیا، لڑکا کمزور تھا اور وہ صاحب خاصے مضبوط اور لحیم و شحیم، لہٰذا انہوں نے لڑکے کو زمین پر گرا کر مارنا شروع کر دیا ۔ لوگوں نے بمشکل چھڑایا' تحقیق کی تو پتہ چلا، لڑکا انہیں پکوڑے کھاتا دیکھ کر ہنس رہا تھا، لڑکے سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا وہ تو ان کے پیچھے کھڑی بلی پر ہنس رہا تھا، بلی ریڑھی کے پہیوں میں چھپی چڑیا کو پکڑنے کی کوشش میں بار بار اس پر جھپٹتی تھی لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی، یہ چھوٹی سی غلط فہمی ایک لمبے چوڑے فساد کا باعث بن گئی۔ پکوڑے کھانے والے صاحب تھانے چلے گئے اور لڑکا ہسپتال۔بظاہر یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن اگر ہم اس کا نفسیاتی تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا پکوڑے کھانے والے صاحب میں قوتِ برداشت کم تھی۔وہ ایک بچے کا مذاق تک برداشت نہیں کر سکے، اگر وہ لڑکا واقعتاً ان پر ہنس رہا تھا تو بھی انہیں ناراض ہونے یا لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔وہ خود بھی ہنس کر لڑکے کی حرکت سے لطف اندوز ہو سکتے تھے لیکن ایسا نہ ہوا، انہوں نے چھوٹی سی غلط فہمی کو "جنگ" کی شکل دے دی۔

ایسے بے شمار واقعات روز ہمارے ارد گرد وقوع پذیر ہوتے ہیں۔عام معمولی باتیں بڑے جھگڑوں اور جھگڑے فساد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔یہ چیز، یہ علامت ثابت کرتی ہے کہ ہمارے معاشرے کی قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے، لوگوں کے اعصاب کمزور ہو چکے ہیں اور وہ اب معمولی معمولی باتوں پر لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ دس برسوں میں قتل کے جرائم میں آٹھ سو فیصد اضافہ ہوا ہے۔اس وقت پاکستانی جیلوں میں سزائے موت کے ۸۸۱۴ مرد، ۲۵۶ عورتیں اور ۴۲۶ نو عمر قیدی ہیں۔یہ تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔اگر آپ ان ۹۴۹۴ مجرموں کی کیس ہسٹری کا مطالعہ کریں تو آپ یہ جان کر حیران ہو جائیں گے کہ ۹۵٪ کیسوں کی وجوہات "تم مجھے دیکھ کر ہنس رہے تھے" سے ملتی جلتی ہیں۔پنجاب میں تو پچھلے سال دو نو عمر لڑکے مرغی کا انڈہ چوری کرنے پر قتل ہو گئے اور ۸ معصوم بچے آٹا چوری کرنے کے مقدمے میں دھر لئے گئے۔ جہاں ملک کے سب سے بڑے صوبے کا گورنر چند دن پہلے میڈیا پر آ کر موجودہ حکومت کو خوفناک چارج شیٹ سناتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرے کہ یہاں لینڈ مافیا اور جرائم کے سرپرست گورنر سے زیادہ مضبوط ہیں تو عام آدمی اب کس کا در کھٹکھٹائے؟

یہ کیا چیز ہے، یہ کس بگاڑ، کس تبدیلی کی علامتیں ہیں۔یہ علامتیں ثابت کرتی ہیں ہم اعصابی طور پر ایک کمزور معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم ایک ایسے ملک میں زندہ ہیں جس کے شہریوں کی قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے۔لیکن سوچنے کا مقام یہ بھی ہے کہ ایسے بے غیرت افراد کو لگام ڈالنے کیلئے ہمارے حکمران کیوں خاموش ہیں۔اب تک کسی کو عبرت کا نشان کیوں نہیں بنایا گیا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی جرأت نہ ہو۔آپ قتلوں کے اعداد و شمار ایک طرف رکھ دیں، آپ ویسے غور کریں، آپ کے ارد گرد آج جن اختلافات پر بڑے فسادات ہو رہے ہیں، جن پر درجنوں لوگوں کے سر پھٹ جاتے ہیں، ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں، کیا چند برس قبل اختلافات پر یہی ردِ عمل ہوتا تھا؟آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا، پھر سوال پیدا ہوتا ہے اتنی بڑی ''ڈی جنریشن'' اتنی بڑی مہلک تبدیلی کیسے آ گئی۔

وہ کون سی وجوہات ہیں جن کے باعث پورے ملک کی سائیکی تبدیل ہو گئی، لوگ کیوں صرف دیکھنے " کھنگورہ" مارنے اور ہنسنے پر ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔انتقام کی آگ بجھانے کیلئے بے گناہ خواتین کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے کہ جس کو دیکھ کر آسمانی مخلوق بھی

شرم سے سہم جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے ملک کے اعلیٰ دماغ معاشی بد حالی اور کم علمی ہی کو اس کی وجہ قرار دیں لیکن یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے امریکا میں تو کسی قسم کا معاشی مسئلہ نہیں، دنیا میں سب سے زیادہ فی کس آمدنی امریکا کی ہے، تعلیم بھی عام ہے، ۹۹ فیصد امریکی تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا وہاں تو اس قسم کے مسائل پیدا نہیں ہونے چاہئیں! لیکن حقائق یہ ثابت کرتے ہیں دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ جرائم امریکا میں ہوتے ہیں۔ امریکا میں ہونے والے جرائم کا ۹۲ فیصد تشدد پر مبنی ہوتا ہے۔

سینٹ کی ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کے مطابق دو سال میں تیرہ لاکھ ۵۳ ہزار سے زائد امریکی خواتین کی آبرو ریزی ہوئی، کمیٹی کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ امریکا میں ہر ہفتے تین ہزار سے زائد خواتین سے جنسی زیادتی ہوتی ہے جس میں ۹۳٪ عورتیں قتل ہو جاتیں ہیں، ابھی چند روز پہلے امریکی ادارے نے انکشاف کیا ہے کہ امریکا کے ۳۵ لاکھ نوجوان خودکشی کرنا چاہتے ہیں۔

اگر آپ کو یاد ہو تو امریکا میں پی ایچ ڈی کے طالب علم جیمز ہولمز نے اندھا دھند فائرنگ کر کے ۱۲/افراد کو موقع پر ہلاک اور بیسیوں کو زخمی کر دیا تھا جن میں چار افراد ہسپتال پہنچنے سے پہلے جان ہار گئے تھے۔ کولمبیا میں ایک امریکی "سیونگ ہوئی چاؤ" نے ۳۲/افراد کو گولیوں سے بھون دیا اور البامہ میں "مائیکل مکلینڈن" نے فائرنگ کر کے دس بے گناہوں کو موقع پر قتل کرنے کے بعد خودکشی کر لی۔ تیسری دنیا کے مقابلے میں امریکا معاشی خوشحالی سے مالا مال ملک ہے تو پھر یہ وحشت و درندگی کیسی؟

امریکہ کا دفاعی بجٹ ۶۴۰ بلین ڈالر ہے، یہ دنیا کے ۱۶۲ ممالک کے مجموعی بجٹ کے برابر ہے لیکن اتنے بھاری بجٹ اور بھاری مراعات کے باوجود امریکی فوجیوں میں خودکشی کا خوفناک رجحان پایا جاتا ہے جبکہ بلند آواز میں بولنے اور برتن توڑنے میں تو امریکیوں کی نظیر نہیں ملتی۔ امریکا کے برعکس اسکینڈے نیوین ممالک میں قابل تعریف برداشت پائی جاتی ہے۔ ناروے، سویڈن اور ڈنمارک میں تو قتل تو بہت دور کی بات ہے، عام لڑائی جھگڑوں کے واقعات بھی خال خال ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان ممالک میں جرائم کی یہ صورتحال ہے کہ وہاں کے اخبارات میں کرائم رپورٹر کی آسامی ہی نہیں ہوتی۔ چین اور جاپان میں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جاپان میں لوگوں کی قوتِ برداشت کا یہ عالم ہے کہ ایک شاہراہ پر برفباری میں تین گھنٹے ٹریفک بلاک رہی اور مصروف ترین ملک کے مصروف ترین شہری بڑے صبر سے گاڑیوں میں بیٹھے رہے۔ وجہ معلوم کی گئی تو پتہ چلا سڑک پر کسی جانور کی لاش پڑی تھی۔ ایک کار اس کے قریب رکی تو اس کے پیچھے گاڑیاں کھڑی ہو گئیں۔ کسی نے ہارن تک نہیں بجایا، اپنے سے اگلے کار ڈرائیور کو برا بھلا تک نہیں کہا۔

چین میں پچھلے بارہ برسوں میں قتل کے صرف دو واقعات رپورٹ ہوئے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ یہ فرق صرف سوشل جسٹس، صرف سماجی انصاف کی وجہ سے ہے۔ جن معاشروں میں لوگوں کے حقوق، لوگوں کی عزتِ نفس محفوظ ہو، ان کے شہریوں کی قوتِ برداشت بھی قائم ہوتی ہے۔ ان معاشروں، ان ملکوں میں لوگ ہنسنے کے جرم میں دوسروں کو گریبان سے نہیں پکڑتے، معمولی معمولی باتوں پر پستول نہیں نکالتے، لیکن جن ملکوں میں، جن معاشروں میں انصاف نہ ہو، حکومتیں کروڑوں لوگوں کے حقوق روند ڈالتی ہوں، لوگوں کا حکومتوں، عدالتوں اور سیاستدانوں سے اعتماد

اٹھ گیا ہو، ان ملکوں میں، ان معاشروں کے شہریوں کی قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے۔ وہ نفسیاتی کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے جب آنکھیں نہیں روتیں تو پھر پورا بدن روتا ہے۔ جب لوگ حکومتوں سے نہیں لڑ سکتے، زیادتی پر چیخ نہیں سکتے تو وہ پھر ہر دوسرے شخص سے لڑتے ہیں، اپنے سے کمزور ہر شخص پر چیختے ہیں۔ سوچئے! آج پاکستان میں بھی یہی صورتحال تو نہیں؟

بروز ہفتہ ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۷ فروری ۲۰۱۵ء

عقابی روح

جب سے آرٹیکل "قیامِ پاکستان کی حقیقت" شائع ہوا ہے، دوست احباب کی قیمتی آراء اس قدر جمع ہو گئی ہیں کہ ان کو اگر جمع کر لیا جائے تو ایک کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے لیکن میرے کئی قارئین جن کی اکثریت یونیورسٹی کے اساتذہ اور قانون دان جو کشمیر اور دہلی کے علاوہ دیگر علاقوں میں مقیم ہیں، پوچھتے ہیں کہ پاکستان کیوں بنا؟ اگر (خاکم بدہن) پاکستان نہ بنتا تو آج متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بھارت کی سیاست کا رخ تبدیل کر دیتی۔ وہ اپنی دلیل کے طور پر ہندوستان کے سابقہ وزیر خارجہ اور بی جے پی کے لیڈر جسونت سنگھ کی متنازعہ کتاب "جناح پارٹیشن انڈی پینڈینٹ" کا ذکر کرتے ہیں جس میں قائدِ اعظم کے بارے میں یہ تاثر کہ قائدِ اعظم متحدہ ہندوستان کے حق میں تھے اور یہ پنڈت جواہت لال نہرو اور پٹیل کی ضد کی بناء پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا"۔ آج کوشش کروں گا کہ مختصراً ان دونوں سوالوں کا جواب تحریر کر سکوں!

وہ جو اس کے افکار اور نوعیت سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ جو اس وقت ایک مخصوص نوجوانوں کے گروہ کے دلوں میں اسلامی روح کی تڑپ کی بجائے ہندوستانی گانے، ہیجان انگیز فلمیں اور دلکش مناظر بسے ہوئے ہیں، انہیں معلوم نہیں کہ پاکستان کی قیادت نے ظہورِ پاکستان کیلئے اور دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک لانے میں کتنی مشکلات کو سر کیا ہو گا۔ ہندوستان کے مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، وہ ذہنی، جسمانی، معاشی اور اقتصادی افکار سے بے بہرہ تھے۔ ان کے اوپر ہندو اور انگریز کی قوت کا اثر تھا، لہٰذا مسلمان اپنی تخلیقی اہلیت اور ہیئت اجتماعیہ اور انسانیہ کے فروغ و فراغ کیلئے وہ مقام حاصل نہ کر سکے۔ تمام زندگی کا کاروبار، تعمیری قوت کا سرچشمہ ہندو کی تجارت تھی اور مسلمان ہندو کے مرہونِ منت تھے۔ انگریزوں خاص کر لارڈ کیمبل کے زمانے میں کوئی آسامی نکلتی تو اشتہار میں یہ بھی تحریر کر دیا جاتا کہ مسلمانوں کو درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ ہندو تہذیب جو ذات پات پر مبنی ہے، وہ مسلمانوں کو بھی شودر سمجھتے تھے۔ مسلمان مفلسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی کہ مسلمانوں کی کشتی کا رخ یا سمندر کے پانی کے اس دھارے کو کس طرح بدلا جائے؟ مفکرِ پاکستان حکیم الامت علامہ اقبال نے کئی حیرت انگیز کارناموں کی بدولت ایک نئی سوچ سے روشناس کرایا۔ انہوں نے اپنے تعمیری فلسفے کی قوت سے خطبۂ الٰہ آباد میں مسلمانوں کو بیداری کی ایک نئی راہ دکھائی اور للکارا کہ مایوسی کی دلدل میں رہنے کی بجائے متحرک ہو کر غلامی کی زنجیروں کو توڑا جاسکتا ہے۔ قائدِ اعظم جو اس وقت ہندوستان کے مقتدر کانگریسی لیڈروں کی صفوں میں ایک نمایاں مقام پیدا کر چکے تھے اور مسلم لیگ کے بھی شیدائی تھے، ان کو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے کماحقہ واقفیت تھی اور مستقبل پر ان کی نظر تھی۔ انہوں نے بھی ٹھان لی کہ مسلمانوں کو اندھیری راتوں سے روشن صبح کی طرف لایا جائے۔ قائدِ اعظم اور ان کے رفقاء نے بڑی محنت کی کیونکہ قرآن کی تعلیم ان کیلئے مشعلِ راہ تھی۔ ایک مرتبہ قائدِ اعظم نے فرمایا "اگر ہم قرآن کریم سے ہدائت حاصل کرتے رہے تو آخر فتح ہماری ہو گی"۔ مزید فرمایا کہ "ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے ربّ کریم نے ہمارے محبوب پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچایا

لہٰذا یہ دو نظریات تھے جس کی وجہ سے قائدِ اعظم نے مسلمانوں میں مسلم لیگ کی تحریک کو ایک نئے ولولے کے ساتھ پیش کیا اور مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا کیا اور ۱۹۳۷ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک ہندوستان میں ایک انقلاب آفرین تبدیلی آئی اور اسی لئے ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلمانوں نے تمام ہندوستان کی سیٹوں پر بھاری اکثریت حاصل کی۔ قائدِ اعظم ایک عظیم ہستی تھے، وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر تھے اور لوگ ان کی بات نہ صرف سنتے تھے بلکہ اس پر دل و جان سے عمل بھی کرتے تھے۔ انہوں نے مسلم قومیت کو ابھارا کہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں اور اس قوم کیلئے اب

ایک الگ ملک ہونا چاہیئے۔ انہوں نے ایک فقرہ میں کہا: قومیت کی تعریف جس طرح بھی کی جائے، مسلمان ہر تعریف کی رو سے الگ قوم ہیں اور ساتھ انہوں نے واضح کر دیا کہ مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان کا تخیل ہر گز قبول نہیں کیونکہ اس طرح وہ اپنی مسلمان قوم کو ایک زبردست تباہی کی طرف نہیں دھکیل سکتے۔ لہٰذا قائداعظم نے اپنی بصیرت سے وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کو معاشی اعتبار سے فروغ دینے کیلئے تقسیمِ ہند کو مسلمانوں کی بہتری کا ذریعہ قرار دیا کہ مسلمانوں کو اپنا الگ وطن چاہیئے جہاں ہندوؤں کی طرح ذات پات کی کوئی تمیز نہ ہو۔ مسلمانوں کیلئے خود مختار معاشی فلاح و بہبود کے منصوبے ہوں جہاں مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کی پرورش اور حفاظت کر سکیں، جہاں اخوت و مساوات اور خوشحال معاشرہ ہو۔

قائداعظم نے فرمایا: "ہم ایک خدا اور ایک رسولؐ اور ایک امت پر یقین رکھتے ہیں۔ "لہٰذا انہوں نے قرار دیا کہ مسلمانوں کو ایک ایسا معاشرہ چاہیئے جو حریت و عدل، مساوات، اخوت، محبت اور باہمی احترام کے اصول پر قائم ہو۔ آقا اور بندے کے درمیان تمیز ہو، رنگ و نسل سے ہٹ کر بنی آدم یکساں ہوں اور وہ اللہ کی زمین پر مسلمانوں کیلئے ایک نئی راہ نکال سکیں۔ وہ اپنے ذہن میں ہندوستانی مسلمانوں کیلئے الگ وطن کا تصور پختہ کر چکے تھے، جہاں مسلمان عدل و انصاف اور آزادی سے رہیں اور اپنے جان و مال کی خود حفاظت کر سکیں۔ انہوں نے کہا "میں پاکستان کیلئے لڑ رہا ہوں کیونکہ ہمارے مسائل کا عملی حل ہی پاکستان ہے۔ میں نے اور میرے رفقاء نے کانگریس میں رہ کر دیکھا کہ کانگریسی قیادت مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں بالکل سنجیدہ نہیں، ان کا رخ ہندو اور ہندو کلچر کو فروغ دینا ہے لہٰذا ان کے ساتھ زیادہ دیر رہنا نہ تو سود مند ہے اور نہ ہی ہماری نجات کا باعث ہے۔ آپ نے علی الاعلان کہا کہ ہندو اور انگریز دونوں متحد ہیں اور مسلمانوں کو سخت ناپسند کرتے ہیں، ان کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنا رہے ہیں اس لئے مسلمان مزید محکومی کے دن نہیں گزار سکتے۔ بنگال کے مسلمانوں کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ جب سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۳ء میں بنگال پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کا مستقبل مکمل طور پر خطرے میں پڑ گیا، ان کی حالت خستہ و خوار ہو گئی۔ ایک وقت تھا کہ بنگال کے مسلمان اس خطہ پر حکومت کرتے تھے اور اس وقت یہ مہذب ہندوستان کا خطہ تھا۔ جب سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ کیا، مسلمانوں کو ان غیروں نے ذلیل زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ قائداعظم نے وارننگ دی: ''ہندو اور انگریز دونوں متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے، دو قومی نظریہ ایک صداقت ہے اور ہم آزادی کو اپنا دستور سمجھتے ہیں''۔

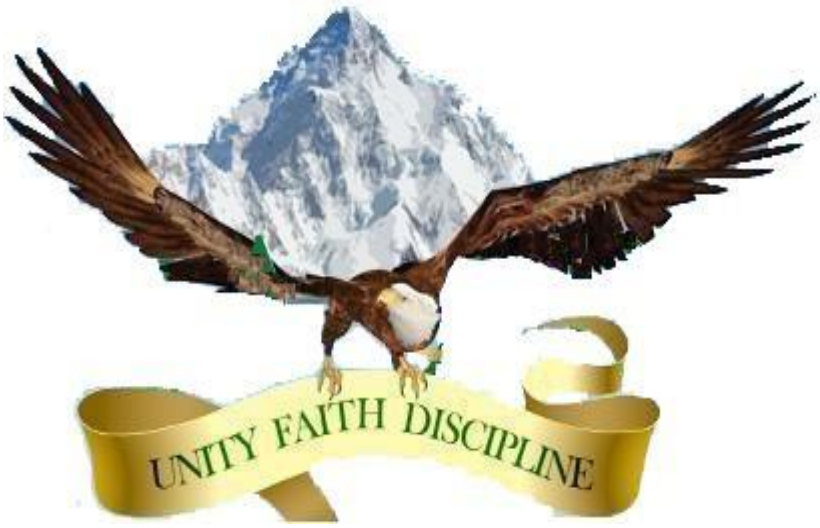

آپ نے کہا کہ: آل انڈیا مسلم لیگ کا سب سے بڑا اصول یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کی شناخت برقرار رکھی جائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا کہ "وہی قومیں آزادی کے قابل تصور کی جاتی ہیں جنہوں نے کامیابی کے ساتھ آزادی کی جدوجہد کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچایا۔" قائداعظم نے ۱۴/اگست ۱۹۴۸ء کو اپنے تاریخی خطاب میں فرمایا "یاد رکھئے پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں مل سکتی، یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے، اگر ہم نے دیانتداری، تندہی اور بے غرضی کے ساتھ کام کیا تو یہ سال بہ سال ترقی کرتی رہے گی۔ مجھے اپنے عوام پر کامل بھروسہ اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی نشاطِ ثانیہ اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہوں

گے۔"بلکہ قائداعظم کا خطاب علامہ اقبال کے اس شعر کی ترجمانی معلوم ہوتا ہے:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

قائداعظم نے کہا تھا کہ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی، معاشی اور سماجی زندگی کو کامل نشوونما ملے، لہٰذا ہم نے قوم کی حیثیت سے ملک حاصل کیا، ہمیں ایک قوم ہی رہنا چاہیئے، اگر ہندوستان تقسیم نہ ہوتا تو آج ہم اقلیت میں ہوتے، محکوم ہوتے اور ہندو کے مظالم کے سامنے بے بس ہوتے"۔ قائداعظم نے مزید ایک موقع پر فرمایا "ہندوستان کے انتہائی پیچیدہ مسئلے کا حل قیام پاکستان ہے اور اب پاکستان ایک اٹل حقیقت ہے کیونکہ متحدہ ہندوستان کا تخیل ہرگز قابل عمل نہیں تھا اور ہم کو متحدہ ہندوستان یقیناً ایک تباہی کی طرف لیجاتا، اب آپ کو دشمن کی ریشہ دوانیوں کو موزوں ترین جواب یہ دینا چاہیئے کہ ہم اپنی مملکت کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کریں۔ اب ہم اپنے ملک کے مالک ہیں، ہم نظم وضبط خود چلا رہے ہیں اور تمام کامیابیاں ذاتی کوشش اور محنت سے حاصل کی جاتی ہیں"۔

قارئین! اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ قائداعظم اور علامہ اقبال متحدہ ہندوستان میں رہنا چاہتے تھے یا مسلمانوں کیلئے ایک الگ مملکت ان کی منزل تھی۔ ہندو ابھی تک قائداعظم کی فراست کو ماننے کیلئے تیار نہیں کہ کس طرح انہوں نے پاکستان کا کامیاب مقدمہ لڑا اور بالآخر ایک علیحدہ مملکت مسلمانوں کیلئے معرض وجود میں آئی اور آج وہی مملکت خداداد دنیا کے نقشے پر ایک ایٹمی قوت بن کر اپنا وجود منوا چکی ہے۔ دنیا کے اقتصادیات کے ماہرین بھی اپنی رپورٹ میں اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ صدی یقیناً ایشیا کی ہے جس میں بظاہر بے شمار مشکلات کے باوجود پاکستان میں اپنے جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر ایک ابھرتی ہوئی عسکری واقتصادی قوت بننے کی پوری صلاحیت ہے۔ اگر اب بھی کسی کو شک ہے تو ان کو میرا مشورہ ہے کہ وہ امریکی سیاسی تجزیہ نگار باب ایڈورڈز کی مشہور زمانہ "اوباما زوار" کا مطالعہ کر لے جس میں اس نے امریکا کے تمام دفاعی اداروں کی مصدقہ اندرونی کہانیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ: "امریکا اور اس کے تمام اتحادیوں کی پاکستان کا نقشہ تبدیل کرنے کیلئے کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری غرق ہو کر رہ گئی ہے اور پاکستان ان تمام مصائب اور مشکلات کے باوجود اب ایک ایسی ایٹمی قوت بن چکا ہے کہ جس کے اپنے سائنس دانوں نے اپنی مہارت سے ایسی میزائل ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے جس کی بناء پر اب اسے اپنے دفاع کیلئے کسی اور عالمی طاقت کی احتیاج باقی نہیں رہی"۔

۲ فروری کو پاکستان نے جدید ترین سٹیلتھ کروز میزائل "رعد" کا کامیاب تجربہ کر کے اس پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے۔ کروز ٹیکنالوجی انتہائی مشکل ٹیکنالوجی ہے جو کہ دنیا میں پاکستان سمیت صرف چند ممالک کے پاس ہے بالخصوص یہ رعد میزائل اس حوالے سے سٹیٹ آف دی آرٹ ہے جو بغیر کسی آواز کے ریڈار کی نظروں سے اوجھل نچلی سطح پر پرواز کرتے ہوئے فضا میں اپنی پوزیشن بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ دہری صلاحیت کا یہ ائیر لانچڈ کروز میزائل ہر قسم کے روائتی اور ایٹمی ہتھیار لیکر سمندر اور زمین پر سو فیصد اپنے مقررہ ہدف کو کامیابی سے نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ انشاءاللہ جلد یا بدیر دنیا کے امن کیلئے مسلم امہ کا پاکستان کے مضبوط کردار کے بارے میں وہ خواب ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا اور پاکستان اسی سفر کی جانب گامزن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے تمام دشمن قوتیں مل کر عملی سازشوں میں مصروف پاکستان کا راستہ روکنے کی جتنی کوششیں کر رہے ہیں۔ امریکا کی بھارت سے بڑھتی ہوئی دوستی یقیناً پاکستان کے حق میں ایک نعمت خداوندی سے کم نہیں کیونکہ انہی حالات میں پاکستان خود انحصاری کے سفر کی طرف تیزی سے بڑھتا ہوا یقیناً اپنی منزل کو جلد پالے گا کیونکہ امریکا بہادر کی تاریخ ہے کہ اس کی دوستی کے برگد کے سائے تلے کوئی پنپ نہیں سکا اور امریکا اپنے مفادات کیلئے سب سے پہلے دوستوں کو قربان کرنے میں بڑا بے رحم ثابت ہوا ہے۔ میں اپنے ان دوستوں کے اطمینان کیلئے ایسے کئی اور منطقی دلائل دے سکتا ہوں کہ اس معجزاتی ریاست کا ۲۷ رمضان المبارک کی شب کو وجود میں

آناخود اس بات کی دلیل ہے کہ اس ریاست سے اللہ کو کوئی معجزاتی کام لینا مقصود ہے!

بروز اتوار ۱۹ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۸ فروری ۲۰۱۵ء

امن کی ضمانت... ضربِ عضب

مغربی اور امریکی استعمار کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب کسی بھی مقبوضہ سرزمین سے رخصت ہوتے ہیں تو وہاں پر اپنے ناجائز قبضے کے دوران اس ملک اور معاشرہ میں ایسی برائیوں کا ناسور چھوڑ آتے ہیں جن کے خاتمہ میں کئی دہائیاں درکار ہوتی ہیں۔ غیر ملکی امداد کے نام پر ایسی بے شمار این جی اوز کا جال پھیلا دیا جاتا ہے جو استعماری اہداف کی تکمیل کیلئے اپنے سازشوں میں مصروف رہتی ہیں۔ یہ غیر ملکی آقا ان ممالک میں ایک ایسا نظام بھی نافذ کرنے کیلئے ایسی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں جس سے آئندہ کی نسل بھی ان کی غلامی سے باہر نہ نکل سکے لیکن ہمارے پڑوسی افغانستان جس کی آدھی سے زیادہ آبادی خانہ جنگی کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دی گئی لیکن انہوں نے نہ تو اپنے ملک پر ناجائز قبضے کو تسلیم کیا اور نہ ہی اپنے معاشرے میں ان کے چھوڑے ہوئے کسی نظام کو قبول کیا اور تسلسل کے ساتھ اپنی مالی و جانی قربانیوں کے ثمر میں دونوں عالمی طاقتوں کے تکبر کو خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔

افغانستان میں یکم دسمبر ۲۰۱۴ء سے ہزاروں امریکی فوجیوں کے انخلاء کے ساتھ ہی وہاں پر غیر ملکی این جی اوز بھی پچھلے گیارہ سالوں میں افغانستان کے روایتی نظام حکومت اور عدالت کو تبدیل کرنے کی انتھک کوششوں میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کے باوجود ناکام و نامراد ہو کر اپنا بوریا بستر لپیٹ کر ملک سے رخصت ہو رہی ہیں اور بظاہر افغانستان کی عدالتوں کا اپنی منشا کے مطابق امیج بہتر بنانے کیلئے امریکی اور یورپین ممالک کی غیر سرکاری تنظیموں کی تمام کوششیں رائیگاں چلی گئیں ہیں۔ اب انصاف کے حصول میں مشکلات کے بعد افغانستان میں بڑی تیزی کے ساتھ طالبان کی عدالتیں قائم ہو رہی ہیں۔ اس وقت کنڑ، نورستان، پکتیا، ارزگان، زابل، ہلمند، قندھار، لوگر اور میدان وروک میں ان عدالتوں نے عملی طور پر کام بھی شروع کر دیا ہے اور مختلف چھوٹے چھوٹے اضلاع میں موبائل عدالتیں بھی قائم کر دی گئی ہیں جہاں جمعہ کے روز مقامی جامع مسجد میں لوگوں کے مقدمات اور تنازعات سننے کے بعد فوری فیصلے بھی صادر کئے جاتے ہیں جس پر سختی سے عملدرآمد بھی ہو رہا ہے۔

امریکی انخلاء کے ساتھ افغانستان میں افغان طالبان عدالتوں کا فعال ہونا طالبان کی بھرپور طریقے سے واپسی کا شارہ بھی ہے جبکہ ان علاقوں کے لوگوں نے افغانستان کے مقامی سیشن کورٹس اور سپریم کورٹس سے اپنے مقدمات واپس لینے شروع کر دیئے ہیں۔ افغان سپریم کورٹ کے ذرائع کے مطابق روزانہ دس سے پندرہ سائلین اپنے مقدمات واپس لے رہے ہیں جس سے مقامی ججز میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی ہے کہ ان کے عدالتی نظام پر عدم یقین کی صورت میں یہ سارا نظام ناکام ہو سکتا ہے۔ افغان سپریم کورٹ سے اپنا مقدمہ کنڑ میں طالبان کورٹ لیجانے والے ایک افغان شہری نے بتایا کہ ان کے دو بھائیوں کو بااثر افراد نے ان کی قیمتی زمین ہتھیانے کیلئے قتل کر دیا تھا جب وہ مقامی عدالت میں مقدمہ جیت گیا تو اس کے دوسرے بھائی کو مار دیا گیا، اس کے خلاف افغان سپریم کورٹ میں مقدمہ شروع ہوا، اپنی قیمتی جائیداد واگزار کرانا تو درکنار، اپنے بھائیوں کے قاتلوں کی گرفتاری کیلئے افغان سپریم کورٹ تک رسائی اور مقدمے میں گزشتہ دو برسوں میں پانچ لاکھ ڈالر خرچ کرنے پڑے۔

جب وہ تھک ہار کر بیٹھ گیا تو اس کے گاؤں کے ایک شخص نے اسے طالبان کی کنڑ عدالت میں اپنا مقدمہ لیجانے کا مشورہ دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ پہلے ہی بھاری اخراجات کے بوجھ تلے دب کر مفلس ہو چکا تھا تاہم اس نے طالبان عدالت کو اپنی آخری امید سمجھ کر آزمانے کیلئے طالبان کی عدالت میں چپکے سے ایک سادہ سی درخواست ارسال کر دی جس کے جواب میں اگلے جمعے اسے سماعت کیلئے بلا لیا گیا۔ نہ صرف اس کے دونوں بھائیوں کے قاتلوں کو گرفتار کر کے فوری سزا سنا دی گئی بلکہ اس کی ساری قیمتی جائیداد بھی فوری واگزار کر دی گئی اور بااثر افراد کے دونوں بھائیوں کو قصاص کے تحت حکم

سنایا گیا جس پر اس نے بلا اکراہ دیت وصول کر کے انہیں معاف کر دیا۔ یوں نہ صرف مقامی لوگوں کے مسائل جلدی سے حل ہونا شروع ہو گئے ہیں بلکہ سستا فوری انصاف بھی ہو رہا ہے۔ ریاستی عدالت میں اس کے پانچ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے جبکہ طالبان عدالت میں اس کے درخواست لکھوانے کے دس افغانی خرچ ہوئے جس میں اس کا پورا مقدمہ بھی سنا گیا اور اس کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں کے عوام طالبان کے دوبارہ اقتدار میں آنے کی دعائیں کر رہے ہیں۔

دوسری جانب جنوبی افغانستان سے تعلق رکھنے والے ایک افغان سردار نے بتایا کہ بعض حکومتی ملیشیا نے اس کے بھتیجے کو اغواء کیا تھا اور دس لاکھ ڈالر تاوان کا مطالبہ کر رہے تھے جو ان کے پاس نہیں تھے۔ حکومت اور خاص طور پر افغان صدر حامد کرزئی کے خاندان تک حکومت میں رسائی حاصل کی لیکن پھر بھی شنوائی نہ ہو سکی کیونکہ حکومت سے لیکر تمام عدالتیں ملیشیا سے ملی ہوئی تھیں جس کے بعد انہوں نے جمعہ کے روز افغان طالبان کی موبائل کورٹ میں اپنا مقدمہ پیش کر دیا اور دوسرے جمعہ سے قبل ہی اس کے بھتیجے کو بازیاب کرا لیا گیا کیونکہ ملیشیا کے جن افراد نے اس کے بھتیجے کو اغواء کیا تھا، طالبان نے انہیں سمن جاری کر دیئے کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اس کے بھتیجے کو بحفاظت اس کے گھر نہ پہنچایا تو طالبان ان کے اور ان کے خاندان کے خلاف کاروائی کریں گے جس کے ڈر سے انہوں نے فوری طور پر اس کے بھتیجے کو بحفاظت اس کے گھر پہنچا دینے میں اپنی عافیت سمجھی۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے افغان عام کی بڑی تعداد طالبان کی عدالتوں سے رجوع کر رہی ہے۔ بنیادی وجہ لوگوں کو فوری سستا انصاف ملنا ہے کیونکہ طالبان کی ان عدالتوں میں کوئی پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی وکیل کرنا پڑتا ہے۔ افغان ذرائع کے مطابق نہ صرف کنڑ میں پانچ، نورستان میں چار، ہلمند میں آٹھ، قندھار میں تین اور زابل میں چار طالبان کورٹس کی مصدقہ اطلاعات ہیں جبکہ طالبان نے تعلیم کا کمیشن بھی بنا دیا ہے جس نے عوام کو اپنی بچیوں کو اسکول بھجوانے کیلئے سخت ہدایات جاری کر دی ہیں اور یکم مارچ سے تعلیمی سال شروع ہونے پر طالبان نے بچیوں کا اسکول جانا لازمی قرار دیا ہے تاہم اس کیلئے مقامی انتظامیہ سے کہا گیا ہے کہ وہ بچیوں کے اسکول کیلئے خواتین اساتذہ، چار دیواری اور علیحدہ اسکول کا انتظام کرے جس کیلئے مختلف علاقوں میں کام شروع ہو چکا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اگر افغانستان کی ریاستی عدالتیں معاملات حل کرنے اور عوام کو سستا انصاف فراہم کرنے میں یونہی ناکام رہیں تو طالبان عدالتیں عنقریب پورے ملک میں بن جائیں گی کیونکہ طالبان عدالتوں میں پیسے خرچ نہیں ہوتے جبکہ افغانستان کے وکلاء ڈالروں میں فیس لیتے ہیں جو عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔

پہلے خواتین کے حقوق سے متعلق مقدمات میں غیر ملکی این جی اوز لوگوں کی قانونی امداد کے ساتھ ساتھ مالی امداد بھی فراہم کرتی تھیں تاہم امریکی انخلاء کے ساتھ ہی این جی اوز بھی رفو چکر ہو گئی ہیں جس کے بعد قانونی امداد میں اب خواتین کو رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں جبکہ طالبان کی عدالتوں میں صرف ایک درخواست دینے پر گھنٹوں میں مقدمات نمٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ خواتین کو غیر ضروری انتظار نہ کرنا پڑے جس سے جہاں خواتین کو اپنے

حقوق کے حصول میں انتہائی آسانی پیدا ہو گئی ہے وہاں خواتین کے احترام میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔افغان طالبان کے عدالتی نظام پر افغان عوام کی اکثریت کا اعتماد اس بات کی دلیل ہے کہ افغان عوام نے بغیر کسی انتخاب کے ان کو اپنا رہنماء تسلیم کر لیا ہے۔اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طالبان جب مکمل طور پر اپنے ملک کی زمامِ کار سنبھالیں گے تو انہیں اس ملک میں امن قائم کرنے کیلئے کسی بڑی تگ و دو کی ضرورت نہیں ہو گی۔

دنیا بھر کے اکانومسٹ نے اپنے سالانہ کنونشن میں آئندہ صدی کو جہاں ایشیا کی برتری اور امریکا کے زوال کا برملا اظہار کیا ہے اور وہاں پاکستان کی جغرافیائی حیثیت کو ایک کلیدی تبدیلیوں کا سر خیل کہا ہے۔ان مثبت تبدیلیوں کیلئے پاکستان میں امن کیلئے افغانستان میں امن ہونا ضروری ہے اور ہمارے دشمنوں کی سازش یہی ہے کہ اس خطے میں امن قائم نہ ہونے دیا جائے جس کیلئے ضروری ہے کہ قوم کے تعاون سے ضرب عضب جیسی کاروائی کا دائرہ کار سارے ملک میں پھیلایا جائے!

بروز منگل ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ ۱۰ فروری ۲۰۱۵ء